



تاریخی و تصویری روح پرور

منفرد سفر نامہ

پہلی بار مظر عام پر

# فلسطین کی ڈائری

مرتبہ

حضرت مولانا سہیل باوا صاحب  
مالیہ سلیخ ختم ہوئے

شعبہ نشر و اشاعت ختم نبوت اکیڈمی، لندن



تاریخی و تصویری روح پرور

منفرد سفرنامہ

پہلی بار منظرِ عام پر

فلسطین

کی  
ڈائری

پہلی بار منظرِ عام پر  
منفرد سفرنامہ

## جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : فلسطین کی ڈائری  
تالیف : حضرت مولانا اسماعیل باوا صاحب مدظلہ  
ڈیزائننگ ہیڈ: محمد عاطف فاروقی  
کمپوزنگ و ڈیزائننگ: محمد خرم  
ناشر : ختم نبوت اکیڈمی (لندن)  
اشاعت اول: فروری 2020  
اشاعت اول: 2024

کتاب ملے کاپٹ

مکتب امداد العُلم

جامع مسجد ناظم آباد نمبر 5، نزد میٹرک بورڈ آفس، کراچی پاکستان۔

فون: 021-36613625

شائع کردہ

ختم نبوت اکیڈمی لندن

**KHATME NUBUWWAT ACADEMY**

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT, United Kingdom

Phone: 020 8471 4434 | Cell: 0788 905 4549, 0795 803 3404

Email: khatmenubuwatacademy@gmail.com | Website: www.khatmenubuwat.org



## حق انتساب

دنیا کی وراثت نسب سے اور دین کی وراثت نسبت سے ملتی ہے۔ بندہ انتہائی متحیر ہے کہ اپنی اس حقیر کاوش کو کس کا فیض قرار دے اور کس کی طرف اس کا انتساب کرے۔ قلبی کیفیات اگر میرے عظیم محسن امام اہل السنۃ مفتی احمد الرحمان صاحب رحمہ اللہ کی دلیلیز پر بوسہ کننا ہیں، تو جبین نیاز اپنے اس عظیم والد مکرم عالمی مبلغ ختم نبوت مولانا عبدالرحمن باوا صاحب مدظلہ کی چوکھٹ پر خم ہے، جس کی تربیت نے اس انسانی قافلے کی بھیڑ میں مجھے اک پہچان بخشی۔ روح کو بالیدگی بخشنے والے مشفق اساتذہ میں سے شیخ الحدیث مولانا حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا اقلیم علم کے اسکندر ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہوں، یہ سب میرے محسنین ہیں، جن کے احسانات کے مرہون منت میرا نطق و بیان بھی ہے تحریر و تقریر بھی۔ تو حق باحق دار رسید کے مصداق حق انتساب بھی انہی عظیم لوگوں کے سپرد کرتا ہوں اور اپنی یہ بے بضاعت پونجی ان کی طرف منسوب کرتا ہوں، جن کی نسبت خاک کو افلاک اور ذروں کو رشکِ شمس و قمر بنا دیتی ہے۔

خادم ختم نبوت

سہیل باوا

## مقدمہ

از امام عطاء اللہ خان

سابق استاذ جامعہ فاروقیہ، کراچی۔ پاکستان

امام مدینہ مسجد و استاذ، مدینہ انسٹیٹیوٹ آکسفورڈ، برطانیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مسجد حرام اور مسجد نبوی کے بعد تیسری مقدس مسجد مسجد اقصیٰ ہے، ہجرت مدینہ کے بعد رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے تقریباً سولہ ماہ مسجد اقصیٰ کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھیں اسی وجہ سے مسجد اقصیٰ کو مسلمانوں کا قبلہ اول کہا جاتا ہے، مسجد اقصیٰ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ یہاں انبیاء کرام کی جماعت نے سید الانبیاء محمد ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی، دنیا میں کسی اور مسجد کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔ معراج کی رات رسول کریم ﷺ کی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تشریف آوری میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ اب نبوت بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل کی طرف منتقل ہو گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو بیت اللہ اور مسجد اقصیٰ دونوں مقامات کی برکتیں عطا فرما کر قیامت تک کے لیے ختم نبوت کا منصب عطا فرما دیا، اب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ مسجد اقصیٰ کو ایک یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ اس کی طرف باقاعدہ سفر کرنے کی اجازت دی گئی ہے، رسول کریم ﷺ نے تین مساجد مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف نماز پڑھنے کے لیے سفر کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، صرف ان تین مساجد کی طرف سفر کی اجازت مرحمت فرمائی ہے، اسی لیے مسلمان بڑی تعداد میں ان تین مساجد کی طرف شوق اور ذوق کے ساتھ سفر کرتے ہیں اور وہاں کے مقدس مقامات اور انبیاء علیہم السلام کی قبور کی زیارت کرتے ہیں۔

یہ ارض مقدس انبیاء علیہم السلام کا مسکن رہا ہے، سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں ہجرت فرمائی،

اپنے ایک بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو یہاں آباد فرمایا اور دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں آباد فرمایا، حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام جن کا لقب اسرائیل ہے، ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے، انہی کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ہزاروں انبیاء علیہم السلام کو اس ارض مقدس کی طرف مبعوث فرمایا، بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی علاقے میں پیدا ہوئے اور اسی مبارک مقام سے آسمانوں کی طرف زندہ اٹھائے گئے اور قیامت کے قریب پھر دنیا میں تشریف لائیں گے۔

مسجد اقصیٰ کی تعمیر مسجد حرام کے چالیس سال بعد ہوئی ہے، حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی تھی؟ فرمایا کہ مسجد حرام، میں نے سوال کیا اس کے بعد کون سی؟ فرمایا کہ مسجد اقصیٰ، میں نے سوال کیا اور ان دونوں کی تعمیر کا درمیانی فاصلہ کتنا تھا؟ فرمایا کہ چالیس سال، پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس جگہ بھی نماز کا وقت ہو جائے فوراً نماز پڑھ لو، تمہارے لیے تمام روئے زمین مسجد ہے۔ (صحیح بخاری)

ہر مسلمان کی دل میں یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ وہ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کی زیارت کی سعادت حاصل کرے، بچپن سے میری بھی یہی خواہش تھی اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے 2017ء میں مجھے مسجد اقصیٰ کی زیارت نصیب فرمائی، میرے بچپن کے دوست حضرت مولانا سہیل باوا صاحب جو عرصہ دراز سے برطانیہ میں مقیم ہیں اور ختم نبوت کے عظیم مشن میں مصروف ہیں، انہوں نے ایک سال قبل مسجد اقصیٰ اور فلسطین کا سفر کیا اور اپنے اس سفر نامے کو اب کتاب کی صورت میں شائع کر رہے ہیں، مجھے مولانا کی کتاب فلسطین کی ڈائری دیکھ کر دلی خوشی ہوئی اور کتاب کی پی ڈی ایف دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ یہ ایک دیدہ زیب اور معیاری کتاب ہے، مولانا نے اپنی کتاب میں مسجد اقصیٰ القدس کے تاریخی شہر انبیاء علیہم السلام کے مزارات اور دیگر مقدس مقامات کے بارے میں مکمل معلومات کے ساتھ ان مقامات کی تصاویر بھی شائع کر دی ہیں جو اس کتاب کے لطف کو مزید دو بالا کرتی ہیں، امریکہ، برطانیہ، باقی یورپ اور بہت سے دیگر

ممالک میں رہنے والے مسلمان جنہیں فلسطین اور مسجد اقصیٰ جانے کی سہولت میسر ہے، ان کے لیے یہ کتاب ایک مکمل گائیڈ اور ہدایت نامہ ہے، جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ ان تمام مقامات کے بارے میں مکمل معلومات اس کتاب کے ذریعے حاصل کر سکتے ہیں، دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا سہیل باوا صاحب کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین

مکتبہ اہل بیت علیہم السلام  
مرکز اہل بیت علیہم السلام

## تمہید

محترمی و مکرمی مولانا سہیل باوا صاحب حفظہ اللہ مبلغ ختم نبوت اکیڈمی لندن، کی گراں قدر تصنیف 'فلسطین کی ڈائری' ایک ایسا سفر نامہ ہے، جو ان کے اسی عنوان کے اسفار پر مشتمل ہے۔ یہ محض ایک سفر نامہ ہی نہیں، بلکہ اپنے موضوع پر ایک علمی اور تحقیقی دستاویز بھی ہے، دیگر اسی نوعیت کے سفر ناموں کی طرح اس سفر نامہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنے قاری کو ان مقامات پر ساتھ ساتھ لیکر چلتا ہے، جن کو اس کا مصنف براہ راست اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے۔ زیب قرطاس کیے گئے مقامات مقدسہ، جن میں مسجد اقصیٰ اور اس سے ملحقہ حصے، جن کی فضیلت قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں موجود ہے، ان کا آنکھوں دیکھا روحانی اور جذباتی حال، ان مقامات سے انبیاء کرام علیہم السلام کی وابستگی، آقا کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا روحانی میلان و فتوحات، اور ہمارے بزرگان دین کا ان مقامات سے گہرا روحانی و علمی تعلق، یہ سب کچھ آپ کو فلسطین کی ڈائری میں موضوع کے لحاظ سے کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً ملے گا، جس میں آپ کو اہل اسلام اور یہود و نصاریٰ کے مذہبی اور معاشرتی تعلقات کی جھلک بھی نظر آئے گی۔

ساتھ ہی ساتھ اس ڈائری میں آپ کو فتنہ قادیانیت کے بانی مرزا قادیانی کی ان فریب کاریوں کا جواب بھی ملے گا، جو مرزا قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے لکھ کر عام مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے، جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ نام نہاد اور بناوٹی قبر ہے، جس کو مرزا قادیانی اپنی کتابوں میں چار پانچ جگہ لکھ کر اپنے مسیح موعود ہونے کا بھانڈہ خود اپنے ہاتھوں سے بیچ چوراہے پر پھوٹ چکا ہے۔ یہ اور اس جیسا بہت سا علمی مواد آپ اس ڈائری میں پائیں گے، جسکے لئے واقعاً مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا سہیل باوا صاحب دامت برکاتہم العالیہ داد تحسین کے مستحق ہیں، دعا ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائیں، اور آخرت میں ذریعہ نجات ہو۔ وما توفیقی الا باللہ

خالد محمود (سابق، یوٹیل کنڈن)

۳۰ ربیع الاول ۱۴۴۱ھ ہجری

28 نومبر 2019

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## تقریظ

اس روئے زمین میں کئی ایسے مقامات ہیں جو اپنی برکات و تقدس کے حوالے سے اپنے اندر ایک جہاں رکھتے ہیں اور شاید ہی کوئی مسلمان ایسا ہو کہ جس کو ان مقامات کے دیکھنے کی خواہش نہ ہو۔ اس دنیا میں کچھ خوش نصیب لوگ وہ ہیں جنہیں ان مقامات کو دیکھنے کے اسباب و وسائل میسر ہیں، چنانچہ مسلمانوں کا قبلہ اول بیت المقدس جو سرزمین انبیاء کہلاتی ہے، ان ہی مقامات میں سے ایک ہے اور ہمارے بہت ہی مخلص دوست محترم مولانا سہیل باوا صاحب (ناظم ختم نبوت اکیڈمی لندن) ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جنہیں بیت المقدس کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور یہی نہیں بلکہ موصوف نے اپنے سفر بیت المقدس کو بڑے خوبصورت انداز میں سپر ڈقرا طاس کر کے قارئین کے لیے ایک انمول سفر نامہ پیش کیا ہے، جسے پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ بندہ گویا خود اس مقام مقدس پر پہنچ گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ موصوف کی اس سفری ڈائری کو قارئین کے لیے ایک قیمتی علمی ذخیرہ بنائے اور انہیں دارین میں فلاح و عافیت نصیب فرمائے۔ (آمین)

ڈاکٹر محمد ہارون خان

استاذ الحدیث

جامعہ اسلامیہ امداد العلوم ناظم آباد 5

## اقصىٰ کا مسافر

چیزوں کی قیمت نسبت سے پہچانی جاتی ہے۔ عرب کے ریگزار اگر سرمہ چشم خلق بنے ہیں تو انہیں شاہ لولاک ﷺ کی قدم بوسی نے شرف بخشا ہے کہ سرزمین حجاز کا ذرہ خاک بھی رشک افلاک ہے۔ اسی ذات ستودہ صفات سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ نے جب سفر معراج فرمایا تو مسجد حرم سے مسجد اقصیٰ تک چلے اور پھر مسجد اقصیٰ سے عرش بریں تک پہنچے تاکہ نقش یار کی پیروی میں چلنے والی امت جان لے کہ اللہ سے ملنے کی راہوں میں سے سب سے اعلیٰ راہ یہی ہے جس میں سابقہ سب انبیاء کو مقتدی بنا کر امام الانبیاء کو مقتداء بنا یا گیا۔ اس بیت المقدس کے شرف کیلئے تو اتنا ہی کافی تھا کہ نبی آخر الزماں ﷺ کے مبارک قدم وہاں لگے لیکن اس کی عظمت کو خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے \*لا تشد الرحال الا الی ثلاثہ\* مساجد فرما کر دوچند کر دیا۔

قبلہ اول بیت المقدس اور قبلہ آخر بیت اللہ میں کچھ عجیب ایمان افروز نسبتیں ہیں۔ مثلاً قبلہ اول بیت المقدس میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو جمع کر کے ان کی امامت جناب سرکارِ دو عالم ﷺ کو تفویض کر دی گئی، تاکہ تمام اولین پر آپ ﷺ کی عظمت آشکار ہو جائے اور حجۃ الوداع کے موقع پر کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کہ جن میں ہر صحابی سابقہ کسی نبی کی شان لئے ہوئے تھا، آپ ﷺ کا مقتدی بنا کر آخرین پر آپ ﷺ کی شان و عظمت کا علم بلند کر دیا۔

زیر نظر کتاب ہمارے برادر مکرم مولانا سہیل باوا صاحب کے سفر ارض قدس کی دلنشین داستان ہے۔ موصوف نے کسی بھی پہلو کو تشنہ نہیں رہنے دیا بروشلیم کی تاریخ سے لے کر بیت المقدس سے مسلمانوں کی قلبی وابستگی ہر چیز کو بہت ہی جامع اور مرقع انداز میں پیش فرمایا ہے۔

مختصر سفر نامے کو ایک تاریخ کا محضر نامہ بنا دینا اور پھر کسی طالب علم سے تقریظ لکھنے کی درخواست کرنا اچھا خاصہ ادبی مذاق ہے۔ بہر حال تعمیل ارشاد میں کچھ سطور پیش خدمت ہیں۔

بیت المقدس کی تعمیر میں سیدنا سلیمان علیہ السلام علیہ السلام کی سرپرستی میں جنات نے کارہائے نمایاں انجام

دیئے۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے دنیا بھر میں جنات کے ذریعے بہت سے تعمیراتی پراجیکٹ مکمل کئے، بالخصوص مسجد اقصیٰ کی تعمیر جس کیلئے دنیا بھر سے بھاری بھرم وزنی پتھر اکٹھے کئے گئے اور انہیں زمین کی کشش ثقل اور جاذبیت کے زاویوں کے تحت بہت احسن طریقے سے تعمیر میں استعمال کیا گیا کہ جدید تہذیب کی عقل اس اعلیٰ تعمیراتی ذوق کی گرد کو بھی نہیں پاسکتی۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام کی تعمیر کے بعد مسجد اقصیٰ پر کچھ برے ادوار بھی آئے جب قوم یہود کی سرکشی اور بغاوت کے باعث شہر یروشلم اور مسجد اقصیٰ کو شدید صدمات پہنچے۔ قرآن مجید میں خصوصی طور پر تین ادوار کا ذکر ہے جب یہود کی سرکشی کے باعث ان کو سزا دی گئی اور مسجد اقصیٰ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔

یہود کی پہلی سرکشی کا مذکور واقعہ اس وقت پیش آیا جب انہوں نے شریعت موسوی کی مخالفت کی اور ان کے بخت نصر کے نامزد بادشاہ نے بت پرستی اور بد عملی کے ساتھ ساتھ بخت نصر سے بھی بغاوت کی تو بخت نصر شہر پر چڑھ آیا اور کشت و خون اور قتل و غارت کی کوئی حد نہ رہی۔ شہر میں آگ لگا کر میدان کر دیا گیا اور یہود کو جلا وطن کر کے بابل بھیج دیا گیا۔ جہاں پر ذلت اور خواری کے ساتھ ستر سال تک رہے۔ پھر یہ اپنے بد اعمال سے تائب ہوئے۔ اس کے بعد شاہ ایران نے بابل پر حملہ کر کے فتح کیا۔ جلاوطن یہودیوں کو ان کے لوٹے ہوئے سامان کے ساتھ ملک شام میں پہنچایا اور شاہ ایران کے تعاون سے مسجد اقصیٰ کو سابق نمونہ کے مطابق بنایا گیا۔

یہود کی دوسری سرکشی کا مذکور واقعہ حضرت عیسیٰ کے رفع آسمانی کے چالیس سال بعد پیش آیا جب یہودیوں نے شریعت عیسوی کی مخالفت کی اور اپنے لادین رومی حکمران سے بھی بغاوت کی۔ تو رومیوں نے شہر اور مسجد اقصیٰ کو تباہ کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک یہ مسجد ویران پڑی رہی۔ یہاں تک کہ آپ نے اس کی تعمیر کرائی۔

یہود کی تیسری سرکشی شریعت محمدی کی صورت میں سامنے آئی۔ جب انہوں نے جناب نبی کریم ﷺ کو ان کی تمام علامات کو پہنچانے کے باوجود آپ کی مخالفت کی یہاں تک کہ آپ کو شہید کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا جس پر پہلے تو ان کو مدینہ سے جلا وطنی کا عذاب بھگتنا پڑا اور بعد ازاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں فتح بیت المقدس کی شکل میں

ان پر تیسری بار ذلت مسلط ہوئی اور یوں مسجد اقصیٰ مسلمانوں کے پاس آگئی۔

مسجد اقصیٰ کیونکہ تینوں آسمانی ملتوں یہودیت، نصرانیت اور حنفیت (یعنی دین اسلام) میں مقدس مقام کی حیثیت سے پہچانی گئی ہے اس لئے ہر قوم اور ہر ملت کی یہ خواہش رہی ہے کہ ہم مسجد اقصیٰ کے وارث بنیں۔ مسجد اقصیٰ پر کس کا حق ہے، یہ ایک معرکہ الآراء مسئلہ ہے لیکن اصولی بات یہ یاد رکھنی چاہیے کہ قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوتا، یہود انبیاء علیہ السلام علیہم اجمعین کے قاتل ہیں لہذا ان کے مقامات اور انبیاء کی کسی بھی چھوڑی ہوئی یا بنائی ہوئی یادگار کے یہودی وارث نہیں ہو سکتے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ اب ان کا قبلہ ہے لہذا تولیت کا حق بھی ان کو ہے تو یہ بات بھی درست نہیں اس لئے کہ قبلہ ہونے کے لئے تولیت شرط نہیں ہے جیسے بیت اللہ فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں کا قبلہ تو بن چکا تھا مگر تولیت نہیں تھی لہذا یہود اسے قبلہ بنائیں ہمیں کوئی غرض نہیں لیکن اس کا حق ملکیت صرف اور صرف مسلمانوں کا ہے۔

زیر نظر کتاب عصر حاضر کے سفر ناموں میں سے اس اعتبار سے بھی بہت عمدہ ہے کہ محترم نے اس میں پوری امت مسلمہ کی ترجمانی کی ہے۔ بیت المقدس سے اپنی وارستگی اور عشق کو الفاظ کی قباہ پہنائی ہے۔ یہ کتاب حسن ترتیب، عمدہ ذوق تحقیق اور مصنف کی خالص مذہبی و ایمانی فکر کے اعتبار سے اس لائق ہے کہ اسے قارئین کا ایک وسیع حلقہ میسر آئے۔

اللہ سے دعا ہے کہ برادر مکرم فاضل جناب مولانا سہیل باوا صاحب مدظلہ کو اس عمدہ کاوش پر بہترین جزا عطا فرمائے۔ واقعی انہوں نے قدس کا بیٹا ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔

مفتی محمد رضوان عزیز

مدیر، ختم نبوت ریسرچ سینٹر عارف والہ

کوآپریٹو ٹیچر کراچی یونیورسٹی شعبہ اسلامک لرننگ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## تقریظ

الحمد للہ چند سالوں سے میرا مسجد اقصیٰ تسلسل سے جانا ہوتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سفر کے ذریعے UK کے کئی علماء کے ساتھ سفر کی سعادت اور بیت المقدس کی زیارت کا موقع عطا فرمایا، ان علماء میں سے میرے بچپن کے دوست اور بنوری ٹاؤن کراچی میں حفظ قرآن کے ساتھی، ختم نبوت اکیڈمی لندن کے ناظم اور ہمارے بہت ہی عزیز اور انتہائی محترم حضرت مولانا سہیل باوا صاحب ہیں، جن کا ختم نبوت کے حوالے سے بہت بڑا کردار ہے، ان کے علاوہ قاری محمد کی صاحب ساکن مکہ مکرمہ، جناب فضل ثانی بھی ہمارے رفیق سفر تھے، مولانا سہیل باوا صاحب کے بیت المقدس کے دو سفر میرے ساتھ ہوئے ہیں۔ ماشاء اللہ انہوں نے ان اسفار کے مختصر احوال لکھے اور ان کو کتابی صورت میں جمع فرمایا ہے، میں نے ان کے لکھے ہوئے اس سفر نامے کے چیدہ چیدہ مقامات کا مطالعہ کیا، جو بڑے ہی دل فریب، بہت اچھے انداز اور الفاظ کے بہترین چناؤ کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس انمول کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے، اور نفع عام و خاص کا سبب بنائے۔ آمین

مفتی عبدالوہاب

(لندن)

## حرفِ آغاز

آہ مسجد اقصیٰ! تو آج کس حال میں ہے؟ تجھے اپنوں کی لاپرواہی نے کیسا لاچار بنا دیا ہے؟ تیرے چاہنے والوں کی کمزوری اور تیرے دشمنوں کی مکاری نے تجھے کیسی تکلیف اور غم میں ڈال رکھا ہے؟ تیرے مبارک درود یوار جہاں سے فرشتے بھی باادب گزرتے تھے، اب یہودی کی نازیبا حرکات سے کتنا غمگین ہوتے ہوں گے؟ تیری وہ سجدہ گاہیں جہاں کبھی مقدس ترین ہستیاں، نبوت کے پیکر پیغمبرانِ الہی سجدہ ریز ہوتے تھے اب وہاں صرف ان مجرموں کے ناپاک بوٹوں کی دھمک سنائی دیتی ہے.....

ہاں! ان دلخراش حالات سے مسلمانوں کے سینے زخمی ہیں، اہل دل اس پر تڑپتے ہیں، تجھ سے محبت رکھنے والے یہ حالت دیکھ کر روتے اور آہیں بھرتے ہیں، تو سعادتوں کا مرکز ہے، مگر آج تجھے شقاوت کے ماروں نے گھیر رکھا ہے، تو برکتوں کا گھر ہے، مگر آج تجھے غضب کی ماری قوم نے اُجاڑ رکھا ہے..... لیکن یاد رکھنا! بہت جلد تیرے چاہنے والے، تیری عزت اور تقدس کو پہچاننے والے تجھے ان ظالموں کے چنگل سے آزاد کروائیں گے۔ عنقریب پھر وہ دن آئیں گے جب تکبیر کے پاکیزہ نعرے تجھ میں گونجیں گے، ان شاء اللہ! عنقریب سارے عالم کے سعادت مند مسلمانوں کی جبینِ نیاز تیری زمین پر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوگی۔

قارئینِ کرام! مسجد اقصیٰ عام مساجد سے بہت بلند اور اونچی شان رکھتی ہے۔ اس کے دامن میں بے بہا برکتیں اور سعادتیں رکھ دی گئی ہیں، اہل ایمان کے دلوں میں اس مسجد کی بڑی وقعت اور محبت رچی بسی ہوئی ہے، قرآن و احادیث میں اس مسجد کی فضیلت پر کئی دلائل و ارشادات موجود ہیں، جنہیں پڑھ کر ایک مخلص مؤمن کے دل میں اس مسجد کی خاص عقیدت و محبت سرایت کر جاتی ہے۔ اس عظیم المرتبت مسجد کے کچھ فضائل قارئین کی خدمت میں

پیش کرتے ہیں جو قرآن و احادیث میں ہمیں بتلائے گئے ہیں۔

## (۱) مسجد اقصیٰ، تین اہم مساجد میں سے ایک:

اس مسجد کی ایک فضیلت اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ مسجد ان تین مساجد میں شامل ہے جن کی طرف سفر کرنے کی بطور خاص ترغیب دی گئی ہے اور اس کی طرف سفر کرنے کو عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تشدّ الرّحال إلاّ إلى ثلاثة مساجد : المسجد الحرام،

ومسجد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، ومسجد الأقصى (بخاری: ۱۱۸۹)

ترجمہ: ”تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے (اور وہ تین مساجد یہ

ہیں: مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ“

یعنی اگر کوئی انسان عبادت اور تقرب الی اللہ کی نیت سے کسی مسجد کی طرف سفر کر کے جانا چاہتا ہے تو باقی مساجد ثواب کے اعتبار سے برابر ہیں، اس لئے ان مساجد میں کسی کو کسی پر ترجیح حاصل نہیں لیکن یہ تین مساجد اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، اس لئے ان مساجد کی طرف سفر کرنا زیادہ ثواب ہے۔

## (۲) یہ مسلمانوں کا قبلہ اول تھا:

جب تک مسلمانوں کے لیے کعبہ شریف کا قبلہ مقرر نہیں کیا گیا تھا اُس وقت تک مسلمانوں کے لیے قبلہ یہی ”مسجد اقصیٰ“ تھی، اس طرح یہ مسلمانوں کا پہلا قبلہ تھی، اس بنیاد پر اس کی جو فضیلت اور مسلمانوں کے دل میں اس کا جو مقام ہونا چاہیے وہ بالکل واضح ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہم نے تقریباً سولہ یا سترہ مہینوں تک نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھیں پھر ہمارا قبلہ کعبہ کو مقرر کر دیا گیا۔ (بخاری: 3392)

### (۳) زمین پر قائم ہونے والی دوسری مسجد:

مسجد اقصیٰ کی فضیلت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس زمین پر بیت اللہ کے بعد جو مسجد قائم ہوئی وہ یہی مسجد اقصیٰ ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: مسجد الحرام..... میں نے پھر پوچھا: اس کے بعد؟ (یعنی مسجد الحرام کے بعد کون سی مسجد بنائی گئی؟) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مسجد اقصیٰ“..... (بخاری: ۳۳۶۶)

### (۴) مبارک سرزمین سے نسبت:

مسجد اقصیٰ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ یہ مسجد جس سرزمین پر واقع ہے اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین کو مبارک قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلٰی  
الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِیْ بَرَّکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے راتوں رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔ (بنی اسرائیل: آیت نمبر ۱)

بعض اہل علم فرماتے ہیں اگر اس مسجد کے لیے اس قرآنی فضیلت کے علاوہ اور کوئی فضیلت نہ ہوتی،

تب بھی یہی ایک فضیلت اس کی عظمت و بزرگی اور شان کے لیے کافی تھی۔  
 اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ مفید عبارت بھی نقل کر دی جائے جو شیخ الاسلام حضرت مولانا  
 شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرمائی ہے، آپ لکھتے ہیں:

”جس ملک میں مسجد اقصی واقع ہے وہاں حق تعالیٰ نے بہت سی ظاہری اور باطنی برکات  
 رکھی ہیں، مادی حیثیت سے چشمے، نہریں، غلے، پھل اور میووں کی افراط ہے، اور روحانی  
 اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ کتنے انبیاء و رسل (علیہم السلام) کا مسکن و مدفن اور ان کے فیوض و  
 انوارات کا سرچشمہ رہا ہے۔

شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں لے جانے میں یہ بھی اشارہ ہوگا کہ جو کمالات انبیاء  
 بنی اسرائیل وغیرہ پر تقسیم ہوئے تھے، آپ کی ذات مقدسہ میں وہ سب جمع کر دیئے گئے،  
 جو نعمتیں بنی اسرائیل پر مبذول ہوئی تھیں، اُن پر اب بنی اسماعیل کو قبضہ دلا یا جانے والا  
 ہے، کعبہ اور ”بیت المقدس“ دونوں کے انوار و برکات کی حامل ایک ہی امت ہونے والی  
 ہے۔“ (تفسیر عثمانی: صفحہ نمبر ۳۷۴)

## (۵) سرزمین محشر

مسجد اقصیٰ کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ یہ جس سرزمین پر واقع ہے وہ سرزمین حشر و نشر کی جگہ ہے۔  
 حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں بیت المقدس کے  
 بارے میں بتلائیے؟ تو آپ مال اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وہ سرزمین حشر و نشر کی جگہ ہے..... (ابن ماجہ: ۱۴۰۷)

## (۶) معراج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک منزل:

مسجد اقصیٰ کی ایک یہ فضیلت بھی قابل ذکر ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ کو عظیم اعزاز معراج کی صورت میں عطا فرمایا جو ایک عظیم معجزہ بھی ہے، تو اس مبارک سفر میں ایک اہم منزل وہ پڑا جو آپ نے مسجد اقصیٰ میں فرمایا۔ پھر یہی وہ جگہ ہے جہاں سے آپ ﷺ کو آسمان کی بلندیوں کی طرف لے جایا گیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

”میرے پاس براق لایا گیا، یہ ایک سفید رنگت کی لمبی سواری تھی، گدھے سے کچھ بڑی اور نچر سے کچھ چھوٹی، اس کا ایک قدم انتہائے نظر کی مسافت پر پڑتا تھا۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: میں اُس پر سوار ہوا، یہاں تک کہ میں بیت المقدس پہنچ گیا، وہاں پہنچ کر اس سواری کو اس حلقے سے باندھ دیا جس حلقے سے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام نے (اپنی سواریاں باندھی تھیں، پھر میں مسجد میں داخل ہوا، اس میں دو رکعت ادا کیں، پھر باہر نکل آیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام دودھ اور شراب کا ایک الگ الگ برتن میرے پاس لائے، میں نے ان میں سے دودھ والا برتن لے لیا، اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: آپ نے فطرت کے عین مطابق چیز کو پسند فرمایا ہے۔ اس کے بعد وہ ہمیں آسمان کی طرف لے کر چل پڑے“.....

(مسلم: 162)

## ۷) نماز میں کئی گنا اضافہ:

اس مسجد کی ایک اہم فضیلت یہ بھی ہے کہ اسلام کے اہم ترین رکن نماز کا اجر و ثواب اس مسجد میں کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس مسجد کا مقام و مرتبہ دیگر مساجد کے مقابلے میں ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے اس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ آیا رسول اللہ کی مسجد (یعنی مسجد نبوی) کی فضیلت زیادہ ہے یا بیت المقدس والی مسجد (یعنی مسجد اقصیٰ)

کی؟ چنانچہ یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میری مسجد میں پڑھی جانے والی ایک نماز اس مسجد (مسجد اقصیٰ) کی چار نمازوں سے افضل ہے۔ اور وہ نماز کی جگہ تو بہت ہی خوب ہے! عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگوں کو اگر گھوڑے کی ایک لگام کے برابر بھی کوئی ایسی جگہ مل جائے کہ جس سے وہ مسجد اقصیٰ کی زیارت کر سکیں تو ان کے نزدیک یہ زیارت پوری دنیا سے بہتر ہوگی۔ (حاکم: 4/509)

اللہ اکبر! یہ حدیث نبی کریم ﷺ کی نبوت کی نشانیوں اور پیشین گوئیوں میں سے ایک ہے، اس میں آپ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا، کہ ایک وہ وقت آئے گا جب مسلمانوں کے دلوں میں اس مسجد کی قدر و قیمت بہت بڑھ جائے گی اور اس مسجد کے بارے میں دشمنان اسلام کی عداوتیں بہت بڑھ جائیں گی، ان کی عداوتوں کی وجہ سے مسلمان اس مسجد کے لیے ترسیں گے حتیٰ کہ انسان یہ سوچے گا، کہ کاش! اگر مجھے گھوڑے کی لگام جتنی کوئی ایسی جگہ بھی مل جاتی جہاں سے میں مسجد اقصیٰ کو دیکھ لیتا تو وہ اس خوشی کو دنیا بھر کی خوشیوں سے بہتر سمجھتا۔

(۸) تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی اجتماع گاہ:

ایک طویل حدیث میں، جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسی مسجد میں سب انبیاء علیہم السلام کی ایک نماز میں امامت کرائی، حدیث کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں:

”فحانت الصلاة فاممتهم“.....

نماز کا وقت آیا تو میں نے ان کی امامت کرائی۔ (صحیح مسلم: 172)

(۹) دجال سے محفوظ جگہ:

مسجد اقصیٰ ایک ایسی پاکیزہ سرزمین میں واقع ہے، جہاں ”کانا دجال“ بھی داخل نہیں ہو سکے گا، جیسا

کہ حدیث میں فرمان نبوی ﷺ ہے:

”وہ دجال ساری زمین گھومے گا مگر حرم اور بیت المقدس میں داخل نہیں ہو سکے گا۔“

(مسند احمد: 19665)

ایک طرف اس عظیم مسجد اور اس علاقے کے یہ فضائل اور مراتب ہیں، جس کا حق یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری اور افضل امت کا اعزاز پانے والی امت اس مسجد کی قدر کرتی، اس مسجد کو دینی شعائر سے آباد رکھتی اور ہر قسم کے کفر اور کفریہ تسلط سے پاک رکھتی لیکن ..... آہ!!! آج اسی ارض مقدسہ کے مسلمان سخت آزمائشوں کا شکار ہیں، انہیں وہاں قسم قسم کے تکلیف دہ حالات کا سامنا ہے، یہود انہیں ان کے گھروں سے محروم کر رہے ہیں، ان کے گھروں کو مسمار کر دیتے ہیں، مسجد اقصیٰ کی حرمت پامال کی جاتی ہے، یہ سب حالات ہم مسلمانوں سے تقاضا کرتے ہیں کہ ہم ان کے غم اور ان کے درد کو محسوس کریں، ہم ان کے لیے دُعا کو اپنے معمولات کا حصہ بنالیں۔

اے اللہ!

مسجد اقصیٰ کو ظالموں، سرکشوں اور غاصبوں کے ناپاک ہاتھوں سے پاک فرما،

فلسطینی مسلمانوں کے ضعف اور کمزوری کو ختم فرما،

انہیں قوت عطا فرما،

ان کے دشمنوں کی تدبیروں کو ناکام فرما۔

آمین!

جنت سے قریب ترین شہر

## القدس سے تصوراتی پکار

یروشلم ایک منفرد شہر ہے جہاں زمین راقم کے خیال میں آسمان کی بلندیوں کو چھوتی ہے۔ یہ وہ شہر ہے جو میرے اندر رہتا ہے میرے دل میں بستہ ہے۔ یروشلم کی ہر جگہ ہر کونہ، ہر درودیوار، ہر پتھر جو آپ لٹائیں ایک کہانی اور تاریخ سے وابستہ ہے اور وہ آپ کو یروشلم کی تاریخ سناتا ہے۔ تاریخ کی اہم شخصیات، بزرگوں، بادشاہوں اور ان لوگوں کے بارے میں بات کرتا ہے جو یہاں رہے اور یہاں سے گزرے۔

میں یروشلم میں رہ سکتا ہوں، یہاں آسکتا ہوں، اس میں جاسکتا ہوں اس میں چل پھر سکتا ہوں۔ میرا دل بار بار آنے کے لیے بے قرار رہتا ہے، اس کے ہر مقام سے گزرنے کا مجھے جنوں ہے۔ جتنے بھی لوگ میں نے یروشلم میں دیکھے مجھے لگتا ہے کہ میں اس میں اکیلا ہوں، یروشلم مجھ ہی سے باتیں کرتا ہے۔ مجھ سے مخاطب ہے۔ جی کرتا ہے بس آنکھیں بند کروں اور اس کی گلیوں میں چلتا رہوں۔

جتنا بھی میں یروشلم کے بارے میں جانتا ہوں، جتنا اس کے بارے میں پڑھتا ہوں، جتنا بھی اس کے بارے میں جانا چاہتا ہوں، میں اس کے بارے میں علم حاصل کرتا ہوں، سنتا ہوں، کتابوں میں پڑھتا ہوں، سفر کرتا ہوں مگر میرے خیال میں، میں یروشلم کے بارے میں مکمل نہیں جان سکا۔ مجھے لگتا ہے اس کے درودیوار مجھے کوئی داستان بتانے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ اس کے بارے میں مجھے بتانے کے لیے چیخ رہے ہیں چلا رہے ہیں، مجھ سے باتیں کرنا چاہتے ہیں، اپنا غم سنانے کی کوشش کرتے ہیں مگر پھر بھی میں یروشلم کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ہوں۔ میں لاجواب ہوں، میں کچھ نہیں جانتا۔

لیکن اتنا جانتا ہوں کہ میں یروشلم کے بغیر ایک لمحہ بھی نہیں رہ سکتا۔ اس کے بغیر ایک دن نہیں گزار سکتا۔ یروشلم میرے دل میں رہتا ہے، میری آنکھوں میں بستہ ہے۔ یہ دنیا کی واحد جگہ ہے جہاں میں

محسوس کرتا ہوں کہ میں تو محفوظ ہوں مگر اقصیٰ کے لئے ہر دم دعا گو ہوں۔ (یہ جنت کا دروازہ ہے یہاں سے آسمان کا دروازہ ہے اور یروشلم جنت سے قریب ترین ہے۔)

یہ وہ شہر ہے جہاں میں رہنا چاہتا ہوں اور بس یہیں مرنا چاہتا ہوں خاص اس جگہ جہاں بیت المقدس ہے۔

دنیا کے تمام شہروں کی زمین ہے

اس شہر کے ۷۰ نام ہیں۔ یروشلم کا پہلا نام وہاں کے رہنے والے کنعانی لوگوں کی وجہ سے ’یوس‘ تھا۔ اس کے بعد اس کا نام اور اسلم / شلم پڑا۔ ارامائی زبان میں ’اورا‘ شہر کو کہتے ہیں اور ’سالم‘ بادشاہ کا نام تھا۔ عربی میں یہ نام اُورُ سالم کی صورت میں پایا جاتا ہے اور لفظ سالم کا ذکر تورات میں بھی ملتا ہے جو اس سرزمین کے لیے استعمال کیا گیا۔

یروشلم عبرانی زبان کا لفظ یروشلم سے ہے جو 1550-2100 قبل مسیح پرانا نام ہے۔ ’ایم‘ کے معنی عبرانی زبان میں ’دو‘ کے ہیں جو ان دو پہاڑیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جن پر یہ شہر قائم ہے اور شلم شلوم بمعنی امن سے ماخوذ ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کا پہلا لفظ یونانی زبان (hieron) بمعنی مقدس سے ماخوذ ہے۔

اسکے بعد رومن دور میں الینا کبوتلینا (گارڈز کا شہر) یا ایلیاء پڑا جو عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایات میں بھی ملتا ہے۔ بیت المقدس نام byzantine دور میں رکھا گیا، اسکے بعد ان پر فتح پانے والے مسلمانوں نے اس کا نام القدس شریف رکھا لہذا ان سب کا مشترکہ معنی امن کا شہر اور امن کا گھر ہے۔

القدس ہماری جان، ہماری شان ہے جہاں مسلمانوں کی خوش حالی کا سامان اور مسلمانوں کی عظیم فتح کی پیش گوئی کا منظر نامہ موجود ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی اور القدس میں موجود جبل زیتون سے سلامتی کی آواز اور پیغام دینے کے دن قریب ہیں۔ اس وجہ سے اس کو ’مدینۃ السلام‘ بھی کہتے ہیں۔ یہ

اورۃ المدائن ہے۔ دنیا کے تمام شہروں کی زمین ہے اور ہر ایک کے دل اس کی طرف لپک رہے ہیں۔

## امامت کی خصوصی دعوت

مسجد اقصیٰ کی بدولت یروشلم کو مکہ اور مدینہ کے بعد مسلمانوں کے تیسرے مقدس ترین شہر کی حیثیت حاصل ہے۔ اقصیٰ کا مطلب ”دور کی مسجد“ کے ہیں۔ مسجد سے یہاں مراد ”بیت المقدس“ کا پورا رقبہ ہے، اہل یہود کے مطابق اس جگہ کبھی ”ہیکل سلیمانی“ قائم تھا۔ اس ہیکل کو بخت نصر شاہ بابل نے چھٹی صدی میں مسمار کر دیا تھا۔ پروفیسر کریسول کے مطابق ہیکل سلیمانی کی جنوبی دیوار کے ساتھ ساتھ ایک عمارت تعمیر کی گئی تھی جو مشہور یہودی مؤرخ ”جو سفیس“ کے بیان کے مطابق تین دالانوں پر مشتمل تھی۔

یہ مقدس شہر مور یہ اور صیہون کی پہاڑیوں پر واقع ہے، وہ مقدس مقامات جن کی بدولت یہ مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کی عقیدتوں کا مرکز ہے، وہ اکثر و بیشتر شہر کے مشرقی پہاڑی مور یہ پر ایک ہی احاطے میں واقع ہیں۔

اہل اسلام جس کو ”بیت المقدس“ کے نام سے پکارتے ہیں وہ مسجد اقصیٰ کا مقدس ترین حصہ ہے۔ 634ء / 15 ہجری میں خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس شہر میں داخل ہوئے، اس سے قبل یہ شہر صدیوں تک پہلے رومیوں اور دیگر لوگوں کے تصرف میں رہ چکا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب ایک فاتح کی حیثیت سے شہر مقدس میں داخل ہوئے تو اہل شہر کو پناہ دینے کے بعد ان کے سامنے صرف ایک مقصد تھا..... جلد سے جلد اس مقدس مقام کو تلاش کرنا جہاں سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سفر معراج پر تشریف لے گئے تھے۔

بیت المقدس کو فتح کرنے کے بعد سب سے پہلے اذان سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دی، اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کی یاد میں اذان دینا ترک کر دی تھی، لیکن امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصرار اور صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آرزو پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر اذان دی اور سب نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا

کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قافلہ میں صحابہ رسول ﷺ کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ تھے، جنہوں نے یروشلم کو اسلامی تعلیمات کا گہوارہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہر کو الوداع کہنے سے قبل براق باندھنے کے قریب ایک جگہ پر جہاں انہوں نے اپنے ہمراہیوں سمیت نماز ادا کی تھی، ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا، جسے ”مسجد عمر“ کہا جاتا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اس کا ذکر کیا ہے نیز ”تھیوفینس، الیاس ناصبی“ اور ”میکائیل شامی“ نے بھی اپنی تاریخ میں سقوط یروشلم اور ہیکل کی جگہ ایک مسجد کا موجود ہونا لکھا ہے۔

عباسی خلفاء نے بھی اپنے پیش روؤں کی اس روایت کو زندہ رکھا اور ان میں سے کم و بیش تین تو ایسے تھے جنہوں نے ایک زائر کی حیثیت سے مسجد اقصیٰ میں حاضری دی۔

یوں تو یہ سرزمین مقدس تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا مسکن رہی ہے اور اسی مسجد اقصیٰ ہی کو موضع اور مقام کے اعتبار سے سعادت حاصل ہے، کہ شب اسراء میں امام الانبیاء سرور کونین ﷺ کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کی خصوصی دعوت دی گئی اور یہیں سے رب کے حضور پیش ہونے کا راستہ بنایا گیا۔ پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آمد و رفت رہی اور اولیاء عظام بھی اس سنت کو پورا کرتے رہے اور بعد والے بھی پیروی کرتے رہے۔ چنانچہ صلاح الدین ایوبی بھی ۲۹ رجب ۵۹۳ھ کو فاتح بن کر بیت المقدس میں داخل ہوئے اور شہر کی فصیلوں پر اسلامی جھنڈا لہرایا گیا۔ یہ دن مسلمانوں کیلئے بڑا یادگار دن تھا۔ (ابن خلدون)

لندن لوٹن سے لُد فلسطین تک کے سفر میں کیا دیکھا

سب سے پہلے راقم کی اہلیہ اور پھر راقم کے چند مخلص رفقاء لندن نے اسرائیل جانے کے ارادے پر کہا کہ آپ اسرائیل جائیں گے۔ آپ کو پتہ بھی ہے وہاں کے حالات کا؟ دوست احباب کی طرف سے یہ رد عمل غیر متوقع نہ تھا۔ وہ اس بات پر ہی بہت حیران تھے کہ ان حالات میں القدس اسرائیل جانے کا شوق ہی راقم کے دل میں کیوں پیدا ہوا؟ شاید احباب وہاں کے حالات سے سوائے سوشل میڈیا کے

کچھ بھی واقف نہ تھے، لیکن بعض ارادے اور خواہشات اکابرین سے ورثے میں ملتے ہیں، اس لئے جب نیک کام کا ارادہ کر ہی لیا ہو تو اب اُسے اللہ کی توفیق سے پایہ تکمیل تک پہنچانا عزم کا حصہ ہے۔ الحمد للہ!

قبلہ اول پر حاضری اور یروشلم کی گلیوں میں بھٹک جانے کی خواہش اور جذبہ پہلی مرتبہ کب بیدار ہوا؟ یہ بھی ایک سوال ہے۔ دنیا کا کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں کہ اس کے دل میں مسجد اقصیٰ سے عقیدت و محبت نہ ہو۔ حقیقت میں اس راہ میں والدین کی دعا اور عقیدہ ختم نبوت کی دعوت و تبلیغ کی راہ میں دس سالہ مشکلات کے بعد یس کے دروازے کھلنے کے ساتھ ساتھ اصل وسیلہ میرے بچپن کے دوست مفتی عبدالوہاب صاحب ہی بنے جنہوں نے راقم کے حوصلے کو توانائی بخشی۔ راقم سبز پاسپورٹ پر درج عبارت ”یہ پاسپورٹ سوائے اسرائیل کے تمام دنیا کے لیے کارآمد ہے“ کی وجہ سے کبھی وہاں جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن قدرت کی چارہ سازی کے سلسلے بھی عجیب ہوتے ہیں۔ اس سفر کے لئے تمام راہیں جو بظاہر مسدود تھیں، لندن اقامت کے بعد برطانوی پاسپورٹ ملتے ہی کھل گئیں۔ گویا ایک ہی دروازے سے ساری دنیا کی سرزمین خاص طور سے مسجد اقصیٰ میں داخلہ سہل ہو گیا۔ الحمد للہ!

6 جولائی 2017ء کی صبح 9:30 بجے لندن سے تھوڑے فاصلے پر موجود لوٹن ایئر پورٹ سے بغیر کسی اسٹاپ کے تل ابیب اسرائیل کے ایئر پورٹ بین گورین اور قدیم نام لُد کے لئے روانہ ہوئے، حسب توقع جہاز میں یہودیوں کی تعداد زیادہ تھی، جبکہ قائد سفر کے ہمراہ 45 افراد پر مشتمل قافلہ تھا۔ ساتھ والی نشست پر قائد سفر مفتی عبدالوہاب صاحب اور ان کے سسر مرحوم کے دوست براجمان تھے۔ 5 گھنٹے کا یہ سفر پلک جھپکتے ہی ختم ہوا، خبر ہی نہ ہوئی کہ کب شروع ہوا اور کب ختم بھی ہو گیا۔ ایک بات جہاز میں سفر کے دوران راقم نے نوٹ کی کہ جب جہاز نے لُد ایئر پورٹ پر لینڈ کیا تو جہاز میں موجود تمام یہودیوں نے بڑے ہی زور سے تالیاں بجائیں۔ راقم بڑا ہی حیران ہوا جس پر قائد سفر مفتی صاحب نے فرمایا کہ جب یہود اپنے ملک میں آتے ہیں، تو عقیدتاً اس طرح کی خوشی کا اظہار کرتے ہیں جیسے ہم مکہ، مدینہ اور بیت المقدس پہنچ کر تشکر کرتے ہیں۔

ٹھیک 2 بجے جہاز لڈ کے ایئر پورٹ پر پہنچا۔ راقم سمیت ایئر پورٹ پر پورے قافلے میں صرف دو افراد تھے جن سے صرف 2 گھنٹے پوچھ گچھ، سخت چیکنگ اور کلیئرنس کے بعد ایک ویزا کارڈ جاری کیا گیا اور کہا گیا کہ جب سفر کے دوران کہیں بھی تفتیش ہو پاسپورٹ اور یہ کارڈ دکھادیں تاکہ کوئی دقت نہ ہو۔ اس طویل دورانیہ میں رفقاء لندن تھک کر چور ہو چکے تھے، لہذا مفتی صاحب نے پہلے ہی بس میں تمام رفقاء کو القدس کی طرف ہٹل روانہ کر دیا تھا۔ راقم، مفتی صاحب اور بھائی احمد صاحب کے ہمراہ اپنی قیام گاہ پر پورے 7 گھنٹے بعد الحمد للہ بخیر و عافیت پہنچا۔ یہ بات بھی ضرور یاد رکھیں کہ سکیورٹی کلیئرنس اس ملک میں معمول کی بات ہے، اس سے کبھی بھی گھبرانا نہیں چاہیے، اللہ اللہ کرنا چاہیے۔ بس جب آپ اس سکیورٹی کے کڑے امتحان میں کامیاب ہو جائیں تو یروشلم شہر اور انبیا علیہم السلام جمعین کی سرزمین میں پہنچتے ہی نورانی کیفیت محسوس کریں گے۔ سفر کی ساری تھکاوٹ اور ایئر پورٹ کا سخت امتحان یاد ہی نہیں رہے گا، پھر الحمد للہ یروشلم اور دیگر تمام شہروں میں گھومنے پھرنے کے دوران سکیورٹی کے معاملات میں کسی قسم کی کوئی دشواری نہ ہوئی۔

### بیت المقدس کے شہروں اور بستوں میں کیا دیکھا

ایئر پورٹ کے طویل اکتادینے والی کیفیت سے باہر نکلنے اور ہٹل رات دس بجے پہنچتے ہی سفر بیت المقدس کے خادم اعلیٰ بھائی فضل محمود کے چہرے پر سچی مسکراہٹ دیکھ کر سفر کی تھکاوٹ کے آثار بھی کیا باقی رہتے! راقم نے سب سے پہلے بھائی فضل محمود سے شدید انتظار کی زحمت پر معذرت کی تو کہنے لگے: 'مجھے اندازہ تھا کہ آپ کو ایئر پورٹ پر دیر لگ جائے گی۔ پہلی بار آنے والوں کے ساتھ عام طور پر یہی ہوتا ہے، اور راقم کی وابستگی بھی دعوت و تبلیغ ختم نبوت کے شعبہ سے ہے، اس لئے گویا یہ سونے پر سہاگہ والا معاملہ تھا۔ بھائی فضل محمود نے بڑے ہی پیارے لہجے میں کہا کہ آپ لوگوں کا ہی انتظار تھا، میں آپ لوگوں کے کھانے کے لیے پلیٹیں سجا رہا تھا، بس آپ کھانا کھا کر سو جائیں، تمام ساتھی شدید تھکاوٹ کی وجہ سے سو

گئے ہیں، مزید کہا کہ صبح جمعہ بھی ہے ان شاء اللہ تین بجے تمام رفقاء لندن کے ساتھ تہجد کے لئے لاؤنج میں جمع ہوں گے اور مسجد اقصیٰ کے لئے روانہ ہوں گے۔

ایئر پورٹ سے نکلنے وقت ہم شدید بھوک کی حالت میں تھے، صرف ہم تین ہی افراد کا ہوٹل پہنچنا باقی تھا، قائد سفر مفتی صاحب نے فرما دیا تھا کہ یروشلم کے قرب و جوار کی دوکانیں بہت ہی جلدی بند ہو جاتی ہیں اور ہمارے اس 4 اسٹار ہوٹل میں صبح ناشتہ 7 سے 9 اور رات کا گرینڈ ڈنر 8 سے 10 تک ہوتا ہے، لہذا آپ لوگ دیکھنا بھائی فضل محمود ضرور ہمارے لئے کھانا تیار رکھیں گے، اور ہوا بھی ایسا ہی۔ الحمد للہ

راقم قائد سفر کے ساتھ بھائی احمد صاحب سے اجازت لیکر روم کی طرف ہو لیئے، راقم نے سب سے پہلے عشاء کی نماز اور دوگانہ نفل شکرانے کے ادا کئے۔ حرمین شریفین ہو یا ان جیسے مقدس مقامات کا سفر، راقم کا معمول ہے کہ سفر کے دوران آرام کم ہو، تاکہ زیادہ سے زیادہ عبادات اور مقامی احباب سے ملاقات ہو سکے، اور ساتھ ہی ساتھ سفری روئیداد کی امانت بھی جلد ہی قارئین تک ارسال کی جاسکے۔ راقم اس مقدس سفر کے دوران نہایت قلیل استراحت اور تین دن کی بے خوابی کے باوجود بڑی ہی بشاشت کے ساتھ اپنی ڈائری قلمبند کرنے میں مصروف رہا۔ ایئر پورٹ سے القدس یروشلم اور ہمارے ہوٹل کا فاصلہ تقریباً 55 کلومیٹر کا تھا۔ تل ابیب کی سڑکیں جدید، ہموار اور مکمل صاف نظر آتی تھیں۔ راستے بھر میں ہر تھوڑے فاصلے کے بعد سڑک کے کنارے بڑے بڑے سبز رنگ کے بورڈ نصب تھے، جس پر متعلقہ شہروں کے نام اور فاصلہ عربی، عبرانی اور انگریزی زبان میں درج تھے۔ یروشلم کی حدود کے ساتھ ہی ماحول یکدم بدل سا گیا۔ سیدھی سیدھی سڑک اب اونچے نیچے موڑ لے رہی تھی کہ یروشلم پہاڑوں پر آباد ہے۔ ہلکی ہلکی ہوا بھی چل رہی تھی اور کسی مہربان میزبان کی طرح جیسے ہمارا خیر مقدم کر رہی تھی۔ پہاڑوں کے دامن میں بنے گھروں میں کہیں کہیں جلتی بجھتی بتیوں سے راقم کو مکہ مکرمہ کی یاد آگئی۔ وہی پہاڑوں کے دامن میں بنے چھوٹے بڑے گھر، اونچی نیچی سڑکیں اور قدیم تاریخ و تہذیب کا منظر سامنے آنے لگتا ہے۔ یروشلم جدید اور قدیم ثقافت کا عجیب اور خوبصورت امتزاج ہے۔ جہاں ایک طرف پرانی اور کہیں

کہیں بوسیدہ عمارتیں موجود ہیں، تو دوسری جانب اس شہر کے درو دیوار میں دور جدید کی جھلک بھی جا بجا نظر آتی ہے۔ سڑکوں پر یہود کی بڑی تعداد دکھائی دیتی ہے جن کی پہچان ان کے چہرے پر لٹکتی دو بڑی لٹوں سے ہوتی ہے، جو ان کے کانوں سے ہوتی ہوئی، چہرے پر بل کھاتی ہوئی ان کے سینے تک جا پہنچتی ہیں، یہود سے راقم کا واسطہ آج سے پہلے لندن میں متعدد بار مکالمہ بین المذاہب کے سلسلے میں ہونے والی تقاریب میں ہوتا رہا ہے، مگر اب راقم اس سرزمین پر موجود ہے جس پر یہود اور مسلمان دونوں بیت المقدس کو عبادت کا مرکز سمجھتے ہیں، اس لئے سخت تناؤ بھی پایا جاتا ہے۔ یروشلم میں داخلے سے پہلے ہی قائدِ سفر مفتی عبدالوہاب نے مختلف علاقوں کے بارے میں کافی مفصل معلومات فراہم کیں۔ کونسا علاقہ یہود کا ہے اور کس علاقے میں مسلمان آباد ہیں۔ کہاں مسلمانوں کا داخلہ منع ہے اور کہاں یہود داخل نہیں ہوتے کتنی تعداد میں مسلمان اور کہاں آباد ہیں۔ کہاں جدید شہر کی امیر آبادیاں قائم کی گئی ہیں اور ان امیر آبادیوں کی اوٹ میں کون لوگ کچے مکانات اور جھونپڑیوں میں تنگ دستی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، یہ وہ جگہ ہے جہاں جدید یروشلم غیر محسوس طریقے سے قدیم یروشلم کی تاریخی گلیوں میں ضم ہو کر رہ گئی ہے۔ اسی دوران قائدِ سفر نے اگلے کئی روز کا مرتب پروگرام بھی بتا دیا۔ راقم کی کوشش تھی کہ جتنے بھی دن القدس یروشلم اسرائیل میں رہیں نمازیں مسجدِ اقصیٰ میں ادا کی جائیں۔

## میرے چلتے قدم بیت المقدس کی طرف

اس سفر القدس میں راقم کورات بھر وہی مکہ، مدینہ والی بے چینی اور اضطراب کی کیفیت رہی کہ بس جلدی سے بیت المقدس پر پہلی نظر پڑ جائے، پورے تین بجے بھائی فضل محمود نے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا اور آواز دی مولانا تیار ہیں؟ راقم تو لندن ہی سے تیار تھا الحمد للہ۔ قائدِ سفر کی معیت میں 3:30 کے قریب ہم بیت المقدس کے لئے نکل پڑے۔ تہجد کا یہ وقت اور موسم بڑا ہی خوشگوار اور میٹھا محسوس ہو رہا تھا، حقیقت میں جب ہم ہوٹل سے مسجدِ اقصیٰ کے لیے روانہ ہوئے تو دل زور زور سے دھڑک رہا تھا کیونکہ آج

تک تو قرآن کی آیتوں میں پڑھتے رہے لیکن آج اس قبلہ اول میں،  
لاکھوں سجدے تڑپ رہے ہیں  
تیرے حضور جبین نیاز کرنے کو

اسی سوچ میں تھے کہ اتنے میں نہایت خوش الحان اذان بلالی کی سی صدا سے بیت المقدس کے درودیوار گونجنے لگے تو ہمارے قدم اور بھی تیز تیز اٹھنے لگے۔ اس آس میں کہ بس اب نظر آنے والا ہے قبلہ اول، دل کی عجیب کیفیت تھی۔ جوش اور شوق میں بس اب بے اختیار قبلہ اول کی طرف کھنچا چلا جا رہا تھا۔ پڑھا تھا کہ یہاں بھی جو دعا مانگی جائے وہ اللہ قبول کرتا ہے، راقم نے اپنے دل ہی میں دعاؤں کی لسٹ بنا رکھی تھی۔ ہم چلتے رہے اور آخر کار وہ گھڑی آپہنچی جس کا راقم کو برسوں سے انتظار تھا۔ قبلہ اول کو دیکھنا اور نماز کی سعادت بس۔ میری دلی خواہش تھی جو اللہ نے آج پوری کر دی۔ الحمد للہ!

بیت المقدس کے اطراف میں ایک طویل فصیل اور دیوار کا سلسلہ ہے اسی دیوار میں لگائے گئے، دروازوں کی تعداد کل 14 ہے اور یہ سب مسجد اقصیٰ کے شمال اور مغربی سمت میں واقع ہیں۔ ان میں 4 دروازے اسرائیلی سرکار کی طرف سے بند کئے گئے ہیں، ایک دروازہ باب المغاربه کا کھولنے اور بند کرنے کا مکمل اختیار بھی انہیں کے پاس ہے اور یہ دروازہ مسجد اقصیٰ کے بالکل قریب ہے جس کو وہ بند کرنے کے درپے ہیں کیونکہ اسی دروازے کی جگہ پر اپنی عبادت گاہ بنانا چاہتے ہیں۔ جو دروازے مسلمانوں کو کھولنے اور بند کرنے کی اجازت ہے وہ باب الحطہ، باب العتیم، باب العوانم، باب المطہر، باب القظائین، باب السلسلہ، باب الحدید، باب الناظرہ ہیں۔

ہوٹل سے تقریباً دس منٹ کے فاصلہ پر سڑک قدیم یروشلم کے باب الاسباط کی طرف جاتی ہے، جسے انگریزی میں Lions Gate کہتے ہیں، ہم اسی دروازہ سے داخل ہوئے۔ ہمارے ساتھ ساتھ کئی مقامی اسرائیلی عرب بھی فجر کی جماعت کے لیے مسجد اقصیٰ جا رہے تھے۔

گلی کے اختتام پر دیکھا چیک پوسٹ موجود تھی، جہاں تین مستعد اسرائیلی عرب گارڈز بندوقین

تھامے کھڑے تھے کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے جب کسی پر شک ہوتا ہے تو روک لیتے ہیں، اس سے سوال بھی کرتے ہیں تم مسلمان ہو یا کوئی اور؟ اچھا تم مسلمان ہو تو سورۃ الفاتحہ سناؤ! راقم کے رفیق سفر جناب فواد صاحب کے ساتھ اتفاق سے یہی واقعہ درپیش ہوا۔ راقم نے ازراہ تفسیر کہا کہ اگر کسی مسلمان کو سورہ فاتحہ نہیں آتی تو وہ گیا کام سے۔

مسجد اقصیٰ کے دروازے کے باہر اسرائیلی فوج کا پہرہ ہے، اور اسی دروازے کی دوسری طرف غیر مسلح نگہبان موجود رہتے ہیں۔ احاطے میں داخل ہو کر پہلی نظر قبۃ الصخرہ پر پڑتی ہے جہاں سے روایات کے مطابق نبی کریم ﷺ معراج کے سفر پر تشریف لے گئے تھے۔ سنہرے گنبد والا قبۃ الصخرہ (قبۃ معنی گنبد، صخرہ معنی چٹان) دنیا بھر میں یروشلم کی پہچان ہے جسے 691ء عیسوی میں اموی خلیفہ عبدالملک کے حکم پر تعمیر کیا گیا۔

قبۃ الصخرہ سے چند سو میٹر کے فاصلے پر سات محرابوں اور کالے گنبد والی نسبتاً سادہ سی! مسجد اقصیٰ (جو قبلہ اول کی نسبت سے مسجد قبلی کہلاتی ہے) موجود ہے۔ بہت سے لوگ قبۃ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ کے درمیان امتیاز کرنے سے قاصر ہیں اور سنہرے گنبد اور شان و شوکت والے قبۃ الصخرہ کو ہی مسجد اقصیٰ سمجھتے ہیں۔ راقم یہاں یہ ذکر کرتا چلے کہ مسجد اقصیٰ محض ایک مسجد کا نام نہیں بلکہ 36 ایکڑ پر پھیلا یہ تمام احاطہ جس میں مسجد قبلی، قبۃ الصخرہ، مسجد براق اور قبۃ السلسلہ سمیت دیگر کئی عمارتیں شامل ہیں، انہی تمام عمارتوں کا مجموعہ مسجد اقصیٰ کہلاتا ہے۔ یہی احاطہ اسرائیل و فلسطین کے یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان تنازعے کی بنیادی وجہ بھی ہے۔ اہل یہود کی پہلی عبرانی بائبل Book of Genesis کے مطابق جس ٹیلے پر قبۃ الصخرہ موجود ہے اور جسے یہودی Mount Moriah کہتے ہیں، وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام قربانی کی غرض سے حضرت اسحق علیہ السلام کو لیکر گئے تھے۔ اہل یہود خدا کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قربانی کے اس عمل کو Binding of Isaac یا Akedah عقیدہ کا نام دیتے ہیں۔ ان کے عقیدے کے تین بڑے Patriarchs یا بزرگ ہستیوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحق علیہ السلام (حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے بیٹے) اور حضرت یعقوب علیہ السلام (حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے) کا شمار کیا جاتا ہے۔  
 راقم بیت المقدس کے صحن سے گزرتے ہوئے باہر لکڑی کے ریک پر جوتے رکھتے ہوئے مسجد قبلی  
 مسجد اقصیٰ میں داخل ہوا جہاں نمازیوں کی ایک کثیر تعداد نماز فجر اور تہجد کیلئے موجود تھی۔ الحمد للہ!  
 خواتین مسجد کے دروازے کیساتھ دائیں ہاتھ پر بنے گوشے میں پانچ چھ صفوں میں بیٹھی تھیں۔  
 اکثریت عرب، ترکی، قطر، ملائیشیا، انڈونیشیا، ساؤتھ افریقہ اور دیگر ممالک کے لوگ مرد و خواتین نوافل کی  
 ادائیگی میں مشغول تھے۔

مقامی فلسطینی مسلمان جب بھی نماز کے بعد ملتے ان کو یہ جان کر خوشی ہوتی کہ راقم پاکستانی ہے اور  
 برطانیہ سے آیا ہے۔ ان کی آنکھوں میں جیسے پاکستان کا نام سن کر جگنو سا چمک گیا ہو۔ وہ اپنی ٹوٹی پھوٹی  
 انگریزی زبان اور راقم کی پیشانی پر بوسوں سے محبت کا اظہار کرتے۔ راقم کو یہ بھی جان کر بہت حیرت ہوئی  
 کہ وہاں کے باشندے اکثر عربی زبان کے ساتھ انگریزی ضرور بولتے ہیں۔

ایک اور بات مشاہدہ میں آئی کہ مسجد اقصیٰ کے صحن میں مرد و خواتین حضرات اور بچے بھی زائرین  
 سے مختصر تعارف کے بعد بغیر کسی حجاب کے گھریلو پریشانی بتاتے ہوئے کسی بھی قسم کے تعاون کا مطالبہ کر  
 دیتے ہیں، یہ بھی دیکھا گیا کہ مستحق لوگ تمام نمازوں کے بعد ایک کونے میں بیٹھ جاتے اور مخیر حضرات ان  
 کی مدد کر دیتے۔ مسجد قبلی سے نکلتے ہوئے نظر سیدھی قبۃ الصخرہ پر کچھ یوں پڑتی ہے کہ انسان مبہوت ہو جاتا  
 ہے۔ اس سنہری گنبد میں یقیناً کوئی کشش کوئی جادو ہے جس نے میرے چلتے قدم روک دیئے۔ کافی دیر  
 تک اسی گنبد کو متتار رہا۔

## مصلیٰ و قبۃ معراج النبی ﷺ بیت المقدس مسجد اقصیٰ میں دو گانہ نفل

بیت المقدس کا اسلامی تاریخ و ثقافت اور عقائد سے گہرا تعلق ہے۔ جلیل القدر پیغمبر حضرت  
 ابراہیم علیہ السلام نے اسی سرزمین کی طرف ہجرت فرمائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اسی سرزمین کو جائے سکونت

کے طور پر اپنایا اور یہیں اپنا ایک محراب بھی تعمیر فرمایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اسی جگہ سے ساری دنیا پر حکومت کرتے تھے، حضرت زکریا علیہ السلام کا محراب بھی بیت المقدس میں ہے، اسی شہر میں حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی سرزمین کے تعلق سے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ تم اس مقدس شہر میں داخل ہو جاؤ۔ قصہ جالوت و طالوت کا تعلق بھی اسی سرزمین سے ہے۔ بیت المقدس میں پڑھی جانے والی ہر نماز کا اجر ۵۰۰ گنا بڑھا کر دیا جاتا ہے۔

یہ وہ مقام ہے جس کی زیارت کے لئے نبی اکرم علیہ السلام نے امت کو تلقین فرمائی ہے۔ اسی سرزمین سے آپ علیہ السلام کو ساتوں آسمانوں پر لے جایا گیا، اور اسی سفر میں آپ نے جنت و جہنم کے مختلف مناظر دیکھے، اور متعدد انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقاتیں فرمائیں۔ یہی وہ سرزمین ہے جہاں کئی معجزات وقوع پذیر ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب ان کی قوم نے قتل کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اسی مسجد اقصیٰ سے انہیں آسمان پر اٹھالیا، قرب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی زمین مقدس پر آنا ہوگا۔

اسی شہر کے مقام لُد پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح دجال کا خاتمہ کریں گے، فلسطین ارض محشر ہے، اسی زمین سے یاجوج و ماجوج کے فساد کا آغاز ہوگا، عہد فاروقی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دنیا بھر کی فتوحات چھوڑ کر یہاں آنا اور نماز ادا کرنا بھی اس کی عظمت کو اجاگر کرتا ہے، یہ سرزمین دنیا کے سارے مسلمانوں کی عقیدتوں کا مرجع اور محبتوں کا مرکز ہے۔ قرآن مجید نے اَلَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ کے نہایت اونچے خطاب سے اسے یاد کیا ہے، یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بستی ہے، اس کے چپے چپے میں تاریخ سانس لیتی ہے اور یہاں کا ایک ایک ذرہ خوشبو میں بسا ہوا لپٹا ہوا ہے، یہ وہی لکھ سکتا ہے جو محسوس کر سکتا ہے۔

1538ء میں یروشلم القدس کے گورنر محمد بیک نے عثمانی سلطان سلیمان کے دور میں یہاں مصلیٰ یا نماز

کے لئے محراب تعمیر کیا تھا۔

پھر سلطان عبدالحمید نے اس پر مشمن شکل کے گنبد کی تعمیر کا حکم دیا جس کی بنیاد آٹھ سنگ مرمر کے ستونوں پر رکھی گئی ہے۔ اس قبۃ کو مصلیٰ قبۃ النبی کہتے ہیں یہ قبۃ النبی، قبۃ الصخراء کے بالکل قریب

موجود ہے جہاں زائرین پہنچ کر سر تسلیم خم کئے بغیر آگے نہیں بڑھتے۔

لیکن کوئی مستند روایت نہیں ملتی جس سے معلوم ہو کہ یہی وہ مخصوص جگہ ہے، جہاں نبی کریم ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت کی اس قبۃ کے بالکل جوار میں ہی ایک اور قبۃ بنا ہوا ہے۔ اس مٹمن گنبد کی بنیاد 30 سنگ مرمر کے ستونوں پر ہے ستونوں کے درمیان کی خالی جگہ بعد میں سنگ مرمر کی سلوں سے بند کر دی گئی تھی۔ اس قبۃ میں قبلے کے رخ میں ایک محراب ہے اور اس کی main entrance شمالی طرف ہے اس کو قبۃ المعراج کہتے ہیں۔ اس قبۃ کے بارے میں کہا جاتا ہے حضور ﷺ کا معراج کے لئے عروج الی السماء بہیں سے ہوا تھا۔ اس قبۃ کے اوپر تاج کی طرح کا ایک چھوٹا گنبد اس کو ممتاز اور نمایاں کرتا ہے۔ اس کے معمار اور تعمیر کے سال کا علم تو نہیں لیکن اسکی بحالی کا کام یروشلم کے گورنر شہزادہ عز الدین عثمان ابن الزنجبیلی نے شاہ العدل ایوبی کے دور حکومت میں 597 ہجری بمطابق سن 1200ء میں کرایا تھا۔

### تاریخی چٹان کے اوپر سنہرے گنبد کا حسین منظر

نبی کریم ﷺ یروشلم کے رات کے سفر یعنی اسراء کے بعد معراج، آسمانوں پر تشریف لے گئے تھے۔

بیت المقدس کے کسی بھی دروازے سے داخل ہوتے ہی سنہرے گنبد کا حسین منظر جب سامنے آتا ہے، تو دل میں ایک سرور سا اٹھتا ہے آنکھوں میں یہ منظر اس قدر بھاتا ہے کہ آنکھیں جھکنے کا نام ہی نہیں لیتیں۔

یہ ہشت پہلو عمارت پچھلی تیرہ صدیوں سے دنیا کی خوبصورت ترین عمارتوں میں شمار ہو رہی ہے۔ یہ عمارت اُس وقت کی جدید ترین طرز تعمیر میں سے ہے جس کی بنیاد سنگ مرمر کی اور باقی عمارت پتھر کے بجائے لکڑی کی بنی ہوئی ہے۔ چار اطراف میں دروازے ہیں اور ہر سائڈ پر 7 کھڑکیاں ہیں۔ گنبد 25

میٹر بلند اور اس پر سونے کی ملمع کاری کی ہوئی ہے اور اندر سنگ مرمر، موزیک اور قرآنی آیات سے سجا ہوا ہال اور مسجد خالق دو جہاں کی شاہ کاری کی تعریف و توصیف کا خوبصورت منظر ہے۔ یہ فن تعمیر تناسب کے لحاظ سے mathematical rhythm کا شاہکار ہے۔

مثال کے طور پر ہر بیرونی دیوار 67 فٹ لمبی ہے جو کہ گنبد کا قطر بھی ہے اور ڈرم کے بیس کی اونچائی بھی اتنی ہی ہے۔

جب صلیبی یروشلم پر قابض ہوئے، انہوں نے مسجد گنبد صخرہ کا نام بدل کر Templum Domini رکھ دیا تھا اور سنہرے گنبد پر صلیب بھی نصب کر دی تھی۔

چٹان کے اوپر مذبح یا نذر و نیاز کی جگہ بنادی تھی قرآنی آیات کو لاطینی حروف سے چھپا دیا تھا اور مسجد القبلی کا نام Templum Solomonis رکھ دیا تھا۔

سلطنت 87 سال رہی، اس دوران نہ تو یہود کو اور نہ ہی مسلمانوں کو شہر کی حدود میں رہنے کی اجازت تھی۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب 'کامل التواریخ' میں اس منظر کے بارے میں لکھتے ہیں:

جب مسلمانوں نے صلیبیوں کو شکست دے کر یروشلم کو آزاد کیا تو گنبد صخرہ پر ایک بڑا صلیب تھا۔ جب جمعہ کو مسلمان شہر میں داخل ہوئے تو کچھ لوگ گنبد پر صلیب اتارنے کے لئے چڑھ گئے۔ شہر کے اندر اور باہر ایک شور کا سماں تھا، مسلمان فرط جذبات سے اللہ اکبر کے نعرے لگا رہے تھے جبکہ باہر غم و اندوہ کی کیفیت تھی۔ آواز اتنی اونچی تھی گویا زمین ہلنے لگی۔

صلاح الدین ایوبیؒ نے مقبروں کو اصلی حالت میں لانے کا حکم دیا۔ بیت المقدس کی حفاظت کرنے والوں نے اپنے رہنے کے لئے مسجد اقصیٰ کے سامنے کوارٹرز تعمیر کر لئے تھے، جن میں اسٹور روم اور ٹوائلٹ بھی تھے۔ یہ سب توڑ کر پہلی حالت میں لایا گیا۔ سلطان نے حکم دیا کہ گنبد صخرہ کو ہر قسم کی ناپاکی سے پاک کیا جائے۔

باہر کا خوبصورت ٹائل کا کام سلیمان دوئم نے تیار کروایا۔ فارسی کمہاروں کی بے مثال مہارت سے 40000 ٹائلز بنا کر نصب کئے گئے اور ان پر قرآن کا دل سورہ یس کی بہترین خطاطی کی گئی۔ گنبد کے نیچے محراب میں کچھ ایسی آیات لکھی گئی ہیں جو مسیحین کو مخاطب کرتی ہیں جو خدا کے بیٹے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

”اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزرجاؤ اور اللہ پر بجز حق کے اور کچھ نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) تو صرف اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کے کلمہ کن سے پیدا شدہ) ہیں، جسے مریم (علیہا السلام) کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح ہیں اس لئے تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو اور نہ کہو کہ اللہ تین ہیں اس سے باز آ جاؤ کہ تمہارے لئے بہتری ہے اللہ عبادت کے لائق تو صرف ایک ہی ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو، اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا۔ (4:171)“

### صحرة المعراج، مسجد اقصیٰ، بیت المقدس میں

گنبد صحرہ کا سنہری گنبد شروع میں سونے کا بنا ہوا تھا لیکن پھر اس کو تانبے سے بدل دیا گیا اور پھر ایلومینیم سے۔ اب اس ایلومینیم پرسونے کا ورق چڑھا دیا گیا ہے جو اردن کے شاہ حسین نے ہدیہ کیا تھا۔ گنبد کے اوپر ایک چاند سا بنایا گیا جو موجودہ قبلے کی سمت کا اشارہ دیتا ہے۔ اس کے بالکل نیچے مسجد قبۃ الصخرہ کے احاطے میں جو تاریخی چٹان موجود ہے۔ اس تاریخی چٹان کے چند فضائل پیش خدمت ہیں۔

1- خانہ کعبہ اور گنبد خضراء کے بعد روئے زمین پہ \*قبۃ الصخرہ\* مسلمانوں کے لئے مقدس ترین مقام

ہے۔ صحرہ کے معنی چٹان کے ہیں۔

صحرہ کا پتھر سارے پتھروں کا سردار ہے۔

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ  
يقول سيد البقا عريت المقدس وسيد الصخور صحرة بيت  
المقدس

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا  
کہ بیت المقدس کی جگہ ساری جگہوں کی سردار ہے اور سارے پتھروں کا سردار بیت  
المقدس کا صحرہ ہے۔

2- یہ صحرہ جنت سے ہے سارے ہی بیٹھے اور شیریں پانی صحرہ سے نکلتے ہیں۔ اور مشہور چار نہریں  
سیحان، جیحان، نیل اور فرات صحرہ سے ہی نکلتی ہیں اسکا نام بیت الجننت بھی ہے۔

3- ایک روایت کے مطابق معراج کی رات آپ ﷺ کو صحرہ سے ہی عروج الی السماء کروایا گیا۔ معراج  
کی رات صحرہ کی داہنی جانب آپ ﷺ نے نماز پڑھی۔

4- صحرہ میں دائیں یا بائیں 1000 رکعات پڑھنے والا موت سے پہلے اپنا مقام جنت میں دیکھ لے گا۔

5- اللہ پاک نے صحرہ سے فرمایا کہ تو میرا قریبی عرش ہے۔ تیرے ذریعہ میں آسمان پہ مستوی ہوا، اور تجھ  
ہی میں میری جنت اور جہنم ہے اور تجھ ہی میں میری جزا اور سزا ہے پس بشارت ہو اسکے لئے جو تیری زیارت  
کرے۔ پھر بشارت ہو اسکے لئے جو تیری زیارت کرے۔ پھر بشارت ہو اسکے لئے جو تیری زیارت  
کرے۔

6- صحرہ کے دائیں، بائیں نماز پڑھنے اور دعائیں کرنے والا گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے  
آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ اگر اللہ سے شہادت طلب کرے تو اللہ اسے شہادت عطا

کریں گے۔

7- ساتویں آسمان پر جنت بیت المقدس کے بالکل سامنے اور برابر ہے، اگر وہاں سے کوئی پتھر گرے تو سیدھا صحرہ پہ گرے گا۔

8- یہی سرزمین حشر و نشر ہوگی۔ اسرائیل علیہ السلام صحرہ پر سے ہی صور پھونکیں گے۔

9- آدم علیہ السلام سے بھی دو ہزار سال پہلے فرشتے اسکا طواف کر چکے تھے۔

10- طوفان نوح کے بعد نوح علیہ السلام کی کشتی اسی چٹان پہ آکر رکی تھی۔

11- یہ انبیاء علیہم السلام کی عبادت کی جگہ ہے اسی لئے اسے معبد الانبیاء بھی کہا جاتا ہے۔۔

12- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تمام انبیاء بنی اسرائیل نے صحرہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔۔

نوٹ: فضائل صحرہ کی تمام روایات علامہ محمد بن عبدالواحد بن احمد المقمیسی رحمہ اللہ کی فضائل بیت المقدس اور ابوالفرج عبدالرحمن ابن الجوزی رحمہ اللہ کی تاریخ بیت المقدس اور سید قاسم محمود کی اسلامی انسائیکلو پیڈیا سے ماخوذ ہیں۔

## صحرہ میں داخل ہونے کا ادب

صحرہ میں داخل ہونے کا ادب یہ ہے کہ اس طرح داخل ہو کہ صحرہ کو اپنی داہنی جانب رکھے تاکہ طواف بیت اللہ کی شکل نا ہو جائے۔ اور اس پہ ہاتھ رکھے مگر بوسہ نہ دے۔ پھر دعا کرے۔ ممکن ہو تو صحرہ کے نیچے غار میں اترے اور وہاں دعا میں خوب کوشش کرے اس لئے کہ وہاں دعا ان شاء اللہ قبول ہوگی۔

اس کے بارے میں یہود اور نصاریٰ کا یقین ہے، کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اسحاق علیہ السلام کو قربان کرنے لگے تھے جس کا اشارہ ان کو خواب میں ملا تھا۔

ان کا یہ عقیدہ نہایت غلط اور بے بنیاد ہے مسلمانوں کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی تھی اور وہ جگہ منیٰ سعودی عرب میں واقع ہے۔

اہل یہود کا ایک اور گروہ کہتا ہے کہ گنبدِ صخرہ زمین کا مرکز ہے۔

مسلمانوں کے نزدیک یہ چٹان وہ جگہ ہے جہاں سے حضرت محمد ﷺ معراج کے لئے اوپر آسمانوں میں تشریف لے گئے تھے۔

کچھ علماء کی اس جگہ سے متعلق رائے ہے کہ اسرافیل علیہ السلام اسی جگہ سے صورت پھونکیں گے جس کے بعد قیامت واقع ہوگی۔

جب صلیبیوں نے اس پر قبضہ کیا تو انہوں نے اس چٹان کو سنگ مرمر سے ڈھانک کر نذر و نیاز کرنے کی جگہ اور سرود گاہ (جہاں مذہبی گیت گاتے ہیں) بنا دیا تھا اور قرآنی آیات کو لاطینی حروف سے چھپا دیا تھا ان کا مقصد مسلمانوں کے آثار کو ختم کرنا تھا۔

صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شہر کو فتح کرنے کے بعد عمارت کو دوبارہ بحال کیا۔

یہ چٹان تقریباً 18 میٹر لمبی اور 18 میٹر چوڑی ہے۔ جب مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے تو ممکن ہے کہ اس کو قبلہ (نماز کی سمت) کے طور پر استعمال کیا جاتا ہو۔ راقم قبۃ الصخرہ کی چند خصوصیات کا پہلے ذکر کر چکا ہے مزید کچھ معلومات قارئین کے لئے پیش خدمت ہیں۔

بتایا یہ جاتا ہے کہ اس عمارت کے آٹھ اہم ستون ہیں جو مثل ان آٹھ فرشتوں کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا عرش اٹھائے ہوئے ہیں۔ اندرونی حصے میں آیت الکرسی لکھی ہوئی ہے۔

گنبد کے چاروں طرف بارہ ستون ہیں جو سال کے بارہ مہینوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ چار کالم ہیں جو چار موسم کو ظاہر کرتے ہیں۔

بلڈنگ کے اطراف میں باؤن کھڑکیاں ہیں، جو سال کے باؤن ہفتوں کو ظاہر کرتی ہیں۔ سات محراب ہیں جو ہفتے کے سات دنوں کو ظاہر کرتی ہیں۔ آپ کسی بھی طرف سے داخل ہوں تو پانچ ستون نظر آتے ہیں جو دن کی پانچ نمازوں کو ظاہر کرتے ہیں۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیت المقدس میں باب الذہبی سے داخل ہونا

اتفاق سے بیت المقدس کے تینوں سفروں کے دوران بیت المقدس کا یہ دروازہ ہمیشہ بند ہی نظر آیا۔ گزشتہ ہفتے 17 فروری 2019ء کو سفر سے واپسی پر ہی یہ خبر سننے کو ملی کہ یہ تاریخی دروازہ کھول دیا گیا ہے، جو 16 سال سے خاردار تاروں سے بند تھا اس کو ”باب الرحمة“ بھی کہتے ہیں۔

یہ دروازہ مشرقی سمت میں قبلہ اول تک رسائی کا ذریعہ تھا۔ فن تعمیر کی یادگار ”باب الرحمة“ مسجد اقصیٰ کے جنوب میں باب الاسباط اور مشرقی دیوار سے 200 میٹر دور ہے۔ پرانے بیت المقدس کی مشرقی دیوار کا حصہ سمجھے جانے والے اس مقام کو فن تعمیر کی بھی ایک تاریخی یادگار سمجھا جاتا ہے۔ ”باب الرحمة“ مسجد اقصیٰ کے پرانے دروازوں میں سے ایک ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ اسی مقام پر حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے سرکش جنات کو قید کیا کرتے تھے، اور اسی مقام پر ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہوا تھا۔

”باب الرحمة“ ایک عظیم باب ہے جس کی اونچائی 11.5 میٹر ہے۔ اس تک پہنچنے کیلئے مسجد اقصیٰ کے اندر سے ایک سیڑھی جاتی ہے۔ اس دروازے کے دو حصے ہیں اور ان دونوں کے درمیان پتھر کا ایک ستون قائم ہے۔ مسجد اقصیٰ کے اس تاریخی دروازے ”باب الرحمة“ کے کئی اور نام بھی ہیں۔ اس کو البوابة الدهریہ، باب تو ما، باب الحکم، باب القضا اور باب فرنگی اور مغربی باب الذہبی کا نام بھی دیتے ہیں، جبکہ باب الرحمة اور باب التوبہ بھی کہا جاتا ہے۔ ”باب الرحمة“ کے اُس پار دو جلیل القدر صحابہ کرام حضرت شداد بن اوسؓ اور عباده بن صامت الخزرجیؓ بھی آسودہ خاک ہیں۔ باب الرحمة قبرستان مسجد اقصیٰ کی مغربی سمت میں داخل ہوتے ہی واقع ہے ”باب الرحمة“ کسی زمانے میں ذکر اذکار، نماز، دعاؤں اور دیگر عبادات کے لیے مختص تھی۔ امام غزالیؒ جب بیت المقدس میں کچھ عرصہ قیام پذیر ہوئے تو انہوں نے اسی جگہ اقامت اختیار کی تھی۔ وہ مسجد اقصیٰ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے انہوں نے اپنی کتاب احیاء العلوم کا بیشتر حصہ یہیں تصنیف کیا تھا۔

مقامی فلسطینی مشائخ کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آمد ثانی کے بعد دجال کے خاتمے کے لئے اسی دروازہ سے داخل ہونگے۔ جب سنہ 1992ء کو اسلامک کلچرل کمیٹی قائم کی گئی تو اس کا دفتر دعوتی سرگرمیوں کیلئے ”باب الرحمة“ ہی کو مختص کیا گیا۔ سنہ 2003ء میں اسرائیلی ریاست نے اس کمیٹی پر پابندی عائد کر دی تھی۔ ”باب الرحمة“ صرف دروازہ ہی نہیں بلکہ اس عمارت میں ایک بڑا ہال، ایک لائبریری اور دیگر دفاتر بھی موجود تھے مگر سنہ 2003ء میں اسرائیلی سرکار نے اس جگہ پر کچھ مشتبہ سرگرمیوں کا الزام عائد کر کے نمازیوں اور تمام نقل و حرکت پر پابندی لگا دی تھی، اور وہاں ہر قسم کی سرگرمی سے روک دیا گیا تھا۔

### موراکن گیٹ:

بیت المقدس کی مغربی دیوار کے ساتھ جو دروازہ ہے اس کو Moroccan gate کہتے ہیں، کیوں کہ اس کے ساتھ ہی مراکش سے تعلق رکھنے والے لوگ آباد ہیں، جو صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی فتح کے بعد یروشلم میں مراکش سے آکر آباد ہوئے تھے۔ اس کو Gate of the Moors بھی کہتے ہیں۔ یہ بارہویں صدی میں تعمیر کیا گیا تھا اور اس کا راستہ مغربی دیوار کے سامنے والے علاقے کی طرف جاتا ہے جو اس وقت شمالی افریقہ سے آکر آباد ہونے والوں کے قبضے میں تھا۔ 1967ء کی جنگ میں اسرائیلیوں نے اس علاقے کو تباہ کر دیا تھا اور یہاں کے رہائشیوں کو پناہ گزین بنا دیا تھا۔ مغربی دیوار کے علاقے کو موراکن دروازے سے براہ راست ملانے کے لیے کافی عرصے پہلے ایک لکڑی کا ریمپ لگایا گیا جو واحد راستہ ہے جہاں سے غیر مسلم اگر مسجد اقصیٰ میں داخل ہونا چاہیں تو یہاں سے داخل ہو سکتے ہیں اور سننے میں آیا ہے کہ یہود بیت المقدس میں داخل ہونے کے لئے یہی ریمپ استعمال کر رہے ہیں۔

یہ دروازہ ہیروڈین دور کے ایک دروازے Barclays gate کے اوپر بنا ہوا ہے جو پہلا دروازہ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسراء میں جب یروشلم تشریف لائے تو مسجد اقصیٰ Barclays gate سے داخل ہوئے ہوں۔ اس دروازے کے باہر کی زمین، دسویں صدی میں اس کی

دیواریں قائم کرنے کے وقت سے کئی میٹر اونچی کی جا چکی ہے۔

## بیت المقدس مسجد اقصیٰ کا دروازہ بند نہ ہو سکا

حافظ ابو نعیم اصبہانی اپنی کتاب دلائل النبوة میں محمد بن عمرو اقدی کی سند سے بروایت محمد بن کعب قرظی یہ واقعہ نقل کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے شاہ روم قیصر کے پاس اپنا نامہ مبارک دے کر حضرت دحیہ بن خلیفہؓ کو جب بھیجا تو شاہ روم ہرقل نے نامہ مبارک پڑھنے کے بعد آنحضرت ﷺ کے حالات کی تحقیق کے لیے عرب کے ان لوگوں کو جمع کیا جو اس وقت ان کے ملک میں تجارت کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔ شاہی حکم کے مطابق ابوسفیان ابن حرب اور ان کے رفقاء جو تجارتی قافلہ لے کر شام گئے ہوئے تھے، حاضر کئے گئے۔ ہرقل نے ان سے سوالات پوچھے جن کی تفصیل صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہے۔

ابوسفیان کی دلی خواہش تھی کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ایسی باتیں کرے جس سے آپ کی حقارت اور بے حیثیت ہونا ظاہر ہو مگر ابوسفیان کہتے ہیں، کہ مجھے اس ارادے سے کوئی چیز اس کے سوا مانع نہیں تھی کہ مبادا میری زبان سے کوئی ایسی بات نکل جائے جس کا جھوٹ ہونا کھل جائے، اور میں بادشاہ کی نظر سے گرجاؤں، البتہ خیال آیا کہ واقعہ معراج بیان کروں جس کا جھوٹ ہونا بادشاہ خود سمجھ لے گا تو میں نے کہا ان کا ایک معاملہ میں بیان کرتا ہوں جس کے بارے میں آپ خود جان لیں گے کہ یہ جھوٹ ہے۔

ہرقل نے کہا وہ کیا ہے، ابوسفیان نے کہا یہ مدعی نبوت کہتے ہیں کہ وہ ایک رات میں مکہ مکرمہ سے نکلے اور آپ کی اس مسجد بیت المقدس میں پہنچے اور پھر اسی رات مکہ مکرمہ میں ہمارے پاس پہنچ گئے۔

ایلیاء (بیت المقدس) کا سب سے بڑا عالم اس وقت شاہ روم ہرقل کے سرہانے پر قریب کھڑا ہوا تھا۔ اس نے بیان کیا میں اس رات سے واقف ہوں۔ شاہ روم اسکی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ آپ

کو اس کا علم کیسے ہوا؟ اس نے عرض کیا میری عادت تھی رات کو اس وقت تک نہیں سوتا تھا جب تک بیت المقدس کے سارے دروازے بند نہ کر دوں۔ اس رات حسب عادت میں نے سارے دروازے بند کر دیئے مگر ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہو سکا تو میں نے اپنے عملے کے لوگوں کو بلا یا انہوں نے مل کر کوشش کی مگر وہ ان سے بھی بند نہ ہو سکا، دروازے کے کواڑ اپنی جگہ سے ہل نہ سکے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہم کسی پہاڑ کو ہلا رہے ہیں، میں نے عاجز ہو کر کاریگروں اور نجار کو بلا یا انہوں نے دیکھ کر کہا کہ اس دروازے کے اوپر عمارت کا بوجھ پڑ گیا ہے، صبح سے پہلے بند ہونے کی کوئی تدبیر نہیں، صبح دیکھیں گے کیا کیا جائے۔ میں مجبوراً لوٹ آیا اور دروازہ کھلا رہا، صبح ہوتے ہی میں اس دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ دروازہ مسجد کے پاس پتھر کی چٹان میں روزن کیا ہوا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے یہاں کوئی جانور باندھا گیا ہے، اس وقت میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا آج اس دروازے کو اللہ نے شاید اس لئے بند ہونے سے روکا ہے کہ کوئی نبی یہاں آنے والے تھے اور پھر بیان کیا کہ اس رات آپ ﷺ نے ہماری مسجد میں نماز بھی پڑھی تھی۔ بیت المقدس کے دروازوں کا ذکر چل رہا تھا راقم نے مناسب سمجھا کہ ضمناً اس واقعے کا بھی تذکرہ کر دیا جائے۔

### بیت المقدس مسجد اقصیٰ کے دروازے سے کیا دیکھا

قافلے کے سفری رہبر بھائی فضل محمود نے بعد نماز فجر قافلے کے تمام احباب سے فرما دیا تھا، کہ آج جمعۃ المبارک کے پورے دن بیت المقدس کا اندرون اور القدس یروشلم کے اطراف میں موجود مقامات مقدسہ کی زیارات کروانے کی ترتیب بنائی گئی ہے، لہذا تمام احباب صبح جلدی کمرے سے دس بجے تک لاؤنج میں تشریف لے آئیں۔ راقم مع قائد سفر وقت مقررہ پر دس بجے لاؤنج میں پہلے سے موجود تھا بعد ازاں یہ قافلہ بیت المقدس کے لئے چل نکلا۔ بیت المقدس مسجد اقصیٰ کی طرف جانے والے یہ چھوٹے چھوٹے گھر اور ساری گلیاں چھوٹی بڑی کٹی پہاڑی کا منظر پیش کر رہی تھیں۔

آج کی نئی بات یہ تھی کہ بیت المقدس اور دیگر مقامات مقدسہ کی زیارات کے لئے ڈرائیور اور ٹور گائیڈ برادر احمد بھی ساتھ ساتھ تھے جو کہ مسلمان اور اسرائیلی شہریت کے حامل تھے۔ وہ عربی، انگریزی، عبرانی زبان پر مکمل عبور رکھنے کے علاوہ قرآن و حدیث، اسلامی تاریخ اور مذاہب عالم کی تاریخ کے کافی حد تک ماہر معلوم ہوتے تھے۔ برادر احمد نے تاریخی مقامات مقدسہ کی زیارات کراتے ہوئے وہ کچھ بتایا جس سے راقم بالکل ہی ناواقف تھا۔ اسی لئے سفر بیت المقدس سے قبل ماہر مقامی سفری رہبر کا انتخاب نہایت ضروری ہوتا ہے جس کا انتظام قائد سفر نے پہلے سے ہی کیا ہوا تھا۔ یروشلم کے مسلمان چھوٹی موٹی تجارت کے علاوہ سفری رہنمائی ٹیکسی چلانے یا کسی چھوٹے موٹے دیہاڑی والے کام سے منسلک دیکھے گئے ہیں۔ بہت ہی قلیل وسائل، کم آمدنی اور محدود تر تعلیمی مواقع یروشلم کے عرب مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں حائل ہیں۔ بیت المقدس کی اطراف کی گلیاں انتہائی صاف ستھری نظر آتی ہیں۔ کہیں پر کوئی کچرا یا کوڑا کرکٹ نہیں تھا۔ لوگ کچرا پھینکنے سے گریز کرتے ہیں۔ بیت المقدس کی تمام گلیوں میں مسلمان خوناچہ فروش اپنی مختصر دکانیں اور چھابڑی سجائے بیٹھے ہوئے تھے۔ قدم قدم پر یہاں آپ کا واسطہ سائیلین سے بھی پڑتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے بیچارے آپ کا دامن پکڑے کسی نہ کسی چیز کی خریداری پر اصرار بھی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم احاطہ مسجد اقصیٰ میں برادر احمد کی بہت ہی دلچسپ تاریخی باتیں سنتے ہوئے داخل ہو گئے۔ جمعۃ المبارک کو قبۃ الصخرہ کے اندر خواتین کا بے تحاشہ رش دیکھنے میں آیا چونکہ خواتین یہیں نماز جمعہ ادا کرتی ہیں، تو تل دھرنے کی بھی جگہ نہیں ہوتی۔

راقم کی نظر سامنے لکڑی کے فریم میں ایک چٹان پر پڑی جس کے بارے میں لوگ یہ کہتے ہیں یہ وہ چٹان ہے جس پر سے نبی کریم ﷺ نے براق کے ذریعے معراج کی رات آسمانوں کا سفر شروع کیا تھا۔ وہاں کے بعض شیوخ کے مطابق جب براق نے اس چٹان سے نبی کریم ﷺ کی سواری کی اڑان بھری تو چٹان شدت جذبات پر قابو نہ رکھ سکی، اور براق کے ہمراہ بلند ہونے لگی تب جبرئیل امین علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے چٹان پر اپنا دست مبارک رکھ کر اسے روکا۔ اس چٹان پر حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھ کے نشان

اور براق کے قدموں کے نشان دکھائی دیتے ہیں، لیکن بعض علماء فرماتے ہیں یہ بات بالکل جھوٹ ہے اسی چٹان کے نیچے یا چند قدموں کے بعد ہی ایک غار نما کمرہ موجود ہے جس میں سیڑھیوں کے ذریعہ جاسکتے ہیں یوں سمجھیں یہ تہہ خانہ یا غار نما کمرہ چٹان کا حصہ ہے۔ یہ جگہ ”بئر الارواح“ کہلاتی ہے۔

مسجدِ قصیٰ کا احاطہ بہت وسیع ہے اور اس کے اندر بہت سی چیزیں واقع ہیں، جب تک معلوم نہ ہو اندازہ کرنا مشکل ہے مسجدِ قصیٰ کی احادیث میں جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ اس کی چار دیواری میں کہیں بھی نماز پڑھ کر حاصل کی جاسکتی ہے۔ مسجدِ قصیٰ جو کہ مسجدِ قبلیٰ ہے، اسے اسلامی دور میں سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سادہ انداز میں تعمیر کیا تھا، پھر اموی دورِ خلافت میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ تعمیر کی گئی۔ اس کی لمبائی 80 اور چوڑائی 55 میٹر ہے اس میں سنگ مرمر کے پچپن اور عام پتھر کے اٹھائیس ستون ہیں۔ خانہ کعبہ کے سمت ایک سبز رنگ کا قبہ ہے۔ اس کے گیارہ دروازے ہیں، سات شمال میں ایک جنوب میں، ایک مشرق میں دو مغرب میں ہیں۔

بیت المقدس اسلامی فنِ تعمیر کا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے جس کی شان و شوکت دیکھ کر انسان صدیوں پیچھے چلا جاتا ہے۔ مسجدِ قصیٰ کے چار مینار ہیں جن میں سے بعض مملوک سلطان حسام الدین لاجین اور بعض عثمانیوں نے تعمیر کئے تھے۔ ان میں سے تین مینار مسجد کے ایک ہی سمت مغرب میں واقع ہیں۔ ایک شمالی سمت باب الالباط ہے۔ مینارِ فخریہ مسجدِ قصیٰ کے جنوب مغرب میں ہے۔ مدرسہ فخریہ اوپر اسلامی عجائب گھر کے پہلو میں واقع ہے اسے قاضی شرف الدین عبدالرحمن نے 677ء میں بنایا تھا۔ مینار باب الغوانم مسجدِ قصیٰ کے شمال مغرب میں ہے یہ سب سے بڑا مینار ہے۔ مینار باب، مسجدِ قصیٰ کے مغرب میں باب سلسلہ سے چند میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے اسے منارۃ الحکمہ کہا جاتا ہے، کیونکہ یہاں عہدِ عثمانی میں عدالت لگا کرتی تھی۔ مینار الالباط یہ مسجدِ قصیٰ کے مدرسہ صلاحیہ کے قریب واقع ہے۔ یہ سب سے زیادہ خوبصورت اور شاندار ہے اسے سیف الدین قطلوبغا نے 769ھ میں تعمیر کیا تھا۔

بیت المقدس کے ہی احاطہ میں مروانی مصلیٰ بھی موجود ہے یہ مسجدِ قصیٰ کے جنوب مشرق میں واقع

ہے، اس کے سولہ برآمدے اور آٹھ دروازے ہیں اسے عہد بنو امیہ میں بنایا گیا تھا، عبد الملک ابن مروان کے دور خلافت میں اس سے مدرسہ کا کام لیا جاتا تھا، تب سے اسے مروانی مصلیٰ کا نام دیا گیا ہے، پھر جب اہل صلیب نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا تھا، تو اسے گھوڑے اور جانور باندھنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا ہے۔

### نوٹ:

پہلے سفر کی ڈائری میں کچھ اغلاط رہ گئی تھیں جن کو دسویں سفر کے بعد نئے ایڈیشن میں درست کیا جا رہا ہے۔ اسی ضمن میں ایک بات مصلیٰ مروانی کے ضمن میں لکھی گئی تھی کہ یہاں مشہور تاریخی کنواں بھی موجود ہے جس میں حضور ﷺ کے حکم کے مطابق جو شخص بیت المقدس مسجد اقصیٰ نا جاسکے وہ چراغ کے لئے تیل بھیجے۔ (ابو داؤد)۔ یہ کنواں مروانی مصلے میں نہیں بلکہ مسجد قدیمی میں موجود ہے۔ دراصل مسجد اقصیٰ کے کمپاؤنڈ میں کل 5 مساجد دریافت کی جا چکی ہیں۔ (۱) مسجد قبلی۔ (۲) قبۃ الصخرہ والی۔ (۳) مسجد براق شریف۔ (۴) مسجد قدیمی جسے سلیمان علیہ السلام کے حکم سے جنات نے بنایا تھا۔ اس مسجد قدیمی میں ایک کنواں ہے اسکا پس منظر یہ ہے کہ نبی ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ تین مساجد کی طرف سفر کرو۔ مسجد الحرام۔ مسجد النبوی ﷺ اور مسجد اقصیٰ۔

اماں میمونہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا اگر میں مسجد اقصیٰ نا جاسکوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو وہاں نا جاسکے وہ وہاں تیل بھجوادے۔

اس فرمان کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجد کو روشن کرنے کے لئے تیل بھجوانا شروع کیا وہ تیل تھا زیتون اور زیتون کا تیل اتنا طاقت ور ہوتا ہے کہ صبح سے شام تک اس سے چراغ جلتا رہتا ہے۔

نبی ﷺ کے اس فرمان سے 3 چیزیں سمجھ آتی ہیں۔

1- مسجد کی صفائی کا اہتمام ہو۔ مثلاً وضو خانہ اور کارپٹ کی صفائی۔

2- مسجد کو اندھیرے میں نارکھا جائے۔ روشنی کی جائے۔ نمازیوں کو چاہئے کہ جانے سے پہلے روشنی بجھا دیں۔ ہمیں ان چیزوں کو اپنے اندر جگانا ہے۔

3- کسی جگہ اگر مسجد میں پتکھے وغیرہ کی ضرورت ہو تو جیسا کہ مسجد اقصیٰ کو روشن کرنے کا اہتمام کیا گیا اس طرح ہر مسجد کی ضروریات پورا کرنے کا اہتمام ہو۔ تمام مساجد قیامت کے دن اللہ پاک سمیٹ کر جنت میں لے کر جائیں گے۔

اللہ کے فرشتے زمین پہ پتھر پھینکتے ہیں جہاں جہاں پتھر پھینکتے ہیں وہاں وہاں مساجد قائم ہوتی ہیں۔ اس لئے ایصالِ ثواب کے لئے اپنے اپنے علاقے میں مسجد بنانی چاہئے۔ ہر نبی علیہ السلام نے مسجد بنائی۔ حالانکہ انکو تو پہلے ہی بخش دیا گیا تھا۔

بہر حال جب تیل بھیجا جانے لگا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بہت مشقت کے ساتھ کنویں کو کھودا اس میں تیل جمع کیا جاتا تھا۔ یہ 1400 سال پرانا کنواں ہے۔ اس کنویں کے علاوہ مسجد اقصیٰ میں 26 کنویں موجود ہیں۔ جو سب پتھر کے بنے ہوئے ہیں اور ہر کنواں الگ الگ نام پر رکھا گیا ہے۔ مسجد اقصیٰ قبۃ الصخرہ کے درمیان میں جائے وضو جو کہ سنگ مرمر کا گول شکل کا نہایت خوبصورت حوض بنا ہوا ہے اس کے وسط میں ایک فوارہ بھی ہے اور اس کے چاروں طرف ٹونٹیاں بھی سلطنت عثمانیہ کے طرز کی لگی ہوئی ہیں، جن سے نمازی حضرات وضو فرماتے ہیں۔ صحن میں ہی پانی کی گیارہ سیلیں موجود ہیں ان سیلیوں کا نام بھی الگ الگ رکھا گیا ہے، ان میں سب سے مشہور ترین سیل قایت بائے ہے جو کہ عہد مملوک کی اعلیٰ فن تعمیر کا منہ بولتا ثبوت ہے، یہ سیل باب السلسلہ اور باب القطنین کے درمیان صحن میں واقع ہے اسے بھی سنگ مرمر سے ہی تعمیر کیا گیا ہے، اس کے اوپر خوبصورت قبہ اور چاروں طرف پانی پینے کے لئے کھڑکیاں بنی ہوئی ہیں۔

مسجد اقصیٰ کی جنوب مغربی دیوار، جسے حائط براق کہا جاتا ہے، کی لمبائی 50 اور اونچائی 20 میٹر ہے۔ یہ بیت المقدس کا ہی حصہ ہے مسلمان اسے اپنی املاک میں شمار کرتے ہیں جبکہ یہود اس کو حائط المسیکی دیوار گریہ کہتے ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ یہ ہیکل سلیمانی کا حصہ ہے۔ بیت المقدس کے صحن میں تیس کے قریب

چبوترے موجود ہیں جہاں سے علوم نبوت کے چشموں سے طلبہ اپنی علمی پیاس بجھایا کرتے تھے، اس کی تھوڑی سی جھلک آج تک باقی ہے۔ ان چبوتروں پر چھوٹی چھوٹی محرابیں موجود ہیں۔ جن کی طرف بیٹھ کر استاد اپنے سامنے موجود طلبہ کو درس دیا کرتے تھے، یہ چبوترے زمین کی سطح سے ایک دو سیڑھیوں کے برابر اونچا بنایا گیا ہے۔ راقم کو بھی مسجد قصی صحن کے قریب ایک چبوترے میں قائد سفر کے ہمراہ بعد نماز مغرب تا عشاء کئی ایک خوبصورت محافل سجانے کا موقع میسر آیا۔ الحمد للہ!

بیت المقدس کے احاطہ کے مشاہدات کی تعداد دو سو سے زائد بتائی جاتی ہے جس کا اندازہ سفر بیت المقدس کر کے ہی لگایا جاسکتا ہے۔ الحمد للہ! جمعۃ المبارک کی تہجد اور فجر کے چمکتے سورج، امام صاحب کے جمعۃ المبارک کے خطاب اور نماز جمعہ کے وقت ہزاروں مسلمانوں کے روح پرور اجتماع اور بیت المقدس کے صحن میں مغرب اور عشاء کے درمیان نورانی ٹخنکی کے احساس نے مجھے چراغوں کو تیل بخشا اسی دوران دوبارہ زیارت کا جوش و ولولہ اور بھی بیدار ہوا، اور دل ہی دل میں دعا گو بھی رہا کہ راقم کو دوبارہ حاضری کی سعادت نصیب ہو جائے۔

### ایک جھلک میں بیت المقدس

بیت المقدس کے اس پہلے سفر سے قبل راقم کافی شش و پنج میں مبتلا تھا کہ جو جھوٹی کہانی مرزا قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت اور مدفن بلد قدس، و دیگر مقامات سے متعلق گھڑ رکھی تھی، کیا راقم اس کی کھوج لگا سکے گا کہ نہیں؟ یہاں یہ بات قارئین کے لئے ذکر کرنا مناسب ہے کہ قادیانیوں کے علاوہ دنیا میں یہود کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب ہو کر دفن ہو گئے اور پھر زندہ نہیں ہوئے، اور ان کے اس خیال کی تردید قرآن کریم کی سورہ نساء کی آیت میں کر دی گئی ہے قرآن کریم کی آیت **وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ** میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں کے کید اور تدبیر کو خود انہی کی طرف لوٹا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ **وما قتلوه و ماصلبوه الخ**

اور نصاریٰ کا کہنا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب تو ہو گئے مگر پھر دوبارہ زندہ کر کے آسمان پر اٹھائے گئے۔ مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس غلط خیال کی تردید فرمادی، اور بتلادیا کہ جیسے اہل یہود خوشیاں منا رہے تھے کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا اور یہ دھوکہ مسیحیوں کو بھی لگ گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام مصلوب کر دیئے گئے۔ ان دونوں گروہوں کے بالمقابل اہل اسلام کا عقیدہ ہے جو اس آیت اور دوسری کئی آیتوں میں وضاحت سے بیان ہوا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہود کے ہاتھ سے نجات دینے کے لئے آسمان پر زندہ اٹھالیا نہ ان کو قتل کیا جاسکا نہ سولی پر چڑھایا جاسکا۔ وہ زندہ آسمان پر موجود ہیں اور قرب قیامت آسمان سے نازل ہو کر مسلمانوں کو فتح یاب فرمائیں گے۔

بائبل کے تمام ایڈیشنز میں چھ مقامات میں لکھا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسد خاکی کے ساتھ رفع آسمانی ہوا اور وہ خدا کی دائیں طرف تشریف فرما ہیں، اس کے باوجود ان کے کچھ لوگوں نے اپنی روایتی جھوٹی کہانی کے سہارے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مدفن و مقبرہ کو بلد قدس میں قرار دے دیا۔ اس سلسلے میں الحمد للہ قائد سفر نے بھر پور رہنمائی فرمائی، اور بیت المقدس کی زیارات میں اس مقام کو بھی شامل فرمایا گیا تاکہ اس مقام پر جا کر اس کہانی کی مکمل تحقیق کر سکیں۔

آج کے دن بیت المقدس کے قرب و جوار کی زیارت کرتے ہوئے پہلی منزل کنیتہ القائمہ پہنچے، جو کہ یروشلم کے قدیم شہر کے 'حارة النصاری' یا 'مسیحی کمیونٹی کو اٹر محلہ' کے درمیان میں واقع ہے۔ مسیحیوں کے نزدیک اس جگہ پر حاضری حج بیت اللہ کے برابر حیثیت رکھتی ہے۔ قائد سفر نے بتایا کہ کرسمس اور ایسٹر میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ مسیحی کمیونٹی کو کنیتہ القائمہ کے ارد گرد آباد کیا گیا تھا۔ یہاں قدیم یروشلم کے دیگر کوارٹرز کی طرح بازار آباد ہے جس میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی طرح طرح کی دکانیں، ریستورانٹس موجود ہیں۔ اسی بازار سے ہوتے ہوئے ایک تنگ گلی کے اختتام پر ایک دروازے سے اندر داخل ہو کر سامنے کنیتہ القائمہ کی عمارت موجود ہے۔ اس کے بالکل مد مقابل مسجد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ موجود

ہے جسے صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے تعمیر کیا تھا۔

اس سال دسویں سفر میں الحمد للہ راقم کو مسجد عمر رحمۃ اللہ علیہ میں اذان دینے کی سعادت بھی نصیب ہوئی اور کمرہ کھلوا کر نماز بھی پڑھی۔ اور مسجد قبلی میں اذان کی دعوت بھی دی گئی جسکی اجابت ان شاء اللہ اگلے سفر میں ہوگی۔ یہاں تاریخی کنواں بھی دیکھا جس میں سے عمر رحمۃ اللہ علیہ نے پانی پیا تھا۔

کنیستہ القائمہ دنیا کا واحد چرچ ہے جہاں حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ کو نماز کا وقت ہو جانے پر پادری نے نماز ادا کرنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے نماز پڑھنے سے انکار کر دیا تھا اور چرچ سے باہر جا کر نماز ادا فرمائی تاکہ کل کوئی مسلمان اس چرچ کو جبراً مسجد میں تبدیل نہ کر دے، اسی مقام پر صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد کی تعمیر فرمائی۔ اس چرچ کے بارے میں ایک بات نے مجھے حیرانگی میں ڈال دیا کہ آج بھی اس کو کھولنے اور بند کرنے کی ذمہ داری مسلمانوں کے پاس ہے اور یہ بات مسلمانوں کے پر امن ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ راقم کو مع قافلہ عصر کی نماز اسی خاص مقام پر جہاں حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ نے نماز ادا فرمائی تھی، خصوصی اجازت سے نماز کی سعادت نصیب ہوئی۔

یہ چاروں تاریخی مقامات یعنی مسجد اقصیٰ، کنیستہ القائمہ، مسجد عمر بن خطاب رحمۃ اللہ علیہ، اور دیوارِ گریہ ایک کلومیٹر کے اندر اندر واقع ہیں۔ ہر ایک کی تاریخ جدا جدا اور پیر و کار مختلف ہیں مگر یروشلم کے اس قدیم شہر میں آسانی مذاہب کے ان مراکز کی ایک ساتھ موجودگی نے ہر سیاح کو ورطہ حیرت میں ڈال رکھا ہے۔

کنیستہ القائمہ وہی چرچ ہے جہاں عیسائی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا تھا۔ کنیستہ القائمہ میں داخل ہوں تو پہلی نظر ایک بڑے سے گلابی رنگ کے پتھر پر پڑتی ہے، جسے انگریزی میں Stone of Anointing کہا جاتا ہے۔ عیسائی عقیدے کے مطابق یہی وہ مقام ہے، جہاں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے جسدِ خاکی کو دفنانے کے لیے تیار کیا گیا۔ عیسائی عقیدت مند اس مقام پر غم سے نڈھال ہو کر پتھر کو چومتے ہیں، چمٹتے ہیں۔ ہمارے ٹور گائیڈ برادر احمد کے کہنے کے مطابق یہاں سے بائیں ہاتھ کو جائیں تو وہ مقام آتا ہے، جہاں حضرت مریم علیہا السلام نے اپنی بہن اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

پیروکار خاتون، مسیحی کہانی کے مطابق مریم میگدالین کے ہمراہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو دفن ہوتے دیکھا تھا۔ اسے انگریزی میں The Chapel of Three Marys اسی نسبت سے کہا جاتا ہے۔ مسیحیوں کو اس مقام پر عقیدت کے اظہار کرتے موم بتیاں جلاتے ہوئے بھی دیکھا۔ اسی چرچ میں ایک مقبرہ پر بھی نظر پڑی جہاں مسیحی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دفن کیا گیا تھا، اندر جانے کے لئے لمبی قطار لگی دیکھی لوگوں کو کہتے سنا کہ اس مقبرہ پر مسیحی اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پاتے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر گزرے رنج و الم کو محسوس کرتے ہوئے گریہ وزاری بھی کرتے ہیں۔

برادر احمد نے مسیحی کہانی کی ایک اور جھلک پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ راستہ جہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کنیستہ القائمہ تک لایا گیا، جبل زیتون میں کلیسہ الآلام سے شروع ہو کر کنیستہ القائمہ پر ختم ہوتا ہے، یہ راستہ Via Dolorosa اور عربی میں 'طریق الآلام' کہلاتا ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ 'شاہراہ الم' یا 'شاہراہ کرب' کے طور پر کیا جاسکتا ہے۔ طریق الآلام کے چودہ پڑاؤ ہیں اور ہر پڑاؤ کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس راستے سے گزرنے اور دشواریوں کو المناک کہانی کے طور پر مسیحی پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر مسیحیوں کے مطابق پہلا پڑاؤ وہ مقام ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو موت کی سزا سنائی گئی اور رومی سپاہیوں نے آپ کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ دوسرے پڑاؤ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھاری صلیب تھمائی گئی اور ان کے سر پر کانٹوں کا تاج پہنایا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب اپنی کمر پر لاد کر تقریباً چھ سو میٹر کا فاصلہ پیدل طے کیا۔ تیسرا پڑاؤ وہ مقام ہے جہاں حضرت مسیح علیہ السلام پہلی مرتبہ نڈھال ہو کر گر پڑے تھے۔ چوتھا پڑاؤ وہ مقام تھا جہاں حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی، آٹھویں پڑاؤ پر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے نیک خواتین کے ایک گروہ کو جو آپ کی پیروکار تھیں، رُک کر مختصر درس دیا تھا۔ آخری پڑاؤ کنیستہ القائمہ تھا۔

صلاح الدین ابوہیثمیؒ کی خانقاہ

یروشلم القدس میں کنیسۃ القائمہ دیکھنے اور مسجد عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ میں نفل نماز کی ادائیگی کے بعد چند قدم پر اور چلتی سیڑھیوں سے چڑھنے کے بعد صلاح الدین ایوبی رضی اللہ عنہ کی تاریخی خانقاہ اور ان کی رہائش گاہ کو دیکھنے کے لئے پہنچ گئے۔ اس خانقاہ کا ایک راستہ انہی گلیوں میں سے گزر کر آتا ہے، دوسرا راستہ ایک دروازے میں داخل ہو کر آتا ہے، جو کہ اس کا صحن بھی کہہ سکتے ہیں، اس صحن میں دو تین بالکل چھوٹے ایک ایک کمرے کے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ ان مکانات میں فلسطینی مسلمان فیملیز رہتی ہیں جو کہ اس خانقاہ کی خدمت اور دیکھ بھال کرتی ہیں، اور اس خانقاہ کی زیارت کرنے والوں کا خصوصی طور پر چائے اور تہوہ سے والہانہ استقبال کرتی ہیں۔

راقم کو صحن کے راستے سے اوپر جانے والی سیڑھیوں سے صلاح الدین ایوبی رضی اللہ عنہ کی قیام گاہ پر لے جایا گیا، یہاں داخل ہوتے ہی الماری میں رکھی ہوئی چند قدیم کتابوں پر باہر سے نظر پڑی لیکن کتابوں کو باہر نکالنے کا موقع نہیں ملا، اس کمرے کے بعد ہی ایک اور درمیانے سائز کا کمرہ ہے، جہاں مہمانوں کے لئے شاندار شاہانہ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں ہمیں بھی تھوڑی دیر بیٹھنے کا موقع ملا۔ اتنے میں اسی خانقاہ کی متولیہ تشریف لے آئیں، انہوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ ہم صلاح الدین ایوبی رضی اللہ عنہ کی نسل اور علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، بیت المقدس فتح کرنے کے لئے جو لشکر آیا تھا اس لشکر کے صف اول کا دستہ جس کے ہاتھ میں علم اور جھنڈا تھا، ہمارا اس خاندان سے تعلق ہے۔ بعد ازاں ہمیں اسی خانقاہ کی چھت کے اوپر سے یروشلم القدس شہر کا دلنشین نظارہ بھی کرایا گیا۔ صلاح الدین ایوبی رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل اس خانقاہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، ایک مسلمانوں کے لئے وقف اور دوسرا حصہ مسیحیوں کے لئے عبادت گاہ کے طور پر وقف کیا گیا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی رضی اللہ عنہ نسلًا کر دتھے اور 1138ء میں کردستان کے اس حصے میں پیدا ہوئے جو اب عراق میں شامل ہے۔ شروع میں وہ سلطان نور الدین زنگی رضی اللہ عنہ کے یہاں ایک فوجی افسر تھے۔ مصر کو فتح کرنے والی فوج میں صلاح الدین رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، اور اس کے سپہ سالار شیر کوہ صلاح

الدين رحمۃ اللہ علیہ کے چاچا تھے۔ مصر فتح ہو جانے کے بعد صلاح الدين رحمۃ اللہ علیہ کو 564ھ میں مصر کا حاکم مقرر کر دیا گیا۔ اسی زمانے میں 569ھ میں انہوں نے یمن بھی فتح کر لیا۔ نورالدين زنگی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد سلطان صلاح الدين رحمۃ اللہ علیہ خود مختار حاکم ہو گئے تھے، صلاح الدين رحمۃ اللہ علیہ اپنے کارناموں میں سلطان نورالدين زنگی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی بازی لے گئے تھے اور بیت المقدس کی فتح ان کی سب سے بڑی خواہش تھی۔

مصر کے بعد صلاح الدين رحمۃ اللہ علیہ نے 1182ء تک شام، موصل، حلب وغیرہ فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیے۔ اس دوران میں صلیبی سردار رینالڈ کے ساتھ چار سالہ معاہدہ صلح ہو چکا تھا، جس کی رو سے دونوں ایک دوسرے کی مدد کرنے کے پابند تھے لیکن یہ معاہدہ محض کاغذی اور رسمی تھا۔ حطین کی فتح کے بعد صلاح الدين رحمۃ اللہ علیہ نے بیت المقدس کی طرف رخ کیا ایک ہفتہ تک جنگ کے بعد اہل صلیب نے ہتھیار ڈال دیئے اور رحم کی درخواست کی۔ بیت المقدس پورے 88 سال بعد دوبارہ 583ھ میں بروز جمعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ شہر کی تمام فصیلوں پر اسلامی جھنڈے بلند کر دئے گئے، وہ دن مسلمانوں کے لئے یادگار دن تھا جب اس خطے میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی۔

بیت المقدس کی فتح صلاح الدين رحمۃ اللہ علیہ کا عظیم الشان کارنامہ تھا۔ انہوں نے حکم کیا کہ منبر تیار کیا جائے۔ اس پر مسلمانوں نے انہیں آگاہ کیا کہ بیس سال ہوئے سلطان نورالدين زنگی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے ایک منبر تیار کیا گیا تھا، اور اس عمدہ منبر کو حلب کے بہترین کاریگروں نے کئی سالوں میں تیار کیا تھا، انہوں نے مسجد اقصیٰ میں داخل ہو کر نورالدين زنگی رحمۃ اللہ علیہ کا تیار کردہ منبر اپنے ہاتھ سے مسجد میں رکھا۔ اس طرح نورالدين زنگی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش ان کے ہاتھوں پوری ہوئی۔ سلطان ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا، کہ بیت المقدس کے مقدس شعائر اور اشیاء اپنی قدیم حالت کی طرف لوٹا دی جائیں، کیونکہ ان میں تبدیلی کی جا چکی تھی لہذا حکم کے مطابق اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹا دیا گیا، یہ بھی حکم کیا گیا کہ بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ اور اس کے صحرہ مبارکہ کو نجاست اور گندگیوں سے پاک کیا جائے، بیت المقدس میں مکمل طور پر صفائی کا اہتمام کیا

گیا۔ القدس شہر کو صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے جب فتح کیا تو گنبد صخرہ والی چٹان کو عرقِ گلاب سے غسل دلوایا، یروشلم کو ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کے لیے پاک کیا اور اس متبرک شہر میں اللہ والوں اور بزرگوں کا کھلے بازوؤں کے ساتھ استقبال کیا۔ پھر مسلمانوں نے دوسرا جمعہ قبۃ صخرہ میں ادا کیا۔

سلطان ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے دمشق کے قاضی محی الدین بن زنگی رحمۃ اللہ علیہ نے خطبہ جمعہ پڑھا۔ انہوں نے اپنے خطبے میں موجودہ حالات اور اسلام کی عظمت کو اس طرح بلاغت آمیز موثر انداز میں بیان کیا کہ اس کو سن کر مسلمانوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ یہ خطبہ اس قدر عمدہ تھا کہ راویوں اور کئی مؤرخوں نے اسے نقل کر کے بیان کیا۔ بعد ازاں صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ مسجد اقصیٰ کی پنج وقتہ نمازیں امام و خطیب کی حیثیت سے پڑھاتے رہے، سلطان ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حکم بھی جاری کیا کہ مسجد اقصیٰ کو نمازیوں سے آباد کیا جائے اور ساتھ ہی مناسب تعمیراتی کام کو بھی جاری رکھا جائے۔ انہوں نے بیت المقدس کے شہر کی فصیلوں کو درست کیا اور کنیسہ صہیون کو شہر کے اندر شامل کرایا، اس سے پہلے وہ فصیل سے باہر تھا۔ مدارس، مساجد و خانقاہیں، مسافر خانے اور ہسپتال بھی تعمیر کرائے اور ان کی آمدنی کے لئے اوقاف مقرر کئے۔ مسجد اقصیٰ میں تلاوت قرآن کے لئے قاری بھی مقرر کئے گئے، جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے، مسجد اقصیٰ میں پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ تمام نمازوں سے قبل بعد اور مختلف اوقات میں بیت المقدس میں تلاوت قرآن مجید کی صدائیں گونجتی رہتی ہیں۔ ان تمام قاری صاحبان کی تنخواہیں بھی اوقاف کی طرف سے مقرر کی گئی ہیں۔ سلطان ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے بیت المقدس میں داخل ہو کر وہ مظالم نہیں کئے جو اس شہر پر قبضے کے وقت اہل صلیب کی افواج نے کئے تھے۔ ایوبی رحمۃ اللہ علیہ ایک مثالی فاتح کی حیثیت سے بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ انہوں نے زرفدیہ لے کر ہر اہل صلیب کو امان دے دی، اور جو غریب فدیہ نہیں ادا کر سکے، ان کے فدیے کی رقم ایوبی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بھائی ملک عادل نے خود ادا کی۔ مسیحیوں سے صلح ہو جانے کے بعد ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے عیسائیوں کو بیت المقدس کی زیارت کی اجازت بھی دے دی۔ اجازت ملنے پر یورپ کے زائرین جو برسوں سے انتظار کر رہے تھے، اس کثرت سے ٹوٹ پڑے کہ انتظام قائم رکھنا مشکل ہو

گیا۔ کسی نے کہا کہ سلطان کی تحریر اور اجازت نامے کے بغیر کسی کو بیت المقدس میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ سلطان ۱۰۹۹ھ نے جواب دیا ”زائرین بڑی بڑی مسافرتیں طے کر کے زیارت کے شوق میں آتے ہیں، ان کو روکنا مناسب نہیں“۔ سلطان ایوبی ۱۰۹۹ھ نے ناصر فہ کے ان زائرین کو ہر قسم کی آزادی دی بلکہ اپنی جانب سے لاکھوں زائرین کی مدارات، راحت، آسائش اور دعوت کا انتظام بھی کیا۔

صلاح الدین ایوبی ۱۰۹۹ھ کا غیر مسلموں سے سلوک عین اسلامی تعلیمات کے مطابق تھا، اور یہ اس کا ثبوت ہے کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے حقوق بھی اسی طرح محفوظ ہیں، جس طرح مسلمانوں کے حقوق محفوظ ہیں۔ سلطان ایوبی ۱۰۹۹ھ کے حکم پر روم کے شاہی خاندان کی بعض خواتین کو جو راہبہ تھیں رہا کر دیا گیا اور انہیں اپنے غلاموں، نوکر چاکر، مال و دولت اور ساز و سامان کیساتھ چلے جانے کی اجازت دے دی۔ اسی طرح انہوں نے اہل صلیب کی ملکہ اور بادشاہ جن کو گرفتار کیا گیا تھا اور وہ نابلس کے قلعہ میں مقید تھے، ان کے ساز و سامان کے ساتھ انہیں بھی رہا کر دیا گیا، اور ان کی جاگیر پر کوئی خراج بھی وصول نہیں کیا۔ اسی طرح پطرس اعظم سب سے بڑا عیسائی پیشوا بھی اپنے ساز و سامان اور مال و دولت کے ساتھ نکل گیا۔

بیت المقدس کی تعمیر و توسیع کے بعد حج کا ارادہ کیا لیکن دوسرے کاموں کی وجہ سے نہیں جاسکے، وہ بتاریخ 5 شوال 588ھ دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔ مسلمان ان کی آمد پر بہت خوش ہوئے۔ دمشق پہنچ کر ایوبی ۱۰۹۹ھ کے کاموں کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا چونکہ مخالفین اور اہل باطل کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ جنگ بندی کا معاہدہ ہو گیا تھا، اسی دوران بیمار ہوئے، مصر کی ابتدائی حکومت کو شامل کر کے پچیس سال کی دلیرانہ حکومت کر کے ماہ صفر 589ھ میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ انہیں شام کے موجودہ دارالحکومت دمشق کی مسجد اموی کے احاطہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ راقم کو پہلے حج 2005ء دسمبر کے سفر کے دوران مزار شریف پر حاضری کا موقع میسر آیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ۱۰۹۹ھ نے تقریباً پچیس سال حکومت کی، مورخ ابن خلکان کے مطابق ان کی موت کا دن اتنا تکلیف دہ تھا، کہ ایسا تکلیف دہ دن اسلام

اور مسلمانوں پر حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دنیا سے چلے جانے کے بعد کبھی نہیں آیا۔ موجودہ دور کے ایک انگریز مورخ لین پول نے بھی سلطان ایوبی رضی اللہ عنہ کی بڑی تعریف کی ہے، اور لکھتا ہے کہ ان کے ہمعصر بادشاہوں اور ان میں ایک عجیب فرق تھا۔ بادشاہوں نے اپنے جاہ و جلال کے سبب عزت پائی اور اس نے عوام سے محبت اور ان کے معاملات میں دلچسپی لیکر ہر دعویٰ کی دولت کمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے لئے بیش بہا خدمات سرانجام دی ہیں، حقیقت حال سے واقف کار کے لئے ذرا بھی تردد نہیں ہو سکتا۔ ان کے حالات و واقعات تاریخ کی کتابوں کا اہم اور سنہرے باب ہے۔ ان کی خانقاہ اور بیت المقدس کے اطراف کی زیارت کر کے ساتھی بہت تھک چکے تھے۔ مزید کسی اور مقام پر جانے کے بجائے بیت المقدس کے دمشق گیٹ سے نکل کر واپس اپنے ہوٹل جانا بہتر سمجھا۔

### بیت المقدس میں اذان کی صداؤں میں اسلامی شوکت

القدس کے اس سفر کے دوران راقم جس شہر میں بھی گیا وہاں ہر طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعمیر کردہ مساجد سے بلند ہوتی اذان کی صداؤں میں اسلام کی شوکت و عظمت کا جھنڈا لہراتا ہوا دیکھا۔ اس خطے میں خلیفۃ الثانی کی تعمیر کردہ مساجد اسلامی تاریخ کی اہم ترین مساجد میں شمار ہوتی ہیں۔ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات سے کون ناواقف ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی دور حکومت میں بے شمار کارنامے انجام دے کر تاریخ میں ایک باب رقم کیا۔ جس کا احساس القدس کے سفر کے بعد زیادہ ہوتا ہے۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں جنگ تبوک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چڑے کے ایک خیمے میں تشریف فرما تھے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کی چھ علامات یاد کر لو: میری موت پھر فتح بیت المقدس۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس وقت پوری ہوئی، جب آپ رضی اللہ عنہ نے شام کو فتح کرنے والی فوج کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کو اپنی فوج سمیت بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا، چنانچہ انہوں نے خلیفۃ المسلمین کے حکم پر

لبیک کہا اور پانچ ہزار فوجیوں کے ہمراہ بیت المقدس کو روانہ ہو گئے بہر کیف نہایت آسانی سے یکے بعد دیگرے علاقے مفتوح ہوتے گئے صرف بیت المقدس باقی رہ گیا، جس کے گرد و نواح کے کل شہروں پر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قبضہ حاصل کر کے خود اس کے محاصرہ کے لئے آگے بڑھے۔ اب اہل صلیب قلعہ بند ہو کر لڑنے لگے۔ اس وقت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ شام کے آخری ضلع قنسرین کو فتح کرنے کے بعد اردن کے قریب پہنچے تو اپنے چند نمائندوں کے ہاتھ اہل ایلیاء کے نام ایک خط روانہ فرمایا۔ اس خط میں موجود پہلی دو باتوں کا اہل ایلیاء نے انکار کر دیا، جس پر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو بیت المقدس کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔ تقریباً چالیس دنوں تک محاصرہ جاری رہا۔ بالاخر اہل صلیب نے ہمت ہار کر مصالحت کی پیش کش کی۔ شرائط صلح میں مزید اطمینان کے لئے ایک شرط کا اضافہ کیا کہ

”عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ خود آ کر معاہدہ لکھیں اور ہم لوگ صرف تمہارے امیر المؤمنین کو دیکھنا چاہتے ہیں، کیونکہ جو نشانیاں ہم نے فاتح بیت المقدس کی اپنی کتابوں میں پڑھی ہیں وہ نشانیاں ہم تمہارے امیر میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ نشانیاں تمہارے امیر میں موجود ہوں تو ہم بغیر جنگ و جدل کے بیت المقدس تمہارے حوالے کر دیں گے۔“

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ المسلمین کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے، جلد تشریف لے آئیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو مشورہ کے غرض سے جمع فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا اہل صلیب ہمت ہار چکے ہیں آپ ان کی درخواست منظور نہ کیجئے گا، ان کو اور بھی ذلت ہوگی اب وہ ہر صورت اپنے آپ کو حوالے کر دیں گے، جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس رائے سے اختلاف کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک روایت کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، یا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے اور عسا کر اسلامی کو بھی روانگی سے قبل مطلع فرمادیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ سفر معمولی نہیں تھا بلکہ اسلام مخالف قوتوں کے قلوب پر اسلامی ہیبت و

جلال کا بھی بٹھانا مقصود تھا، لیکن بایں ہمہ روانہ ہوئے تو کس بے سروسامانی کے عالم میں کہ نہ تو نقارہ تھانہ نوبت تھی، نہ خدم و حشم نہ لائشکر ڈیرہ۔ خیمہ کا کیا ذکر معمولی چھولداری بھی نہ تھی، سواری کا ایک اونٹ تھا اور چند مہاجرین و انصار ہم رکاب تھے۔ پھر بھی جہاں خبر پہنچی کہ عمر فارق رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے بیت المقدس کا قصد کیا ہے، تو زمین کانپ اٹھی۔ سفر میں آپ رضی اللہ عنہ تھے اور آپ کا غلام تھا، گھوڑا بھی نہ تھا بلکہ اونٹ پر سوار تھے کچھ سنتو آپ کے پاس تھے اور ایک لکڑی کا پیالہ۔

جب ابو عبیدہ ابن الجراح اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہم سواروں کا رسالہ لئے ہوئے استقبال کو آئے تو یہ سب دیباچ و حریر کی قبائیں اور حُله پہنے ہوئے آئے تھے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ انکا تکلف کا لباس دیکھ کر برہم ہو گئے۔ اونٹ سے کود کر کنکریاں اٹھا اٹھا کر انکی طرف پھینکنے لگے اور کمال طیش سے کہا کہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا؟ تم لوگ میرے استقبال کیلئے اس زیب و زینت سے آئے ہو، دوہی برس میں اپنی حالت تبدیل کر لی، عجمیوں کی عادات اختیار کر لیں!!۔ ان لوگوں نے عرض کیا ان قبائوں کے نیچے جنگی دفاعی سامان ہے، یعنی ہم نے اب بھی فن سپاہ گری نہیں چھوڑا ہے۔ تب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

جب آپ جابیہ میں داخل ہوئے تو اراکین بیت المقدس ملنے کو آئے۔ اہل بیت المقدس نے جزیہ دے کر مصالحت کر لی، چابیاں خود ان کے حوالے کیں اور دروازے ان کے لئے کھول دیئے اور اہل رملہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس معاہدہ پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور معاویہ ابن سفیان رضی اللہ عنہ نے اپنے اپنے دستخط بطور گواہ کے مرقومہ 15ھ پیش کیا۔ آج بھی اس تاریخی معاہدہ کا عکس مع دستخط القدس شہر کی مسجد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ میں آویزاں ہے۔

اس تاریخی معاہدہ میں ہمارے لئے آج اس دور میں مشعل راہ اور سبق ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنا مذہب بزور تلوار نہیں پھیلا یا، اور ان کے عہد حکومت میں دوسرے مذاہب کو مکمل مذہبی آزادی تھی، جبراً غیر قوموں سے جزیہ بھی نہیں لیا جاتا تھا۔ ہر صورت میں امن دیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی

سواری کے لئے جو گھوڑا تھا اس کے سم طویل سفر کی وجہ سے گھس گئے تھے، اس وجہ سے رُک رُک کر قدم رکھتا تھا، لباس اور ساز و سامان بھی آپ کا ایک معمولی حیثیت کا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھوڑے کی رفتار کی وجہ سے گھوڑے سے اتر پڑے لوگوں نے ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا، اور ایک نہایت عمدہ ونیس پوشاک پیش کیا جس کو دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو عزت ہم کو دی ہے وہ اسلام کی وجہ سے دی ہے اور وہ ہمارے لئے کافی ہے، اس کو واپس لے جاؤ مجھ کو اس کے پہننے کی ضرورت نہیں ہے، باقی گھوڑے پر لوگوں کے بہت اصرار پر سوار ہوئے تو وہ شوخی کرنے لگا تو اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بہت غصہ آیا اور انہوں نے گھوڑے کے منہ پر طمانچہ دے مارا اور فرمایا: کبخت یہ غرور کی چال تو نے کہاں سے سیکھی ہے اور یہ کہ کرا تر پڑے اور پیادہ پا بیت المقدس میں داخل ہو کر سب سے پہلے مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے۔ محراب داؤد کے پاس پہنچ کر سجدہ ادا فرمایا بعد ازاں اہل صلیب کے گرجے میں تشریف لے گئے اور اس کو دیکھتے ہی رہے۔ فتح بیت المقدس کے بعد فلسطین کے دو حصے کر دیئے گئے ایک پر علقمہ بن حکیم رضی اللہ عنہ اور دوسرے پر علقمہ بن محراز رضی اللہ عنہ مأمور ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بیت المقدس میں ہی ٹھہرایا گیا۔ جابہ میں چند دن قیام کے دوران افسروں اور رؤسائے شہر نے آ کر ملاقات کی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک دن گھوڑے پر سوار ہو کر بیت المقدس کے صحن کی طرف تشریف لائے، اور گنبد صحرہ کو صاف کرا کے مسجد بنانے کا حکم دیا 15 ھ میں فوجی نظام بھی درست فرمایا یہ سارے حالات و کیفیات کو سفر کے دوران زندہ دل انسان ہی محسوس کر سکتا ہے۔

### قبلی مسجد کا چھوٹا کونا

قبلی مسجد کے بائیں کونے میں ایک چھوٹا حصہ خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعزاز میں ”مسجد عمر“ کہلاتا ہے۔ جب 638ء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے یروشلم آئے اس وقت تک مسلمان (الشمس) کا زیادہ تر حصہ فتح کر چکے تھے، جو آج شام، اردن، لبنان اور فلسطین ہیں۔ جب لشکر یروشلم کے دروازے پر پہنچا تو

اپنے زور طاقت سے یروشلم کو فتح کر لینا مسلمان لشکر کے لئے کچھ مشکل نہ تھا لیکن انہوں نے صلیبیوں کی درخواست کو قبول کیا تا کہ جانوں کو نقصان سے بچایا جاسکے۔

‘Sophronius Patriarch of Jerusalem نے ان کو یروشلم کی چابیاں پیش کیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ یروشلم میں بلا خوف و خطر اور بغیر کسی خون خرابے کے داخل ہوئے۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے بیت المقدس لے جانے کی درخواست کی، جب وہ وہاں پہنچے تو ان کو مسجد کی حالت زار دیکھ کر انتہائی تکلیف ہوئی کیونکہ رومن اس کو کچرا خانہ کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود جھکے اور اپنے ہاتھوں سے اس کو صاف کرنا شروع کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا ساتھ دیا اور جلد ہی سارا علاقہ صاف ہو گیا۔ مسجد عمر رضی اللہ عنہ مسجد القبلی کا وہی حصہ ہے جہاں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کو صاف کرنا شروع کیا تھا۔ اس کو آخری مسلمان حکمران نے تعمیر کیا تھا اور نام بھی انہوں نے ہی رکھا۔ اب اس مسجد کے ایک حصہ میں ایمر جنسی کلینک بھی ہے۔

### صلیبیوں کو آزادی سے شہر چھوڑنے کی اجازت

یروشلم کی تاریخ دیکھ کر پتہ لگتا ہے اس شہر کو کئی بار تیس تیس اور تہ و بالا کرنے میں کس نہیں چھوڑی گئی۔ یہ شہر کئی بار مر کر اُجڑ کر آج بھی زندہ ہے۔ اس کی رونق اور بہار مسلمانوں کے روشن مستقبل کا پتہ دیتی ہیں، تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خطے میں ہمیشہ سے کثرتوں کی جنگ ہی مسلط رہی ہے۔ القدس کے ان دس سفروں کے دوران تاریخی، مشاہداتی و مقامات مقدسہ کی زیارت کے ساتھ ساتھ راقم کو ایسا محسوس ہوتا ہے، کہ یروشلم القدس شہر پکار پکار کر دعوت دیتا ہے کہ میری درودیوار میں پوشیدہ راز و تابناک واقعات کوئی تو سنے۔

راقم تو اس کی گلیوں سے مانوس ہو چکا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے یہی مسکن ہے میرا۔

یروشلم کی تاریخ بہت طویل ہے۔ یہ دو بار تباہ کیا گیا تیس بار اس کا محاصرہ کیا گیا، باون بار اس پر

حملے کئے گئے اور اس کو چوالیس بار فتح کیا گیا۔ اس کو مسلمانوں نے سن 638ء میں حضرت عمرؓ کے دور میں فتح کیا اور یہ فتح نبی کریم ﷺ کی وفات کے پانچ سال کے عرصے میں کر لی گئی تھی۔

اس شہر پر اہل صلیب نے 1099 میں قبضہ کیا اور مسلمانوں اور اہل یہود کا سخت قتل عام کیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اس کو 1187ء میں دوبارہ فتح کیا، اور ناصرؒ زندہ بچ جانے والے صلیبیوں کو آزادی سے شہر چھوڑنے کی اجازت دی بلکہ ان کو ان کی سر زمین تک کے سفر کا خرچہ بھی دیا اور ایک معاہدے کے تحت امن کیساتھ 1229 سے 1244 کے درمیان مسیحیت کے سپرد کیا جو مصر کے ایوبی سلطان اکال اور رومن سلطان فریڈریک دوم کے درمیان طے پایا تھا۔

یروشلم پر تاتاریوں نے بھی قبضہ کیا تھا اور مسیحی آبادیوں کا مکمل خاتمہ کر دیا تھا۔ پھر ان کو صلاح الدین ایوبیؒ کے جانشینوں نے 1247ء میں برطرف کیا۔ 1260ء اور 1517ء کے درمیان یہاں مملوک حکمران ہوئے۔ مملوک پہلے غلام تھے اور مسلمان جنگجوؤں کے طور پر ان کی تربیت کی گئی تھی۔ 1517ء سے 1917ء تک یہ سلطنت عثمانیہ کے اقتدار میں رہا۔ ان کے دور میں بہت خوش حالی ہوئی خاص طور پر سلطان سلیمان کے دور میں اور پرانے شہر کے گرد دیواریں بھی اسی دور میں تعمیر کی گئی تھیں۔

یروشلم میں برطانوی دخل اندازی 1917ء سے 1948ء کے درمیان میں رہی۔ سول جنگ کے بعد شہر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ مشرقی حصہ جس میں پرانا شہر شامل تھا اردن کے پاس آ گیا، جبکہ مغربی حصہ اسرائیل کے تسلط میں چلا گیا۔ '1967' کی چھ روز کی لڑائی کے بعد پورا یروشلم اسرائیل کے قبضے میں چلا گیا۔ وہ مسجد اقصیٰ کی حاکمیت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اس کی نگرانی اسلامی وقف ٹرسٹ کے پاس ہے۔ تاہم اسرائیل کی فورسز کو پہرہ دینے اور تلاشی لینے کی اجازت ہے۔

بیت المقدس مسلمان کس راستہ سے جائیں

المقدس شہر جو بیت المقدس کے نام سے معروف ہے، بے شمار تقدسی خصوصیات کا حامل ہے جن

سے احادیث نبویہ ﷺ بھری ہوئی ہیں۔ مکہ میں وفات کے بارے میں جو فضائل و درجات احادیث میں بیان کیے گئے، وہی بیت المقدس میں وفات کے بارے میں بھی بعنوانات مختلفہ وارد ہوئے ہیں۔ بعض روایات میں فرمایا گیا ہے، کہ اس ایلیاء کے شہر بیت المقدس کی خصوصیت ہے کہ بحیثیت مجموعی اس کے باشندے بہ نسبت دیگر مقامات کے، دینی فتنہ اور لامذہبیت سے زیادہ محفوظ رہیں گے۔ گویا کلیتاً دہریت و الحاد کا وہاں دور دورہ نہ ہونے پائے گا جو اس کے مقدس ہونے کا واضح نشان ہے، اور اس کے باشندوں کے دلوں میں دینی حرارت اور ملی غیرت ہمیشہ مشتعل رہے گی، جو کہ بلاشبہ اس مقدس شہر کی برکات میں سے ایک اہم برکت ہے، بالآخر قرآن مجید نے اسے ارض مقدسہ کہہ کر اس کی تقدیس کو قطعی بنا دیا ہے جس سے اس کی ممتاز فضیلت سے انکار کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ اس شہر قدس شریف کی تقدیس خود اپنی نہیں ہے، بلکہ اس نقطہ فیض کے تابع ہے اور وہ نقطہ فیض مسجد اقصیٰ ہے۔

غور کیا جائے تو شرعی نقطہ نظر سے مسجد اقصیٰ کی تقدیسی خصوصیات بھی تقریباً وہی ہیں جو مسجد حرام کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً کعبہ کی طرح اقصیٰ بھی وضع خداوندی ہے وضع انسانی نہیں ہے، پھر ان دونوں وضعوں میں زمانہ کا بھی زیادہ فصل نہیں صرف چالیس سال کا فرق ہے۔ دنیا کی مجموعی عمر کے لحاظ سے یہ فصل کسی شمار میں نہیں آتا پھر اقصیٰ کا زمینی محل وقوع بھی مسجد حرام سے دور یا کسی لمبے فاصلے کا محتاج نہیں صرف نو سو میل کا فاصلہ ہے، اس لئے دونوں مقدس مقامات فیض زماناً و مکاناً ایک دوسرے سے بالکل متصل بلکہ باہم ملحق ہیں۔ اس کائنات میں یہی دو سجدہ گاہیں اولین وضع خداوندی ثابت ہوتی ہیں، جو ان کے تقدس کی کھلی نشانی ہے۔ اس کے ساتھ ان دونوں مقامات میں قبلہ ہونے کی شان بھی مشترک ہے، ابتدائے اسلام میں مسجد اقصیٰ، اسلام کا قبلہ صلوٰۃ بھی رہ چکی ہے جیسا کہ آیت تھویل قبلہ سے ظاہر ہے، اور اب تک یہود کا بھی یہی قبلہ ہے لیکن وہ مسجد اقصیٰ کے اطراف میں موجود دیوار گریہ پر کھڑے عبادت میں مصروف نظر آتے ہیں انہیں مسلمانوں کی طرف سے اندر داخلے کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔

بعض قارئین راقم کے اس سفر مقدس کے دوران بار بار دریافت کرتے رہے ہیں کہ ہم بھی اس

مقدس قافلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں، اس کا طریقہ کار کیا ہے۔ اس سلسلے میں بڑے ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے یہ مقدس خطہ اور سرزمین انبیاء کئی سالوں سے مسلمانوں کے لئے سوہان روح بنا ہوا ہے۔ اور اس کا سبب سارے عالم کے مسلمانوں خصوصاً سربراہان مملکت کی غفلت اور بے توجہی ہے، جنہوں نے اپنی ہی نالائقی کی وجہ سے عالم اسلام کو اس کی سعادت سے محروم کر دیا ہے۔ اتنا سب کچھ ہو جانے کے باوجود قبلہ اول اپنی اذان، نماز، رمضان، عیدین کے اجتماعات سے اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ پیش کر رہا ہے۔ اب رہا کہ مسلمانان عالم کو زیارت القدس کا کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ مغربی ممالک، ویسٹ یورپ، امریکہ، ایسٹ میں موجود برما، انڈیا سمیت دنیا کے تمام غیر مسلم ممالک میں رہائش پذیر مسلمان اور کئی ایک مسلم ممالک ترکی، ملائیشیا، قطر، و دیگر بڑی ہی آسانی کے ساتھ اس ملک کی شہریت رکھنے پر وہاں کا سفر کر سکتے ہیں، ان کے لئے راقم کا مشورہ ہے کہ اچھے قافلے کا انتخاب کریں تاکہ یہ سفر مقدس زیادہ سے زیادہ معلوماتی، عبادت سے بھرپور اور آسان ہو سکے لیکن بعض قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے پاکستان کے مسلمان اب تک قبلہ اول کی زیارت نہیں کر سکتے، چونکہ پاسپورٹ میں واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ حامل ہذا کا اسرائیل میں داخلہ ممنوع ہے، اور قبلہ اول کی طرف پہنچنے کے لئے ایک راستہ اسرائیلی ایئرپورٹ تل ابیب ہے۔

### سفر مقدس میں کیا دیکھا

ہماری اگلی منزل قائد سفر مفتی عبدالوہاب صاحب کے ہمراہ اہل یہود کی دیوار گریہ تھی۔ مسلمان اس دیوار کو دیوار براق کہتے ہیں، چونکہ حضور ﷺ اسی راستے سے شب معراج کیلئے تشریف لائے تھے۔ اہل یہود کی روایات کے مطابق دیوار گریہ حضرت داؤد علیہ السلام کی تعمیر کردہ ہے، اور اسی پرانی بنیادوں پر قائم ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے دور میں موجود تھی، یہ دیوار دنیا کے قدیم ترین شہر یروشلم القدس میں واقع ہے ان کے مطابق یہ دیوار ہیکل سلیمانی کا تباہ شدہ بچ جانے والا حصہ ہے، دو ہزار سال قبل بھی اس دیوار گریہ

کے سامنے روتے اور گڑ گڑایا کرتے تھے، اور آج تک یہ ریت جاری ہے یہود کے عقیدے کے مطابق ان پر فرض ہے کہ اپنے گناہوں کی معافی مانگیں، اور جب تک یہ اپنا قبلہ آزاد نہیں کرا لیتے اس وقت تک معافی مانگنے کا حکم ہے۔ اس دیوار کے قریب آنے سے قبل صرف ہاتھ دھونا ضروری ہوتا ہے اس دیوار کی طرف جانے کے لئے وسیم حارۃ النصارى کی پر پیچ گلیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ دیوارِ گریہ کے باہر سیکورٹی کے انتظامات بہت سخت ہوتے ہیں اور اس دیوارِ گریہ پر ہر کسی کو اجازت نہیں ملتی سوائے یہود کے، مگر چونکہ ہمارے ساتھ ایک اسرائیلی مسلمان رہبر موجود تھا ہمیں 30 منٹ انتظار اور سیکورٹی کلیئرس کے بعد داخلے کی اجازت دے دی گئی، جو حضرات سیکورٹی انتظامات سے گزرنے میں تکلیف محسوس کریں ان کے لئے دیوارِ گریہ کے پاس ایک اونچا مقام ہے جہاں سے دیوارِ گریہ کا نظارہ با آسانی کیا جاسکتا ہے۔

دیوارِ گریہ میں داخل ہوتے وقت سیدھے ہاتھ پر مسجد اقصیٰ کا ٹیلا گنبد دکھائی دیتا ہے۔ یہاں مردوں اور خواتین کے داخلے کے لئے الگ الگ راستے اور مقامات ہیں۔ دیوارِ گریہ میں داخلے سے قبل سامان سکینرز سے گزارا جاتا ہے اور سامان کی تلاشی بھی لی جاتی ہے۔ تلاشی کے مرحلے سے فارغ ہو کر ہم اندر داخل ہوئے کچھ قدموں کے بعد سیدھے ہاتھ پر یہودیوں کی مشہور دیوارِ گریہ موجود تھی۔ ہم سیدھے چلتے رہے اور وہاں پہنچ کر کچھ دور رک گئے جہاں لوگ عبادت میں مشغول تھے۔ یہودی اس دیوار کو 'کوتل' یا مغربی دیوار کہتے ہیں۔ دیوارِ گریہ میں خواتین اور مرد حضرات کی عبادت کے لئے الگ حصے مختص کئے گئے ہیں۔ سیدھے ہاتھ پر خواتین جبکہ بائیں ہاتھ پر یہودی مرد حضرات عبادت کرتے ہیں۔ بیچ کا حصہ رکاوٹ لگا کر بند کیا گیا ہے۔

دیوارِ گریہ دراصل یہودیوں کے لئے Temple Mount کی نسبت سے محترم ہے اور ہیکل سلیمانی کی بچی ہوئی نشانی ہے۔ ہیکل سلیمانی کی تعمیر حضرت داؤد علیہ السلام کے دور میں شروع ہوئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں ختم ہوئی۔ اسی نسبت سے اسے ہیکل سلیمانی کہا گیا۔ تاریخی روایات کے مطابق روم اور یہودیوں کی پہلی بڑی جنگ میں یروشلم پر قبضے کے دوران بڑے پیمانے پر تباہی کے باوجود یہ دیوار تباہی سے بچ گئی تھی۔

## دیوار گریہ کی تاریخ کیا ہے؟

اس کی تاریخ سے پہلے کچھ باتیں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہودی ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں یعنی وہ ایک اللہ کو مانتے ہیں اور توحید کے قائل ہیں ان کے ہاں اللہ کا نام لینے کی اجازت نہیں ہے جیسے ہمارے قرآن میں اللہ کا ذکر ہے ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا نام لیتے ہیں مگر انہیں جب اللہ کا نام لینا ہوتا ہے تو وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا نام اپنی زبانوں سے نہیں ادا کرتے اور لکھنا ہوتا ہے تو وہ اس کا صرف پہلا اور آخری حرف لکھتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر مانتے ہیں اور حضرت محمد ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر ہیں حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودی تھے مگر ان کے بارے میں یہودیوں کو یقین ہے کہ انہوں نے توہین کی ہے وہ گستاخ ہیں اور ان کو قتل کرنا چاہیے تھا تو جو temple Mount ہے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں سب سے پہلے تعمیر ہوا تھا دو دفعہ اس کو مسمار کیا گیا تاہی کے بعد اس temple میں سے کیا بچا؟

اس میں سے یہ جو دیوار نظر آرہی ہے اس کے نیچے کا جو حصہ ہے وہ تقریباً تین نیچے کی لائنیں جو نظر آرہی ہیں اس میں جو سب سے بڑے پتھر ہیں وہ اصلی temple کا حصہ ہے۔ اس کے اوپر جو متوسط درجے کے پتھر نظر آرہے ہیں وہ بنو امیہ کی حکومت میں جب اس کو مسلمانوں نے فتح کیا تھا تو عبد الملک بن مروان نے اس کو تعمیر کروایا تھا اور اس کے بعد جو سب سے اوپر والا دیوار کا حصہ ہے اس پر سب سے چھوٹے پتھر ہیں یہ وہ والا حصہ ہے جو سلطنت عثمانیہ کے دور میں تعمیر ہوا ہے۔ یہ دیوار انگلش میں wailing wall کہلاتی ہے اور اسے کوتل یا مغربی دیوار بھی کہا جاتا ہے۔ بس یہی حصہ بچا ہے اس temple کا اور وہ بھی اس میں جو اصل بڑے پتھروں کی تین لائنیں ہیں۔

اب یہودی اس temple کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح مسلمانوں کا یقین ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں جو حضور ﷺ نے

نشانیوں کا بیان فرمائی ہیں اس میں کچھ بڑی نشانیاں ہیں کچھ چھوٹی نشانیاں ہیں بڑی نشانوں میں جیسے یا جوج temple کا نکلنا ہے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے اسی طرح یہودیوں کا یقین ہے کہ جب temple دوبارہ تعمیر کریں گے تو اس کے بعد ان کے مسیح آئیں گے اس کے بعد قیامت قائم ہوگی اس وجہ سے وہ temple کو لازمی تعمیر کرنا چاہتے ہیں اب اس temple کو تعمیر کرنے میں جو سب سے بڑی رکاوٹ سب سے بڑا مسئلہ وہ یہ کہ اس temple کے پیچھے مسجد اقصیٰ ہے جب تک وہ مسجد اقصیٰ کو گرائیں گے نہیں تب تک وہ temple کو تعمیر نہیں کر سکتے اس کا گرا نا ظاہر ہے کافی گھمبیر اور حساس مسئلہ ہے، مسجد براق وہ ہے جو اس دیوار کے مشرق کی طرف ہے اور مسجد براق کے نیچے یہودی عورتوں کی عبادت گاہ ہے جس کو وہ Synagogue کہتے ہیں۔ مسلمانوں کی طرح یہودیوں کے ہاں بھی مردوں اور عورتوں کی جو عبادت گاہ ہے وہ الگ الگ ہوتی ہیں یعنی عبادت کرنے کی جو جگہ ہے جیسے مسلمانوں کے ہاں ایریا الگ الگ ہوتا ہے مسجد میں اسی طرح یہودیوں کی عورتیں اور مرد ایک جگہ عبادت نہیں کرتے یہودی دن میں تین مرتبہ نماز پڑھتے ہیں صبح کے وقت دوپہر کے وقت اور شام کے وقت، یہودی وضو بھی کرتے ہیں یہودی عورتوں کی جب شادی ہوتی ہے ان کے پاس دو آپشن ہوتے ہیں ایک یہ کہ وہ اپنے سر کے بال شیو کروالیں یعنی استرا پھر والیں یا یہ کہ اپنے بالوں کو کور کریں جیسے مسلمان عورتیں کرتی ہیں یا وگ پہنیں گی کیوں کہ ان کی بائبل میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جو ان کے بال بڑھیں گے وہ ان کے صرف شوہر دیکھ سکتے ہیں کہ بالوں کا جو بڑھنا ہے وہ شوہروں کو دیکھنے کی اجازت ہے تو اس وجہ سے نوے فیصد جو عورتیں ہیں وہ شادی کے بعد اگر آپ دیکھیں گے ان کو وہ پریفر کرتی ہیں وگ پہننا اور آپ ان کو وگ میں دیکھیں گے اور اگر وہ وگ نہیں پہنیں گی تو وہ مسلمانوں کی طرح اپنا ہیڈ کور کرتی ہیں، اسی طرح یہودی بچیاں جب بارہ سال کی ہو جاتی ہیں تو اس کے بعد وہ سکرٹ پہنتی ہیں ان کو پینٹ پہننے کی اجازت نہیں ہوتی اسی طرح بازو اور ٹانگیں ڈھانپنا بھی ان کے لیے ضروری ہوتا ہے اور وہ کسی کو نظر نہیں آنا چاہیے اور یہ چھوٹی بچیوں کے لیے بھی اسی طرح ہے اس کے علاوہ جو مرد ہیں ان کے بارے میں بائبل میں آتا ہے کہ وہ اپنے سائڈ کے بال شیو نہیں کر سکتے یعنی استرا

نہیں پھروا سکتے تو جیسے ہم مسلمانوں کے ہاں سنت ہوتی ہے حضور ﷺ کا جو بھی قول، فعل یا عمل ہے وہ سنت ہے ہمارے لیے ان کے ہاں یہ مشہور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اپنے بالوں کی جو سانڈ ہے اسکو نہیں کاٹنا اسی کی وجہ سے ہم ان کی ہیئر لکس دیکھتے ہیں۔

## فلسطین کے تاریخی شہر میں کیا دیکھا

آج بروز ہفتہ 8 جولائی 2017 رفقائے لندن اور قائد سفر القدس مفتی عبدالوہاب صاحب کے ساتھ بیت المقدس کے اس مبارک اور پہلے سفر کا تیسرا دن بھی بہت ہی مشغولیت میں گزرا۔ بھائی فضل محمود صاحب کے حکم کے مطابق 9 بجے ہولی لینڈ ہوٹل کی لابی میں ہم سب جمع ہو گئے ہمارے رہبر برادر احمد نے بس میں بیٹھتے ہی تمام زائرین کی حاضری مکمل کرنے کے بعد اعلان کیا کہ آج ہم سب سے پہلے جبل مکبر کی زیارت کے لئے جائیں گے یہ وہ مقام ہے جہاں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ بیت المقدس کی فتح یابی کے بعد گزرے تھے، اس مقام سے بیت المقدس بلکہ پورے یروشلم کا نہایت ہی خوبصورت مکمل نظارہ کیا جاسکتا ہے۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس مقام سے بیت المقدس کا دلنشین نظارہ کیا تو اسی آن تین مرتبہ اللہ اکبر کا نعرہ بلند فرمایا ہمارا قافلہ بھی اسی سنت کو پورا کرتے ہوئے آگے کوچ کر گیا، اس مقام سے نکلنے دس بج گئے۔ آج کے دن ہمارا رخ Hebron کے تاریخی شہر کی طرف تھا جسے عربی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے الخلیل، کہا جاتا ہے۔ القدس سے الخلیل کا فاصلہ تقریباً چالیس کلومیٹر کا ہے۔ راقم بچپن سے درود ابراہیمی کا ورد کرتا رہا، حرم کی طواف کے دوران مقام ابراہیمی کے گرد چکر لگاتا رہا، تصوراتی خیالات بناتا رہا کہ مقام ابراہیم یہاں ہے تو مرقد ابراہیم علیہ السلام کس مقام پر ہے۔ راقم کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے خلیل اللہ علیہ السلام کی آرام گاہ پر حاضری اور درود و سلام پیش کرنے کی سعادت نصیب فرمائیں گے۔

’الخلیل‘، غزہ کے بعد فلسطین کا دوسرا بڑا شہر ہے اور مسلمانوں کے لئے بے حد محترم بھی ہے۔ یہاں

پر حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے مراقد عالیہ ہیں۔ اسلامی عقیدے کے مطابق الخلیل کو مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور یروشلم کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے چوتھا مقدس ترین شہر مانا جاتا ہے۔

دسویں سفر کے بعد احادیث مبارکہ کی تلاش کے دوران ایک حدیث پاک مجمع الزوائد میں سامنے آئی۔ اسکی مزید تشریح و جستجو میں ابھی کام جاری ہے۔ آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ مجمع الزوائد کی جلد نمبر 2 حدیث نمبر 5849 ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَقُولُ: خَيْرُ مَا رُكِبَتْ إِلَيْهِ الرَّوَاحِلُ مَسْجِدُ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ - وَمَسْجِدِي.

رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَالطَّبْرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ، وَاسْنَادُهُ حَسَنٌ.

ترجمہ: عن جابر رضی اللہ عنہ۔ بہترین وہ مکانات جنکی طرف سواری سے جایا جاتا ہے وہ ابراہیم علیہ السلام کی مسجد اور میری مسجد ہے۔

ان شاء اللہ جلد اسکی تحقیق کر کے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔ ابراہیم علیہ السلام کی مسجد سے مسجد حرام مراد ہے۔ لیکن قرین قیاس سے مسجد خلیلی بھی ہو سکتی ہے کیونکہ اسکے بھی بہت فضائل ہیں اور جبکہ مسجد الحرام کا الگ بھی ذکر ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ اس سے مسجد خلیلی مراد ہو۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت کے بعد ہم ایک تنگ سی گلی میں موجود تھے۔ یروشلم کی اور دیگر قدیمی شہروں کی طرح الخلیل کے اندرون شہر کی گلیاں بھی تنگ تھیں۔ قائد سفر القدس کے حکم کے مطابق بس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقبرے کے قریب ہی پارک کرایا گیا اور بعد ازاں حاضری دینے چل پڑے۔ دو گلیوں بعد ایک دیوار پر گلی تنگ پر مقبرہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام لکھا نظر آیا۔ بیس تیس سیڑھیاں چڑھ کر ہم 'مسجد ابراہیمی' میں داخل ہو گئے۔ الحمد للہ کیفیت بدلی بدلی معلوم ہو رہی تھی جیسے انوارات کی بارش

ہو رہی ہو۔ اندر داخل ہوتے ہی پہلی نظر بی بی سارہ علیہا السلام کے مرقد پر پڑتی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ یہاں سے نکل کر مسجد میں داخل ہوں تو حضرت اسحق علیہ السلام اور ان کی اہلیہ محترمہ کی قبور مبارکہ دکھائی دیتی ہیں۔ یہاں سے دائیں ہاتھ پر اندر کی جانب ایک کمرے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مرقد عالیہ موجود ہے۔

### حضرت ابراہیم علیہ السلام کی علامتی قبر

مسجد میں اوپر کی سطح پر نظر آنے والی تمام قبریں اصلی نہیں بلکہ علامتی ہیں، اور یہاں مدفون انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی ازواج کی اصل قبور ایک غار میں تقریباً 40 فٹ کی گہرائی میں ہیں جہاں کسی کی رسائی نہیں اور مقامی اسلامی 'وقف' کی جانب سے غار میں موجود ان قبور کو ان معزز ترین ہستیوں کے احترام کی وجہ سے مکمل طور پر بند کر دیا گیا ہے۔ البتہ ایک چھوٹی سی جالی کے ذریعے نیچے غار کو دیکھا جاسکتا ہے۔ یہود کے عقیدے میں اس مقام کو Cave of Patriarchs کہا جاتا ہے۔ یہودیت میں یروشلم کے بعد اس مقام کو مقدس ترین مانا جاتا ہے۔ تاریخی حوالوں کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی میں ہی یہ قطعہ اراضی اپنے مدفون ہونے کے لیے حاصل کر لی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقبرہ یا مسجد ابراہیمی دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ مسجد جبکہ دوسرا حصہ سینا گگ یا یہودیوں کی عبادت گاہ ہے جہاں پر صرف یہودیوں کو داخلے کی اجازت ہے۔ بہت کوشش کے باوجود ہمیں سینا گگ میں جانے کی اجازت نہیں ملی۔ یہودیوں کا کہنا یہ ہے کہ مسلمان اپنی مسجد میں یہودیوں کو نہیں آنے دیتے اسی لیے ہمارے سینا گگ میں مسلمانوں کا داخلہ منع ہے۔ یہ بہت بڑی تفریق ہے دیکھے بغیر آدمی یقین نہیں کر سکتا۔

25 فروری 1994ء کو ایک امریکی اسرائیلی آباد کار بارونج گولڈسٹین نے رمضان کے مہینے میں جمعے کے روز نماز فجر کے وقت مسجد میں گھس کر مسلمانوں پر گولیاں برسانا شروع کر دی تھیں، جس کے نتیجے

میں 29 فلسطینی مسلمان شہید اور ایک سو سے زائد زخمی ہو گئے تھے۔

اس واقعے کے بعد سے تفریق کا آغاز ہو گیا تھا۔ الٹا چور کو تو الٹے کو ڈانٹنے کا محاورہ اس واقعے پر صادق آتا ہے۔ ہونا کیا تھا آخر کار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مرقد کو مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان مسجد اور سینا گگ میں بلٹ پروف شیشے کی دیواروں کے ذریعے تقسیم کر دیا گیا۔ سال میں دس دن ایسے ہیں جب یہودی مسلمانوں کے حصے میں اور مسلمان سینا گگ میں داخل ہو سکتے ہیں۔

ہمارے پاس وقت کی کمی تھی، ورنہ جی چاہتا تھا کہ الخلیل کے اس تاریخی شہر کو اور بھی دیکھیں۔ الخلیل شہر کو 1994ء میں 'اوسلو معاہدے' کے بعد دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ H1 جو کہ فلسطین جبکہ H2 اسرائیلی حکام کے زیر انتظام ہے اور تقریباً شہر کا 20 فیصد علاقہ H2 کا حصہ ہے۔ یہ بھی سارا ایک ڈرامہ ہی لگتا ہے۔ پورے ملک میں ان کا ہی کنٹرول ہے۔ اس شہر کی ہوا میں ایک بو جھل پن نمایاں محسوس ہوا اور مقامی چہروں پر خوف و اداسی واضح دکھائی دے رہی تھی۔ یہودی آباد کاری اور بے تحاشا سیکورٹی کے باعث مسلمانوں کیلئے یہاں پر کاروباری مواقع نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جبکہ ہر تھوڑے عرصے کے بعد یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان جھڑپوں کے واقعات یہاں پر آج بھی معمول کی بات ہیں۔

دیوار کے اس پار کیا دیکھا

مقام خلیلی اور حرم خلیلی سے پونے گھنٹے کی مسافت پر واقع مقام یونس علیہ السلام ہے اس کے لئے ہم رفقائے لندن کے ساتھ بڑے جوش و جذبے کے ساتھ روانہ ہوئے، اور یہ حصہ بھی دیوار کے اُس پار یعنی جسے فلسطین کہا جاتا ہے حلحول کے علاقے میں واقع ہے۔ یہاں عین ظہر کی اذان کے وقت پہنچے، اس مقام پر بھی صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد تعمیر کر کے مقام یونس علیہ السلام کو زائرین کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔ جیسے ہی ایک ساتھ اتنی کثیر تعداد میں رفقائے سفر مسجد میں داخل ہوئے، تو مسجد میں موجود تمام فلسطینی نمازی بھائیوں کی توجہ کا مرکز بنے۔ قائد سفر مفتی صاحب کا مقامی امام صاحب نے والہانہ استقبال کرتے ہوئے

پوچھا، کہ آپ مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے ہیں کہ نہیں؟ قائد سفر نے فرمایا کہ ہمارا قیام مسجد اقصیٰ کے قریب ہی ہے۔ امام صاحب نے قائد سفر اور راقم سے نہایت محبت اور نرم آلود آنکھوں کے ساتھ معانقہ کرتے ہوئے کہا، کہ ہر آن آنسوؤں سے تریہ آنکھیں مسجد اقصیٰ کی راہ تکتی رہتی ہیں۔ راقم نے رفقائے لندن کے ساتھ امام صاحب کی اقتدا میں نماز ظہر ادا کی نماز ختم ہوتے ہی امام صاحب نے راقم کو تلاوت قرآن کریم کا حکم فرمایا مقام یونس علیہ السلام کی زیارت کے بعد امام صاحب سے اگلی منزل کے لئے اجازت طلب کی، مقامی فلسطینی مسلمانوں کا کہنا تھا کہ جب حضرت یونس علیہ السلام اس مچھلی کے پیٹ سے باہر تشریف لائے تھے، تو اس حلقول کے علاقے اور اسی جگہ پر یونس علیہ السلام نے ایک سال کے لئے قیام فرمایا تھا، اور اسی مسجد کے ایک حصے میں علامتی مقبرہ بھی بنایا گیا ہے یا فلسطین کا ایک ساحلی شہر ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے حضرت یونس ال تیش (تیونس) جانے کے لیے کشتی میں سوار ہوئے بعد ازاں سمندر میں ڈالے جانے کا واقعہ پیش آیا۔ اس ساحل سمندر پر بھی ہماری حاضری ہوئی۔ نیچے ایک مسجد بھی ہے، کہتے ہیں کہ یہاں سے حضرت یونس علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تھے۔

انبیاء علیہم السلام میں سے سوائے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے کسی نبی کی ساری امت نے انہیں نبی نہیں مانا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم اہل نینوی کو ایمان اور عمل صالح کی ہدایت کی لیکن وہ تمرد و سرکشی پر اڑے رہے، تو حضرت یونس علیہ السلام ان سے خفا ہو کر اللہ کے حکم کا انتظار کئے بغیر تشریف لے گئے اور اپنے اجتہاد سے اسے جائز سمجھا۔ اہل نینوی عذاب کے آثار دیکھ کر پشیمان ہوئے اور سارے کے سارے اللہ کے سامنے جھک کر عاجزی و گریہ و زاری کرنے لگے، اور اپنی مسکینی ظاہر کر کے دامن رحمت سے لپٹ گئے۔ میدان میں بیوی بچوں اور مویشیوں کو لے کر کھڑے ہو گئے اور عذاب ہٹانے کی فریاد کرنے لگے، چنانچہ اللہ کی رحمت جوش میں آئی، عذاب اور دنیا کی رسوائی سے بچا لیا اور ان کو ان کی عمر تک کے لئے مہلت دے دی گئی۔ (ابن کثیر، سورہ یونس: 98)

جب حضرت یونس علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ عذاب نہیں آیا اور قوم صحیح سالم ہے تو انہوں نے ہجرت

کے قصد سے سفر کرنا شروع کر دیا اور کشتی میں سوار ہوئے، کشتی گرداب میں پھنسی اور غرق ہونے کا خطرہ لاحق ہو گیا تو ملاحوں نے طے کیا کہ سواروں میں سے ایک کو سمندر میں ڈال دیا جائے تو باقی لوگ غرقابی سے محفوظ رہ سکتے ہیں، اس کے لیے قرعہ اندازی کی گئی جس میں حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا اور بعد ازاں ان کو سمندر میں ڈال دیا گیا اور خدا کے حکم سے ان کو مچھلی نے نگل لیا، روایات کے مطابق اس مچھلی کا نام نجم ہے اور یہ مچھلی تفسیر ابن کثیر کے مطابق بحرِ اخضر کی تھی جس کو حکم ہوا تھا، کہ پانی چیرتی پھاڑتی جائے اور انہیں ایسے نکلے کہ نہ ان کی ہڈی ٹوٹے اور نہ زخمی ہوں۔ یہ مچھلی ان کو لے کر مختلف سمندروں میں گھومی۔ حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ، گہرے پانی اور رات کے اندھیروں میں رب کو پکارا۔ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین یہ کلمہ سیدھا عرش پر پہنچا اور اللہ نے دعا قبول کی اور ان کو نجات دی۔ (معارف القرآن، سورۃ الانبیاء 87)

تین، سات یا چالیس دن یا ایک روایت کے مطابق ایک دن رات سے بھی کم مچھلی کے پیٹ میں رہے اور استغفار کرتے رہے، جس کی برکت سے ان کو نجات ملی۔ چنانچہ مچھلی کو حکم ہوا کہ دریا کے کنارے میدان میں حضرت یونس علیہ السلام کو اُگل دے۔

اب سوال یہ ہے کہ مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو کون سے دریا کے کنارے پر اُگلا؟

اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں:

1. دجلہ کے کنارے
2. دریائے یافا کے کنارے طارگوا میں اور بعض جگہ
3. یمن کی سرزمین بھی بتائی جاتی ہے۔

اللہ نے ان پر ان کی نحیفی اور بیماری کی وجہ سے چھاؤں کے لئے کدو کی بیل اگادی اور ایک جنگلی بکری کو مقرر کر دیا جو آ کر صبح شام ان کو دودھ پلا جاتی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

ہم نے ان کو ایسی زمین میں ڈال دیا جہاں کچھ گھاس سبزہ نہ تھا اور وہ ایک نومولود بچے

کی طرح کمزور ہو گئے تھے، صرف سانس چل رہی تھی، ہلنے جلنے کی طاقت نہ تھی۔  
(ابن کثیر، سورۃ الصافات: 139)

نجات کے بعد وہ دوسری قوم کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اور اللہ نے پھر انہیں برگزیدہ بنا لیا۔ (ابن کثیر، سورۃ القلم: 48)

حضرت یونس علیہ السلام کی قبر کے بارے میں بھی مختلف روایات ہیں:

1. فلسطین کے شہر الخلیل سے چار میل کے فاصلے پر قریہ حلحول میں۔

2. عراق میں موصل ثابت نبوی کے مقام پر دریائے دجلہ کے کنارے۔

ان دونوں میں سے حضرت یونس علیہ السلام کہاں مدفون ہیں، اس کی حقیقت کا علم اللہ ہی کو ہے۔

اب راقم مع قافلہ حلحول فلسطینی شہر سے ہوتے ہوئے مزید ایک گھنٹے کی مسافت پر واقع اہل صلیب کے مقدس ترین شہر بیت اللحم کے لئے روانہ ہو گیا، اس شہر میں پہلی بار سر بازار دو فلسطینی فوجیوں کو دیکھا جو ہماری بس کی طرف دیکھ کر اپنے ہاتھ بلند کرتے ہوئے خدا حافظ کر رہے تھے۔ احباب کافی تھکن اور بھوک کا تقاضا پیش کر رہے تھے۔ ہمارے ٹور گائیڈ برادر احمد نے بس میں اعلان فرمادیا تھا کہ ہم پہلے بیت اللحم چلتے ہیں امید ہے کہ ہمیں عصر کی نماز وہاں مل جائے گی، ان شاء اللہ۔ چنانچہ برادر احمد کی مکمل رہنمائی میں ایک گھنٹے کا معلوماتی سفر جاری رکھا۔

بیت اللحم، یروشلم کے جنوب اور دریائے اردن کے مغربی کنارے پر واقع شہر ہے جس کی آبادی تقریباً 25 ہزار لوگوں پر مشتمل ہے، اور یہاں کی معیشت کا انحصار سیاحت پر ہے۔ ایک بات پر راقم نے خاصی توجہ دی کہ جب بھی اسرائیلی حدود سے نکلتے اور فلسطینی علاقے میں داخل ہوتے جگہ جگہ سرخ رنگ کے بورڈ آویزاں کئے گئے تھے، جن پر تنبیہ درج ہے کہ آپ اسرائیلی علاقہ چھوڑ کر فلسطینی علاقے میں داخل ہو رہے ہیں، یہودیوں کو قانوناً فلسطینی شہروں اور علاقوں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح

فلسطینی مسلمان اسرائیل کے زیر انتظام علاقوں اور شہروں میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اب ہم بیت اللحم پہنچ چکے تھے۔ یہاں پہنچ کر قائد سفر نے تازہ گاجر اور انار کا رس پیش کیا۔ دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا کراچی کے کسی صدر بازار میں بیٹھے جوس پی رہے ہیں، یہ جوس جو یہاں کسی نہ کسی ٹھیلے پر آ پکود کھائی دیتا ہے تازہ دم رکھنے کیلئے کافی ہوتا ہے، اور قائد سفر فلسطین اور اسرائیل کے پورے سفر کے دوران یہ رس پیش کرتے رہے۔

بتایا یہ جاتا ہے کہ بیت اللحم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے اور عیسائیوں کے مطابق یہاں موجود ایک مشہور چرچ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی لیکن راقم نے بیت اللحم آتے ہی ایک جوس کی دوکان پر بیٹھے فلسطینی باشرع نوجوانوں سے اس بابت تحقیق کی تو انہوں نے فرمایا کہ نہیں جہاں تک ہمیں معلوم ہے وہ یہ مقام نہیں، بلکہ یہاں سے نخلہ کا جو مقام ہے وہ ایک گھنٹے کی مسافت پر ہے، ان نوجوانوں نے نام بھی بتایا تھا لیکن راقم نوٹ نہیں کر سکا۔

اس چرچ میں ہزاروں کی تعداد میں عیسائی زائرین وزٹ پر آئے ہوئے تھے۔ ادھر بھی چرچ کے بالکل سامنے ہی ایک مسجد، مسجد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نام سے بنی ہوئی ہے، جسے صلاح الدین ایوبی رضی اللہ عنہ نے تعمیر کرایا تھا، یہاں ہم نے عصر کی نماز ادا کی۔ ہم چرچ کا زیادہ وزٹ نہ کر سکے، تھوڑی ہی دیر میں نکل آئے۔

بیت اللحم بھی فلسطینی اتھارٹی کے ماتحت ہے، لیکن جس طرح کی اداسی والی زندگی وہ گزار رہے ہیں، اس کا احساس حقیقت میں تو ان کو ہی ہوگا لیکن ایسا لگتا ہے جیسے کسی پرندے کو پنجرے میں بند کر دیا جائے، اور اس کو فضاؤں کی آزادانہ زندگی سے محروم کر دیا جائے۔ اب ہمیں بیت اللحم سے یروشلم کی طرف نکلنا تھا چونکہ ہم نے بیت المقدس میں نماز مغرب و عشاء ادا کرنی تھی جیسے ہی بیت اللحم کے شہر سے نکلے، اس دیوار کی جانب چل پڑے جو اسرائیل اور فلسطین کو تقسیم کرتی ہے، جسے Israeli West Bank Barrier یا مغربی کنارے کو تقسیم کرنے والی دیوار کہا جاتا ہے۔ 850 میل طول پر محیط اس دیوار کو اسرائیل سیکورٹی بیرئیر جبکہ فلسطینی اسے نسلی تعصب پر مبنی رکاوٹ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں ایک ہی

ملک میں رہنے کے باوجود اپنے عزیز واقارب سے نہیں مل سکتے جیسے ہی ہماری بس فلسطین سے نکلی اور فلسطینی انتہائی بارڈر اور اسرائیلی چیک پوسٹ پر پہنچی تو دیکھا کاروں کی لمبی قطاریں لگی ہوئی ہیں، اور کئی بچے اور فلسطینی بزرگ معاشی بدحالی کا شکار اور ادھورگی کا غم لئے ہوئے اپنے ہاتھوں میں کچھ سامان اٹھائے کاروں میں موجود مسافروں سے خریدنے کا پرزور مطالبہ کر رہے ہیں، کہ کوئی تو ہماری تھوڑی پیاس بجھا جائے۔ مغرب سے قبل ہمارا قافلہ یروشلم القدس پہنچ چکا تھا۔

### مقام اریحا میں موسیٰ علیہ السلام کی قبر اطہر

آج کے پروگرام کی ترتیب میں فلسطین کے شہر جریکو (اریحا)، مقام نبی موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بعد بحر مردار (Dead sea) شامل تھا، عین صبح دس بجے یروشلم سے پچاس کلومیٹر دور قاندسفر کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ جب ہم تھوڑا سفر طے کر چکے تو بس روڈ کی گہرائی کی طرف جانی شروع ہو گئی۔ برادر احمد نے بتایا کہ بس دُنیا کے سب سے گہرائی والے علاقہ کی طرف جا رہی ہے، جو سطح سمندر سے تقریباً ساڑھے چار سو میٹر گہرائی پر واقع ہے، سائنسدانوں کے مطابق ہزاروں سال پہلے اس علاقے میں زلزلہ آیا تھا جس کی وجہ سے ادھر کی زمین دھنس گئی تھی، جیریکو شہر اسرائیل کی ہی حدود میں واقع ہے لیکن اُس کا مکمل کنٹرول فلسطینی سرکار کے پاس ہے، بتایا جاتا ہے کہ یہ شہر تقریباً دس ہزار سال قبل مسیح سے آباد ہے، یعنی اب اس شہر کی عمر 12000 سال کے لگ بھگ ہو چکی ہے۔ تقریباً ۳۰۰ سال قبل از مسیح بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلے اور شام کے راستے سے ہوتے ہوئے سرزمین قدس کی جانب چل پڑے۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اصرار کیا کہ بیت المقدس میں داخل ہو جائیں۔

يَقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا

عَلَى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خٰسِرِيْنَ ۝

ترجمہ: ”اے میری قوم! اس ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ جسے اللہ نے تمہارے

لیے لکھ دیا ہے اور میدان سے اُلٹے پاؤں نہ پلٹ جاؤ کہ خسارہ والوں میں سے ہو  
جاؤ گے۔ (المائدہ: ۲۱)

لیکن بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی کیونکہ وہ لوگ ”عمالقہ“ سے الجھنا اور جنگ کرنا  
نہیں چاہتے تھے جو کہ اس سرزمین پر رہتے تھے۔ لہذا انہوں نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے کہا:

قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَنَدْخُلُهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَادْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ  
فَقَاتِلَا إِنَّا هُنَا قَاعِدُونَ ۝

ترجمہ: ”ان لوگوں نے کہا کہ موسیٰ ہم ہرگز وہاں داخل نہ ہوں گے جب تک وہ لوگ  
وہاں ہیں۔ آپ اپنے پروردگار کے ساتھ جا کر جنگ کیجیے ہم یہاں بیٹھے ہوئے  
ہیں۔“ (المائدہ: ۲۴)

اس نافرمانی کی وجہ سے چالیس سال تک ان لوگوں پر اس شہر میں داخلہ حرام کر دیا گیا۔ ارشاد ہوتا  
ہے:

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ  
عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۝

ترجمہ: ”ارشاد ہوا کہ اب ان پر چالیس سال حرام کر دیئے گئے کہ یہ زمین میں چکر  
لگاتے رہیں گے لہذا تم اس قوم پر افسوس نہ کرو۔“ (المائدہ: ۲۶)

اب وقت اجل آچکا تھا، یکے بعد دیگرے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام اس دنیائے  
فانی سے کوچ کر گئے۔ اسی دوران پرانی نسل کا خاتمہ ہو گیا اور نئی نسل وجود میں آگئی جس کی سربراہی یوشع  
بن نون علیہ السلام کے ہاتھ میں آگئی۔ انہوں نے نئی نسل کو بیت المقدس میں داخل ہونے کو کہا۔ مقدس سرزمین  
میں داخل ہوتے وقت ”اریحا“ کے مقام پر ”عمالقہ“ کے ساتھ ان کی جھڑپ ہوئی اور ان کو شکست دینے  
کے بعد وہ لوگ ”قدس“ میں داخل ہو گئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جب) حضرت موسیٰ علیہ السلام (کی موت کا وقت قریب آیا ان) کے پاس موت کا فرشتہ عزرائیل علیہ السلام آیا اور کہا کہ اپنے پروردگار کی طرف سے پیغام اجل قبول فرمائیے یعنی آپ کی روح قبض ہونے کا وقت آپہنچا ہے وصل الی اللہ ہونے کیلئے تیار ہو جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سن کر فرشتہ موت کے منہ پر طمانچہ رسید کر دیا جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت کا فرشتہ دربار الہی میں واپس گیا اور عرض کیا کہ پروردگار تو نے مجھے روح قبض کرنے کیلئے اپنے ایک ایسے بندے کے پاس بھیجا جو موت نہیں چاہتا، اور یہ کہ اس نے میری آنکھ بھی پھوڑ دی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ موت کی یہ شکایت سن کر اس کی آنکھ درست کر دی اور یہ حکم دیا کہ میرے بندے موسیٰ علیہ السلام کے پاس دوبارہ جاؤ اور ان کو میرا یہ پیغام پہنچاؤ کہ کیا تم طویل زندگی چاہتے ہو؟ اگر تم طویل زندگی چاہتے ہو تو کسی نیل کی کمر پر اپنا ہاتھ یا دونوں ہاتھ رکھ دو تمہارے اس ہاتھ یا دونوں ہاتھوں کے نیچے جتنے بال آجائیں گے ان میں سے ہر ایک بال کے عوض تمہاری زندگی میں ایک سال کا اضافہ ہو جائے گا، فرشتہ نے دوبارہ حاضر ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا تو انہوں نے کہا کہ اس طویل زندگی کا بھی آخری نتیجہ موت ہی ہے تو پھر وہ آج ہی کیوں نہ آجائے، میں اسی وقت موت کی آغوش میں جانے کیلئے تیار ہوں لیکن میری یہ دعا ضرور ہے کہ رب کریم تدفین کیلئے مجھے ارض مقدس (یعنی بیت المقدس) سے قریب کر دے اگرچہ ایک پھینکے ہوئے پتھر کے بقدر ہو، اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر میں بیت المقدس کے قریب ہوتا تو تمہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا نشان دکھا دیتا جو ایک راستے کے کنارے پر سرخ ٹیلے کے قریب ہے۔ (بخاری و مسلم)

یہ مقام اریحا کا شہر دنیا کا سب سے قدیم شہر شمار ہوتا ہے، بیشتر انبیاء علیہم السلام یہاں سے گزرے اور قیام بھی فرمایا۔ چاروں طرف خشک پہاڑ اور ریگستان ہے لیکن شہر انتہائی سرسبز و شاداب ہے اور کئی قسم کے پھل اور اناج پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں کے تربوز کھجور اور انگور بہت مشہور ہیں۔ ایک اور بات

بھی جو مشاہدہ میں آئی وہ یہ کہ اس شہر کے مختلف مقامات پر یہود کے مشہور درخت غرقہ کو بھی اگایا اور لگایا گیا ہے۔

مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انہیں بیت المقدس کے قریب سے قریب تر مقام پر وفات دی، اور اسی مقام پر ان کی تدفین کی گئی۔ لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ جب صلاح الدین ایوبی رضی اللہ عنہ اس مقام پر تشریف لائے، تو بارگاہ الہی میں نہایت تضرع و عاجزی کرتے ہوئے بہت دعائیں مانگیں اور واپس جاتے ہوئے اس مقام پر مسجد بھی تعمیر کرائی۔ راقم نے مع قافلہ صبح دس بجے اسی مقام پر پہنچ کر موسیٰ علیہ السلام کی مرقد پر حاضری دی، اور مسجد میں دو گانہ نفل بھی ادا کئے۔ مسجد کے تینوں اطراف میں اس صحرا کی پہاڑیوں کے ٹیلوں پر عرب بدوؤں کی قبروں کو بھی دیکھا، اور مسجد کی تعمیر و توسیع کا کام بھی بڑی تیزی کے ساتھ جاری دیکھا۔

### بحر مردار

راقم کی آج کی اگلی منزل بحر مردار (Dead sea) تھی بحر مردار دُنیا کا سب سے گہرائی والا زمین کا حصہ ہے، جو کہ سطح سمندر سے 450 میٹر گہرائی میں ہے اور یہ سمندر اکیلا ہے، اتنی گہرائی میں ہونے کی وجہ سے انٹرنیشنل سمندر کیساتھ نہیں ملتا۔ اس کا پانی عام سمندر سے دس گنا کھارا ہے اور اگر بندہ پانی کے اوپر لیٹ جائے تو ڈوبتا نہیں۔ ہر سال لاکھوں سیاح ادھر نہانے کے لیے آتے ہیں۔ بحر مردار کا علاقہ 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل نے اردن سے چھینا تھا۔ پانی کے بالکل دوسری طرف اگر دیکھا جائے تو اردن کی پہاڑیاں صاف نظر آسکتی ہیں۔

فلسطین کا رقبہ 27,024 مربع کلومیٹر ہے۔ یہ سرزمین دنیا کے شمالی حصہ میں جنوب مغربی ایشیا میں واقع ہے۔ اس کے مشرق میں بحر روم اور اردن، شمال میں لبنان، شمال مشرق میں شام اور جنوب میں مصر واقع ہے۔ اس کا شمار مشرق وسطیٰ کے ممالک میں ہوتا ہے۔

فلسطین جنوب کی جانب سے بحیرہ احمر اور مصر کے صحرائے سینا کی حدود میں واقع ہے۔ فلسطین کے شمالی علاقے لبنان اور شام کی سرحدوں سے ملتے ہیں، اور جس قدر شمال سے جنوب کی طرف جائیں تو پہاڑی سلسلے کا خاتمہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ فلسطین کے جنوب میں نقب نامی وسیع صحرا موجود ہے جو کہ صحرائے سینا سے متصل ہے۔ فلسطین کے مشہور پہاڑ کا نام ”جرجوق“ ہے جس کی بلندی 1208 میٹر ہے۔ فلسطین میں بہنے والی نہریں یہ ہیں:

- ☆ نہر اردن: شام کے شمالی علاقہ بانیاس سے شروع ہوتی ہے۔ اس نہر کی لمبائی 300 کلومیٹر ہے۔
- ☆ نہر یرموک: اس کی لمبائی 40 کلومیٹر ہے۔
- ☆ نہر المقطع: اس کی لمبائی 13 کلومیٹر ہے۔

فلسطین میں چند ایک چھوٹے چھوٹے دریا بھی ہیں۔ جیسے جنوب مشرقی فلسطین میں 1050 مربع کلومیٹر پر محیط ”المیت“، شمال میں 165 مربع کلومیٹر وسیع ”طبریہ“۔

بحر روم کے ساحلی علاقوں میں آب و ہوا معتدل ہے جبکہ مشرقی فلسطین کی جانب بتدریج ہوا میں نمی کا تناسب کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ فلسطین کا شمالی علاقہ پہاڑی اور برفانی ہے جبکہ جنوبی علاقہ انتہائی گرم ہے۔ فلسطین میں ”غزہ“، ”قدس“، ”الناصرہ“ اور ”حیفا“ نامی چار صوبے ہیں جبکہ مشہور شہر ”بیت المقدس“، ”بیت اللحم“، ”رام اللہ“، ”غزہ“، ”نابلس“، ”حیفا“، ”یافا“ اور ”طولکرم“ ہیں۔ فلسطین کے قدرتی ذخائر اور معدنیات میں سے صرف پوٹاشیم، میگنیزیم، سوڈیم اور بحر المیت کا برومین قابل ذکر ہیں۔ پوٹاشیم کے اعتبار سے یہ دنیا کا مالدار ملک کہا جاسکتا ہے۔ سرزمین فلسطین کا ایک تہائی حصہ قابل کاشت بھی ہے۔

راقم قائد سفر کے ہمراہ مقام نبی موسیٰ علیہ السلام سے نکل کر تقریباً آدھ گھنٹے میں ڈیڈ سی پہنچ گیا۔ اسرائیلی سرکار اور تحفظ تاریخی مقامات نے اُس جگہ پر پارک بنایا ہوا ہے۔ راقم نے اس کے داخلے کے ٹکٹ کے سلسلے میں کسی سے معلوم کیا تو بتایا گیا کہ پارک میں داخلے کے ٹکٹ کی قیمت اڑتالیس شیکل ہے۔ ہمارے داخلے کا انتظام قائد سفر نے کر رکھا تھا۔ بحر مُردار کے ارد گرد لینڈ اسکیپ کا کچھ حصہ ایسا ہے کہ کسی بھی

جگہ سے اُس تک رسائی ممکن نہیں۔ صرف چند مخصوص مقامات سے اُس تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ وہاں پر بیچ ایریا بنائے گئے ہیں۔ انہی میں سے ایک کالیہ بیچ بھی ہے جہاں کے بارے میں مشہور ہے کہ یہیں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم آباد تھی۔ واللہ اعلم

راقم کو اس علاقے میں داخل ہوتے ہی کافی وحشت سی محسوس ہو رہی تھی۔ عام ساحلوں کے برعکس اس بیچ پر ہوا کا نام و نشان نہیں تھا۔ یہاں تک کہ عین بیچ پر اور سمندر کے اندر بھی ہوا بالکل ناپید تھی۔ پانی بالکل ساکت تھا۔ پانی میں کسی قسم کی کوئی ہل جل یا لہریں بھی نہیں تھیں۔ وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ سمندر کا پانی بھی بالکل ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ ماحول میں بھی سخت گرمی تھی۔ پتہ یہ چلا کہ بعض لوگ بیچ پر آتے ہی اس لئے ہیں کہ مٹی نکال کر اپنے جسموں پر لگائیں۔ اس کی وجہ شاید بحر مردار کے پانی میں پائے جانے والے نمکیات ہیں جو کئی جلدی بیماریوں کے لئے اکسیر ہیں۔ وہاں سفر کر کے یہ بھی پتہ چلا کہ اس پانی میں، 90 منزل بھی پائے جاتے ہیں جس کا استعمال دنیا بھر میں جلدی بیماری اور خصوصی طور پر یہاں کی مٹی خواتین کے کاسمیٹکس میں استعمال ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ بحر مردار زمین پر نیچا ترین غیر رہائشی مقام ہے یہاں سورج کی مضر صحت شعاعوں کے اثرات کی شدت میں کمی آجاتی ہے جس سے جلدی امراض کے صحتیاب ہونے میں مدد ملتی ہے۔ بحر مردار کا پانی نمکیات کی وجہ سے اس قدر بھاری ہو چکا ہے کہ نہ اس میں کشتی رانی ہو سکتی ہے۔ نہ اس میں کسی قسم کی زندہ مخلوق پائی جاتی ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ سمندر کے پانی میں کمی بھی آتی جا رہی ہے۔ اور پانی کی سطح نیچے سے نیچے ہوتی جا رہی ہے۔ بحر مردار کے ایک طرف اسرائیل ہے۔ جبکہ دوسری طرف کی پہاڑیاں اردن کی سرزمین کا حصہ ہیں۔ بحر مردار میں پانی بھی دریائے اردن سے آتا ہے۔ جدید دور کی زرعی سہولیات کی وجہ سے اب دریائے اردن کا کافی پانی اردن میں زرعی ضروریات کی تکمیل میں استعمال ہو جاتا ہے، اس لئے بحر مردار میں پانی کی آمد اور بھی کم ہو گئی ہے۔

پانی میں داخل ہونے کے بارے میں بیچ پر جگہ جگہ عبرانی، عربی اور انگریزی میں ہدایات لکھی گئی

ہیں، کہ پانی کے اندر غوطہ نہ لگائیں اور کسی صورت پانی منہ کے اندر نہ جانے دیا جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو فوراً بیچ پر واقع فرسٹ ایڈ کے رضا کاروں سے رابطہ کیا جائے۔

بیچ پر جگہ جگہ تازہ پانی کے شاؤر بھی لگائے گئے ہیں تاکہ تازہ پانی سے اپنے وجود پر لگے نمکیات کو صاف کیا جاسکے۔ سمندر میں مچھلیاں یا اور کوئی حشرات نہیں پائے جاتے، اس لئے بحر مردار کی سطح پر پرندے بھی نہیں اُترتے۔ اسرائیلی ساحل سے لیکر دوسری طرف اردن کی پہاڑیوں تک سمندر میں کوئی پرندہ دکھائی نہیں دیتا، بحرِ میت واقعتاً بحرِ مردار ہے۔

قوم لوط اس علاقے میں رہتی تھی جسے آج کل مشرقی اردن کہا جاتا ہے۔ یہ عراق اور فلسطین کے درمیان میں واقع ہے۔ اس علاقے کا صدر مقام سدوم اور بیت المقدس کے درمیان واقع تھا اور پانچ بڑے شہروں کا مرکزی مقام تھا، جن کا نام شہر سدوم، عمورہ، ادمہ، صوبہہیم بعلع یا صوغرقتے ہے۔ اردن میں جہاں اب بحرِ میت یا بحرِ لوط کا ایک اور حصہ واقع ہے، اس جگہ پر سدوم اور عمورہ کی بستیاں موجود تھیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اس مقام پر شروع سے سمندر نہ تھا بلکہ قوم لوط پر عذاب آیا اور اس سرزمین کا تختہ الٹ دیا گیا۔ سخت زلزلے اور بھونچال آئے جن سے یہ زمین چار سو میٹر سے زائد سمندر کے نیچے چلی گئی اور پانی اُبھر آیا۔ اسی لئے اس کو بحرِ میت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کا وطن عراق کا دار الخلافہ بابل تھا۔ آپ کو علاقہ شام سے چند میل کے فاصلے پر بحرِ میت کے کنارے سدوم و عمورہ کی بستیوں کے رہنے والوں کی اصلاح کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا تھا، ایک روایت کے مطابق قوم لوط کی بستی پانچ بڑے شہروں پر مشتمل تھی۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ بستی چار پانچ شہروں کا مجموعہ تھی اور آبادی 4 لاکھ تھی۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ بستی سات بڑے شہروں پر مشتمل تھی اور ان میں ایک قول کے مطابق چار سو انسان تھے۔ دوسرے قول کے مطابق چار ہزار تھے اور حیوانات بھی تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے ان تمام چیزوں سمیت بستی کو اپنے پر کے ایک کونے سے اکھیڑ دیا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ان تباہ شدہ بستیوں کی جگہ ایک بدبودار پانی کی جھیل نمودار ہو گئی تھی۔ ایک اور روایت کے مطابق

حضرت لوط علیہ السلام اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شہر الخلیل میں ان کے پاس آ گئے تھے۔ یہاں بہت سے آثار ایسے ہیں جو ان کی رہائش کا ثبوت دیتے ہیں۔ یہ بات اس پہلے سفر کے دوران راقم کے علم میں نہیں آئی تھی لیکن بعد میں تاریخ کی کچھ کتابوں کی ورق گردانی اور دوسرے اور تیسرے سفر کے دوران کچھ آثار سے پتہ چلا کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اسی شہر الخلیل میں وفات پائی ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی مرقد اطہر ’کفر البریک‘ نامی گاؤں بنو نعیم کے علاقے میں ہے۔

رفقائے سفر کے ساتھ دوسرے سفر کے دوران مقام خلیلی کی زیارت کے بعد کافی کھوج لگا کر بنو نعیم کے علاقے میں موجود حضرت لوط علیہ السلام کی قبر اطہر پر حاضری کا موقع میسر آیا۔ یہ قبر بھی ایک مسجد کے کمرے میں موجود ہے جو مسجد الخلیل سے تقریباً پانچ میل کی دوری پر بنو نعیم کے علاقے کی ایک پہاڑی کے دامن میں واقع ہے۔ اسی مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے قدیم شریفین اور سجدہ شکر کے آثار بھی موجود ہیں۔ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کہ لوط علیہ السلام کی قبر کی زیارت زمانہ قدیم سے ہوتی چلی آ رہی ہے، اور یہیں پر لوط علیہ السلام کے بیٹوں کی قبریں بھی موجود ہیں۔ ماہرین فن کے تخمینے کے مطابق یہ بستیاں 2061 ق م میں تباہ ہوئیں۔ گزشتہ 50 سال کی تحقیق سے بحریت کے ساحل پر قوم لوط کی بستیوں کے بعض تباہ شدہ آثار معلوم ہوئے ہیں جو قرآن کی حقانیت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

بحریت اور دیگر سمندروں میں فرق صاف اور واضح ظاہر ہو جاتا ہے، جب انسان اس وحشت ناک مقام سے گزرتا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، ان کے والد کا نام ہارون تھا، حضرت لوط علیہ السلام کا بچپن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر سایہ گزرا۔ ان کی نشوونما حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہی آغوش تربیت میں ہوئی اسی لئے وہ اور حضرت سارہ ملت ابراہیمی کے پہلے مسلم اور السابقون میں داخل ہیں۔

فَأَمِّنْ لَهُ لُوطٌ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ  
الْحَكِيمُ

ترجمہ: پھر لوط اُن پر ایمان لائے، اور ابراہیم نے کہا کہ: ”میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کر کے جا رہا ہوں، وہی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔“ (العنکبوت: 26)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسفار ہجرت میں آپ کی بیوی اور حضرت لوط علیہ السلام ہمیشہ ساتھ رہے اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر میں تھے تو اس وقت بھی یہ ہم سفر تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ السلام سے مشورہ کیا اور دونوں کے مشورے میں طے پایا، کہ حضرت لوط علیہ السلام ہجرت کر کے شرق اردن کے علاقے سدوم اور عمورہ چلے جائیں، اور وہاں رہ کر دین حنیف کی تبلیغ کرتے رہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسالت کا پیغام سناتے رہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ طے پایا کہ وہ واپس فلسطین چلے جائیں اور وہاں رہ کر اسلام کی تبلیغ کرتے رہیں۔ جب حضرت لوط علیہ السلام سدوم تشریف لائے تو دیکھا کہ یہاں کے لوگ لواطت کے فحش فعل میں مبتلا تھے۔ یہ ایسا مذموم فعل تھا جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا اور جانور بھی اس سے گھن کھاتے ہیں ان کی بے باکی اور بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ اس کا ارتکاب کھلے عام مجلسوں میں کرتے تھے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اس فعل سے باز آنے کو کہا تو ان لوگوں نے طنزاً کہا کہ لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال دو کیونکہ یہ بہت پاکباز بنتے ہیں۔ قرآن مجید میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ:

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ  
بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿٨٠﴾ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ  
شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿٨١﴾  
وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ  
قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أَنْتَاطَهُرُونَ ﴿٨٢﴾

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسا

فحش کام کرتے ہو جسے تم سے پہلے دنیا جہان میں کسی نے نہیں کیا۔ (۸۰) تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم تو حد ہی سے گزر گئے ہو (۸۱) اور ان کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں (۸۲) (سورت الاعراف)

اس کے علاوہ کتابوں میں ایک اور بات یہ بھی لکھی ہے کہ اہل سدوم کی عادت تھی کہ باہر سے آنے والے سوداگروں اور تاجروں کے مال کو دیکھنے کے بہانے تھوڑی تھوڑی چیزیں اٹھا کر چل دیتے تاجر حیران و پریشان ہو کر رہ جاتا اگر وہ اپنے مال کے ضائع ہونے کا شکوہ کرتا تو لوٹنے والا ایک ایک دو چیزوں کو دکھا کر کہتا کہ یہ تو تمہاری چیزیں جس پر تاجر کہتا ہے کہ میں ان کا کیا کروں گا تم ہی رکھ لو۔ پھر دوسرا آتا اس کا حشر یہی کیا جاتا اس طرح تاجر کو لوٹ کر بھگا دیتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ نے ایک مرتبہ حضرت لوط علیہ السلام کی خیر دریافت کرنے کے لیے اپنے خالہ زاد ایبیرز مشقی کو سدوم بھیجا۔ ایک سدومی نے ان کو پتھر مار کر لہولہان کر دیا اور پتھر کہا کہ میرے پتھر مارنے کی وجہ سے تیرا سر سرخ ہوا ہے، لہذا مجھے معاوضہ ادا کرو اور کھینچ کر ان کو عدالت میں لے گیا عدالت نے بھی یہ فیصلہ دیا کہ ایبیرز کو اس کا معاوضہ دینا چاہیے ایبیرز نے ایک پتھر کھینچ کر حاکم کے سر پر دے مارا کہ اس کی اجرت میری طرف سے اس کو دے دینا۔

قوم لوط سے منسوب یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ کس قدر یہ قوم ظلم، فحش، بے حیائی، بد اخلاقی اور فسق و فجور میں پڑی ہوئی تھی۔

قرآن میں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فرماتے ہیں۔

وَلَوْطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ

يَهَامِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ○ أَيْتُّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ  
وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ فَمَا  
كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ  
كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ○

اور ہم نے لوط کو بھیجا جبکہ اُس نے اپنی قوم سے کہا: ”حقیقت یہ ہے کہ تم ایسی  
بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دُنیا جہان والوں میں سے کسی نے  
نہیں کی (۲۸) کیا تم مردوں کے پاس جاتے ہو، اور راستوں میں ڈاکے  
ڈالتے ہو، اور اپنی بھری مجلس میں بدی کا ارتکاب کرتے ہو؟ پھر اُن کی قوم  
کے لوگوں کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا کہ انہوں نے کہا: ”لے آؤ  
ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم سچے ہو!“ (۲۹) (سورۃ العنکبوت)

اس جگہ قرآن میں اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام کی درخواست کا ذکر فرماتے ہیں کہ

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ

لوط نے کہا: ”میرے پروردگار! ان مفسدوں کے مقابلے میں میری مدد  
فرمائیے۔“ (سورۃ العنکبوت)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ اپنے پیغمبر کی مدد فرمائی۔

قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا  
حِجَارَةً مِنْ سِجِّيلٍ مَنْضُودٍ مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ  
مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ (۸۲)

پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اس زمین کے اوپر والے حصے کو نیچے والے

حصے میں تبدیل کر دیا، اور ان پر پکی مٹی کے تہہ بہ تہہ پتھر برسائے جن پر تمہارے رب کی طرف سے نشان لگے ہوئے تھے۔ اور یہ بستی (مکہ کے ان) ظالموں سے کچھ دور نہیں ہے۔ (سورۃ ہود)

یہاں ساحل پر گول گول پتھر پڑے ہوئے نظر آئے۔ بتایا جاتا ہے یہ وہی پتھر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قوم لوط پر آسمان سے برسائے تھے (واللہ اعلم)

دوپہر کے ڈیڑھ بج چکے تھے۔ پروگرام کی ترتیب یہ بنائی گئی تھی کہ نماز ظہر جریکو شہر کی ایک خوبصورت مسجد میں ادا کریں گے۔ بعد نماز ظہر ایک بار پھر تلاوت قرآن پاک کی سعادت نصیب ہوئی۔ ظہرانہ ہم نے جریکو کے شہر اور مجدول کھجور کے ایک نخلستان کے قریب ایک ریسٹورنٹ میں کیا بعد ازاں جریکو میں ہی ایک مقام کی طرف ہم پہنچے جس کے بارے میں مشہور ہے، کہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہاڑی پر چلہ کاٹا کرتے تھے اور اب بھی بعض مسیحی ان کی یاد میں چالیس دن گزارتے ہیں، اور اسی مقام کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اندھوں اور برص والوں کو صحت اور مردوں کو اللہ کے حکم سے زندگی بخشنے کا ذکر قرآن میں ہے:

وَتَبْرِئِ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِأَذْنِي وَإِذْ أَخْرَجُ الْمَوْتَىٰ بِأَذْنِي

اور ماں کے پیٹ سے جو اندھا اور کوڑھ والا ہو اس کو تو میرے حکم سے اچھا کر دیتا تھا اور مردوں کو زندہ کر دیتا تھا۔

اس مقام پر فلسطینی مسلمانوں کے نخلستان کی مجدول کھجور کی بہت بڑی دوکان ہے جہاں سے زائرین مجدول کھجور بھی خریدا کرتے ہیں۔ اس مقام پر تھوڑی دیر وقت گزار کر واپس القدس کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ مغرب سے قبل یروشلم پہنچ سکیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قرب قیامت تشریف آوری

آج کا سفر القدس یروشلم کے مشرق میں واقع ایک پہاڑی کی طرف تھا جیسے جبل زیتون (زیتون کا پہاڑ) کہا جاتا ہے۔ ہمارے ٹورگائیڈ برادر احمد نے بتایا کہ اس کا یہ نام اس نسبت سے پڑا کہ یہاں کسی زمانے میں زیتون کے درخت بڑی تعداد میں پائے جاتے تھے۔ جبل زیتون وہ مقام یا پہاڑ ہے جو یروشلم شہر کو صحرائے یہود سے الگ کرتا ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے سے مشرقی سرحد کے طور پر یروشلم کی نگہبانی کرتا چلا آ رہا ہے۔ یروشلم شہر کے مکمل اور خوبصورت نظارے کیلئے یہ جگہ بہترین ہے۔ اونچی فصیلوں کے دامن میں وسیع و قدیم یروشلم شہر، بل کھاتی سڑکیں، سرسبز درختوں کے آنچل میں کسی موتی کی طرح جگمگا تا گنبدِ صخرہ اور اُس پار دکھائی دیتی فلک بوس عمارتیں۔ جبل زیتون پر کھڑے ہو کر دائیں سے بائیں جانب نگاہ دوڑائیں تو اس شہر کا خوبصورت نظارہ کہیں سے بھی یہ تاثر نہیں دیتا کہ اس شہر کی تاریخ خاک و خون میں لتھڑی ہوئی ہے۔ مشاہدہ کرنے والے کو کہیں سے یقین نہیں آئے گا یروشلم کی تاریخ اتنی خون سے رنگیں تھی۔ آج کے سفر میں بھی قائد سفر منزل بہ منزل محل وقوع بتاتے اور رہنمائی فرماتے رہے۔ اس سفر میں راقم کا ایک منٹ بھی ضائع نہیں ہوا ہر لمحہ قیمتی تھا۔ جبل زیتون سے نیچے کی طرف دیکھیں تو پہلا منظر ایک بڑے قبرستان کا ہے۔ راقم کی نظر چند اہل یہود پر پڑی جو مختلف قبروں کے سرہانے کھڑے دعائیں مانگنے کے ساتھ ساتھ اپنی مقدس کتاب تورات کی عبادت میں مصروف تھے۔

جبل زیتون کے نیچے موجود قبرستان یہود کے دنیا بھر کے بڑے قبرستانوں میں سے ایک ہے، اور یہود یہاں پر زمانہ بابل (ساتویں صدی قبل از مسیح) سے ہی دفن ہونا عزا سمجھتے آئے ہیں۔ اہل یہود کے عقیدے کے مطابق قیامت کے دن رب کا ظہور اسی پہاڑ پر ہوگا اور انہی کے عقیدے کے مطابق دجال اسی جبل زیتون کے پہاڑی کے راستے سے آئے گا اور قبروں سے یہود کو اٹھائے گا اور ان کے ساتھ ملکر بیت المقدس پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق دجال بیت المقدس میں داخل نہیں ہو پائے گا، اسی دوران حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی جبل زیتون کے راستے پر اس کا تعاقب کرتے ہوئے تشریف لائیں گے۔

ایک بات اور بھی یہود کے عقیدہ میں شامل ہے جو کہ اسی قبرستان سے متعلق ہے، ان کو یہاں اس لئے دفنایا جاتا ہے اور ان کے پیر ہیگل سلیمانی کی طرف کر دیئے جاتے ہیں تاکہ قیامت کے دن جب حضرت انسان کو دوبارہ زندہ کیا جائے تو انہیں ہیگل سلیمانی کی طرف چل کر جانے میں کوئی دقت نہ ہو۔ جبل زیتون کی اہمیت عیسائی عقیدے میں بھی کم نہیں ہے، اسی جبل زیتون کے نیچے عیسائیوں کے چار فرقوں کے چار مشہور چرچ موجود ہیں، جن میں عیسائیوں کا ایک مشہور فرقہ یعقوبیہ کا چرچ بھی موجود ہے، عیسائی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی کی آخری شب اسی پہاڑ کے قریب واقع کنیسہ آلام (Church of all nations) میں عبادت کر کے گزاری تھی اور یہیں سے انہیں مختلف راستوں سے گزارتے ہوئے کنیسہ القائمہ (Church of Holy Sepulchre) لے جایا گیا تھا جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا۔ آج بھی مسیحی حضرات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے جبل زیتون پر پیدل چڑھتے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یاد میں اسی راستے پر چلتے چلتے کنیسہ القائمہ پہنچتے ہیں۔ ان کے لیے یہ پر آشوب مقام ہے جہاں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو صعبوتوں سے گزارا گیا اور ان کی والدہ بی بی مریمؑ نے یہ اذیت ناک لمحات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ مسیحی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی جبل زیتون سے آسمانوں پر لے جایا گیا، اور دوبارہ نزول جبل زیتون پر ہی ہوگا جہاں سے وہ یروشلم کی طرف جائیں گے۔ راقم کو یہ نظارے اس قدر یاد ہو گئے کہ دل پر بالکل ہی نقش ہو گئے ہیں اور اس پورے سفر کو دل کی ڈائری میں ہی محفوظ کر لیا ہے۔ جبل زیتون کی سڑک پر ڈھلان سے اترتے ہوئے حضرت مریم علیہا السلام کا مرقد بتایا جاتا ہے، جسے Church of Mary کہا جاتا ہے۔ مسیحی عقیدے کے مطابق بی بی مریم اپنی نیند کے دوران خدا سے جا ملی تھیں۔ اسی غار میں آدھی سڑھیاں اتر کر سیدھے ہاتھ پر حضرت مریم کے والد حضرت عمران علیہ السلام جنہیں مسیحی عقیدے میں Joachim کے نام سے پہچانا جاتا ہے، اور حضرت مریم کی والدہ کی قبریں مبارک بھی موجود ہیں۔ یروشلم کا شمار دنیا کے قدیم ترین شہروں میں کیا جاتا ہے۔ تلخ حال کے باوجود سیاح اور خصوصی طور پر اہل اسلام مسجد اقصیٰ بیت المقدس کی زیارت اور اجر و ثواب کا مستحق

و مشرف ہونے کے لئے بڑی تعداد میں ہر سال یہاں آتے ہیں۔

اسرائیلی وزارت سیاحت کی جانب سے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق 2013ء میں تقریباً 40 لاکھ سیاحوں نے یروشلم کا رخ کیا۔ قدیم یروشلم کی اونچی فصیلیں 2.4 میل کے فاصلے کا احاطہ کرتی ہیں، جبکہ اس قدیم شہر کے سات دروازے ہیں جس سے لوگ تاریخ کے جھروکوں میں داخل ہوتے ہیں۔ قدیم شہر کو چار کوارٹرز میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مسلم کوارٹر، آرمینین کوارٹر، عیسائی کوارٹر اور یہودی کوارٹر۔ 1948ء میں عرب اسرائیل جنگ میں یروشلم کے قدیم شہر کا کنٹرول اردن نے حاصل کر کے یہاں سے تمام یہودیوں کو بے دخل کر دیا تھا۔ مگر 1967ء میں چھ روزہ عرب اسرائیل جنگ کے دوران اسرائیل نے مشرقی یروشلم سمیت قدیم شہر کا کنٹرول واپس حاصل کر لیا اور آج بھی اسرائیلی فوج ہی اس پورے علاقے کی نگرانی کرتی ہے۔

برادر احمد نے ایک بات اور بھی بتائی کہ اس ملک میں 'شبات' منایا جاتا ہے۔ جس کی ابتدا جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب سے شروع ہوتی ہے اور ہفتہ کو غروب آفتاب پر ختم ہوتی ہے۔ یہود چولہے کا استعمال بالکل نہیں کرتے، کچھ بھی نہیں پکاتے، نہ ہی کوئی چیز مائیکروویو میں گرم کرتے ہیں اور نہ ہی کار کا استعمال کرتے ہیں، اور شبات والے دن کالے کپڑوں کے بجائے سفید کپڑوں کا استعمال بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ یہود کے یہاں روایتی طور پر شبات پر موم بتیاں جلائی جاتی ہیں دعائیں مانگی جاتی ہیں اور عبادت کی جاتی ہیں، روزے رکھے جاتے ہیں۔

### جبل زیتون پر مسجد صعود الی السماء کی شکایت

حضرت مریم علیہا السلام کی قبر بھی یہیں کہیں بیت المقدس کے اطراف میں بتائی جاتی ہے، لیکن اب تک صحیح تحقیق نہ ہو سکی۔ ایک بہت ہی اہم مقام کے بارے میں بتایا جاتا ہے جو جبل زیتون پر واقع ہے جہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے، وہاں ایک پتھر بھی موجود ہے جس پر پیروں کے نشان

بنے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں یہاں کسی زمانے میں ایک مسجد تھی جس کے آثار تو موجود ہیں لیکن مسجد نام کی حد تک رہ گئی ہے۔ جبل زیتون پر واقع وسیع و عریض صحن میں چھوٹی سی مسجد صعود الی السماء مسلمان زائرین کو اپنی تنہائی کا احساس دلاتی رہتی ہے۔ اس طرح کا مقام قبۃ الصخرہ میں بھی موجود ہے۔

### حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں

- ☆ عیسیٰ کا لفظ قرآن میں 25 مرتبہ، لقب 'مسح' 11 مرتبہ، کنیت ابن مریم 23 مرتبہ مذکور ہے۔
- ☆ عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری نبی اور مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں۔ آپ کی پیدائش معجزانہ طور پر بغیر والد کے ہوئی۔
- ☆ جب یہودیوں نے آپ کی والدہ پر الزام لگایا تو آپ نے گود میں معجزانہ طور پر اپنی والدہ کی پاکدامنی کی گواہی دی۔
- ☆ آپ کی جائے پیدائش کوہ ساعرہ کے دامن میں ہے جو بیت اللحم میں ہے۔
- ☆ ایک قول کے مطابق تیس سال کی عمر میں نبوت ملی۔ حکمت و دانائی کے ساتھ ساتھ آپ میں شدت کے ساتھ احکام الہی پر عمل کرنے اور کرانے کا جذبہ بھی پایا جاتا تھا۔ اپنے مواعظ میں آپ نے ان لوگوں کو خاص ہدف بنایا جنہوں نے مذہب کے نام پر دکانداریاں قائم کی ہوئی تھیں۔
- ☆ اعلان نبوت کے کچھ دن بعد آپ نے خطبہ کوہ (mount of the sermon) پر وعظ کیا اس وعظ میں آپ کی تمام تعلیمات کا خلاصہ ہے۔
- ☆ پھر جیسے جیسے عوام متاثر ہوتی گئی خواص ان کے دشمن ہوتے چلے گئے کیونکہ ان کو اپنی مذہبی سیادت ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔

☆ 33 برس کی عمر میں ماہ رمضان شب قدر میں اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس سے آپ کو آسمانوں میں اٹھالیا۔ آپ کے بعد حضرت مریم علیہا السلام چھ برس حیات رہیں۔

☆ روح المعانی میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کو جب عیسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ کی تو وہ ایمان نہ لائے، نبی علیہ السلام کی شان میں گستاخیاں کرنا شروع کر دیں، والدہ محترمہ پر عیب لگانا شروع کر دیئے اور طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ ایک دن آپ شہر میں گشت کر رہے تھے اور لوگوں نے آپ کو بہت تنگ کیا تو آپ نے اللہ سے دعا کی کہ اے مولائے کائنات! میں کہاں تک صبر کروں آپ ان کو خنزیر بنا دیں۔ زبان سے نکلا ہی تھا کہ سارے خنزیر بن گئے اور سب پر ایک خوف طاری ہو گیا۔

☆ یہ بھی کہا جاتا ہے جہاں عیسیٰ علیہ السلام کے پیروں کے نشانات ہیں وہیں قریب ہی حضرت ذکر یا علیہ السلام کی قبر مبارک ہے۔

☆ واپسی پر جبل صہیون پڑتا ہے جہاں سے صہیونی تحریک کا آغاز ہوا تھا۔ یہیں پر داؤد علیہ السلام کا مزار مبارک بھی موجود ہے اور ایک بلند مقام پر یہ آیات لکھی ہوئی ہیں۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ان سے کہا تھا:

رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ

کہ ہم پر آسمان سے بھرا ہوا خوان اتاریں

قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

اگر حقیقت میں ایمان والے ہو تو اللہ سے ڈرو

کہ جو رزق کے عام ذرائع ہیں وہی اختیار کرو۔

حواریین نے کہا:

قَالُوا أَنْزِلْ لَنَا مِنْ سَمَاءِ رَبِّنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ

## قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونُ عَلَيَّهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ

ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو اطمینان ہو اور ہم پہلے سے بھی زیادہ یقین سے جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور اس معجزے پر ہم گواہی دینے والوں میں شامل ہو جائیں۔

جب ان کا اصرار بڑھا تو آپ نے اللہ کے حضور درخواست کی۔ اللہ نے دعا قبول کی اور دستر خوان اُترا۔ اسی جگہ ایک عمارت بنی ہوئی ہے اس کے چاروں طرف یہ آیت لکھی ہوئی ہے۔

### حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

جبل زیتون شروع ہوتے ہی مقام حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا واقع ہے۔ اتوار کے دن اس مقام کی زیارت کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ ان کا شمار دوسری صدی ہجری کی شہرہ آفاق عارفات میں ہوتا ہے۔ قبیلہ قیس بن عدی کی ایک شاخ العتیق کی کنیزہ تھیں۔ اسی نسبت سے ان کو عدویہ اور القیسیہ کہا جاتا ہے۔ اپنی باطنی اور ظاہری خوبیوں کی بنا پر ام الخیر کے لقب یا کنیت سے بھی شہرت پائی ہے۔ ان کا لقب 'تاج الرجال' بھی ہے۔ 95 ہجری بروایت دیگر 99 ہجری میں بصرہ عراق کے ایک نہایت غریب گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ والد کا نام اسمعیل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے والدین کی چوتھی بیٹی تھیں اس لئے ان کا نام رابعہ مشہور ہو گیا۔ بچپن میں کسی شخص نے انہیں پکڑ کر فروخت کر دیا تھا اور غلامی ہی کی حالت میں پلی بڑھیں۔ اپنے مالک کے گھر کا کام انجام دینے کے بعد جو وقت بچتا اس میں عبادت کرتی رہتیں تھی۔ ان کے مالک نے ان کی عبادت و ریاضت دیکھ کر انہیں آزاد کر دیا۔

بہت سے تذکرہ نویسوں نے ان کے حالات زندگی پر تفصیل سے لکھا ہے، مگر ان میں خاصے تضادات پائے جاتے ہیں اور بعض سوالات جو ذہن میں پیدا ہوتے ہیں، ان کے جوابات بھی نہیں

ملتے مثلاً ان کی تعلیم و تربیت کیسے ہوئی؟ انہوں نے طریقت اور سلوک کی راہ کیسے اختیار کی؟ کون سے شیوخ تھے جن سے انہوں نے کسب فیض کیا؟ بعضوں نے کہا کہ تمام زندگی تجرد کی حالت میں گزار دی اور بعض نے کہا کہ انہوں نے شادی کر لی تھی، اور ان کی اولاد بھی تھی مگر ادھیڑ عمر میں بیوہ ہو گئیں تھیں، اور اس کے بعد دوسرا نکاح نہیں کیا۔ اولاد کے بارے میں وثوق سے نہیں کہا جاسکتا بہر صورت اکثر نے ان کی عبادت و ریاضت، دانش و حکمت اور زہد و اتقا کی بہت تعریف کی ہے اور ان کی بی شمار کرامات بھی بیان کی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ غلامی سے آزاد ہونے کے بعد وہ صحرا میں عزلت گزریں ہو گئیں تھیں۔ معلوم نہیں عزلت گزینی کا زمانہ کتنے سالوں پر محیط ہے لیکن یہی وہ دور ہے جس میں انہوں نے سلوک و معرفت کی منزلیں طے کیں۔ اس کے بعد بصرہ آ کر باقی ساری زندگی وہیں گزار دی۔ بصرہ آنے کے بعد بہت جلد ان کے زہد و تقویٰ اور علم و معرفت کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق کسب فیض کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے، ان میں اس دور کے بڑے بڑے مشائخ طریقت، زہاد اور صلحا بھی شامل تھے۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے ارشادات جو مختلف کتابوں میں نقل ہوئے ہیں، ان کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں سرشار تھیں اور اس کی رضا کے سوا کسی چیز کی طلب گار نہ تھیں۔ ان کی اللہ سے محبت بالکل بے غرض تھی۔ محبت خالصتاً صرف اس کی ذات کی خاطر تھی۔ لوگوں کو بھی وہ حق تعالیٰ سے ایسی ہی محبت کرنے کی تلقین کرتی تھیں۔ ان کی ایک مشہور دعا سے ان کے خیالات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

وہ فرماتی تھی کہ اے اللہ! اگر میں دوزخ کے ڈر سے تیری عبادت کرتی ہوں تو تو مجھے دوزخ میں پھینک دے اور اگر میں جنت کی خاطر تیری عبادت کرتی ہوں تو تو مجھے جنت سے محروم کر دے، لیکن میں صرف تیری خاطر تیری عبادت کرتی ہوں تو مجھ کو اپنے دیدار سے محروم نہ کرنا۔ ایک دفعہ کسی نے ان سے کہا کہ جو لوگ آپ سے اخلاص و عقیدت رکھتے ہیں آپ ان سے مدد کیوں نہیں مانگتیں؟ انہوں نے فرمایا میں تو دنیا کی چیزیں اس سے بھی مانگتے ہوئے شرماتی ہوں جو ہر شے کا خالق اور مالک ہے پھر ان سے کیسے مانگوں جو کسی چیز کے مالک نہیں۔ ایک اور موقع پر فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ غریبوں کو ان کی غربت کے سبب بھلا

دے گا یا امیروں کو ان کی دولت کی وجہ سے یاد رکھے گا؟ جب اس کو میرے حال کا علم ہے تو ایسی کون سی بات ہے جو میں اس کو یاد دلاؤں؟ جو کچھ اس کی رضا ہے وہی ہماری بھی مرضی ہونی چاہیے۔

ایک دفعہ ایک جوان کے سر پر پٹی بندھی ہوئی دیکھی۔ اس سے سبب پوچھا تو اس نے کہا، میرے سر میں درد ہے، انہوں نے پوچھا، تیری عمر کتنی ہے؟ اس نے کہا کہ تیس سال۔ پوچھا کیا ان تیس سالوں میں پہلے بھی کبھی بیمار ہوا؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا بس افسوس کہ تیس سال تم نے تندرستی کے شکر کی پٹی تو نہ باندھی لیکن صرف ایک دن کی بیماری میں شکایت کی پٹی باندھ لی۔ ایک اور موقع پر کسی نے ان سے پوچھا، کیا آپ اللہ کو دوست رکھتی ہیں؟ فرمایا بے شک میں اللہ کو دوست رکھتی ہوں۔

سوال کرنے والے نے پھر پوچھا، کیا آپ شیطان کو دشمن سمجھتی ہیں، فرمایا اللہ کی محبت نے مجھے اس قدر مستغرق بنا رکھا ہے کہ مجھے شیطان کی دشمنی کی نہ پرواہ ہے نہ اتنی فرصت کہ اس طرف توجہ دوں۔

ایک دفعہ بصرہ کے کچھ لوگ حاضر خدمت ہوئے اور کہنے لگے کہ مردوں کو کیوں ایسے مرتبے حاصل ہوئے جو عورتوں کو کبھی نہیں مل سکے۔ کیا اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں اسی لیے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ اللہ نے مرتبہ نبوت پر ہمیشہ مردوں ہی کو فائز کیا اور اس اعزاز سے عورتوں کو ہمیشہ محروم رکھا۔ جواب میں فرمایا بھائیو! کیا تم نے کبھی سنا ہے کہ کسی عورت نے آج تک خدائی کا دعویٰ کیا ہو۔ یہ استکبار بھی صرف مردوں ہی کے حصہ میں آیا کہ انہوں نے خدائی تک کا دعویٰ کرنے سے گریز نہ کیا۔ رہی دوسری بات تو یہ درست ہے کہ اللہ نے کبھی کسی عورت کو مرتبہ نبوت پر فائز نہیں کیا، مگر یہ بھی سوچو کہ جتنے نبی و صدیق شہید اور ولی ہوئے ہیں وہ عورت ہی کے بطن سے پیدا ہوئے، انہی کی گود میں تربیت پائی اور پروان چڑھے۔ کیا عورتوں کا یہ رتبہ کچھ کم ہے؟ یہ سن کر سب لوگ

لا جواب ہو گئے۔ اس طرح کے بیٹھارے واقعات کتابوں میں موجود ہیں، راقم چونکہ دوبار ان کے مقبرے پر حاضری کی سعادت حاصل کر چکا ہے، اس لئے بہتر تھا، کہ ان کے حالات و واقعات کا کچھ حصہ قلمبند کر ڈالے۔ ایک قول کے مطابق ان کی وفات 185ھ میں بصرہ میں ہوئی اور وہیں دفن ہوئیں لیکن مشاہیر

نسواں میں سید امیر علی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے، کہ رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے 135ھ میں وفات پائی اور جبل الطیر نامی پہاڑ پر جو کہ بیت المقدس کے مشرق میں واقع ہے، دفن ہوئیں۔ راقم کو ان کے مقبرے پر حاضری سے اندازہ ہوا کہ زائرین کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے۔

### بیت المقدس کے آخری روز کی مصروفیت

آج اتوار کا دن بیت المقدس کے پہلے سفر کا آخری روز ہے کل قائد سفر کے ہمراہ تل ابیب کی طرف روانگی ہے ان شاء اللہ۔ پہلے سفر کے آخری روز بیت المقدس کی چار دیواری کے قریب قبرستان باب الرحمۃ میں موجود ایک اور قبر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لئے پہنچے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو الولید، اور قبیلہ خزرج کے خاندان سالم سے تعلق تھا۔ ابھی عنفوان شباب تھا کہ مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی، جن خوش نصیب لوگوں نے اس پہلی آواز کو رغبت کے کانوں سے سنا، ان میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ انصار کے وفد تین سال تک مسلسل مدینہ منورہ سے مکہ آئے تھے، ان سب میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ شامل تھے، پہلا وفد جو دس آدمیوں پر مشتمل تھا، وہ اس میں بھی موجود تھے اور چھ اشخاص کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت بھی کی تھی۔ (تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۱۶۸، تعدیب الکمال ۱۳ / ۱۸۳، الکاشف ۱ / ۵۳۳)

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی زندگی ابتدا ہی سے ولولہ انگیز تھی، مکہ میں مسلمان ہو کر پلٹے تو مکان پہنچتے ہی والدہ کو مشرف باسلام کر لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر انصار و مہاجرین میں برادری قائم کی تو حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کو ان کا بھائی تجویز فرمایا۔ 2ھ میں غزوہ بدر واقع ہوا حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ اس میں بھی شریک ہوئے۔ عہد نبوت میں بیعت الرضوان کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے وہ اس بیعت میں بھی شریک تھے۔ خلافت صدیقی میں شام کے بعض معرکوں میں بھی شریک تھے، خلافت فاروقی میں مصر کے فتح ہونے میں دیر ہوئی تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مزید کمک کیلئے خط لکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چار ہزار کی

فوج روانہ کی جس میں ایک ہزار فوج کے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ افسر تھے، جو اب میں لکھا کہ ان افسروں میں ہر ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ خدمات ملکی میں تین چیزیں قابل ذکر ہیں۔ صدقات کی تقسیم، فلسطین کی قضاة اور حمص کی امارت لیکن امارت کے سلسلے میں نہایت خدا خونی پائی جاتی تھی۔ وہ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم میں دو آدمیوں پر بھی عامل بننے کا خواہشمند نہیں ہوں حمص کے نائب امیری کے زمانہ میں ایک خاص فوجی طریقہ ایجاد کیا یعنی بڑے بڑے گڑھے کھودوائے جن میں ایک شخص مع اپنے گھوڑے کے چھپ سکتا تھا، اور یہ طریقہ آج تک رائج ہے۔ اسے مورچہ بندی کہتے ہیں۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کا شمار فضلاء صحابہ میں ہوتا تھا، قرأت ان کا خاص فن تھا، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا، اسلام کا پہلا مدرسہ قرأت جو عہد نبوی میں اصحاب صفہ کے لئے قائم ہوا تھا انہیں کے زیر سرپرستی میں تھا۔ ان سے ہی لوگ تعلیم پاتے تھے، یہاں قرآن کے ساتھ لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا چنانچہ بہت سے لوگ قرأت اور کتابت سیکھ کر یہاں سے نکلے تھے۔

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب شام کے مسلمانوں کو تعلیم قرآن کی ضرورت ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو شام روانہ فرمایا۔ وہ پہلے حمص گئے لیکن کچھ زمانہ کے بعد فلسطین کو اپنا مستقر بنایا، قرآن مجید کی خدمت کے ساتھ ساتھ اشاعت حدیث کا خاص اہتمام کیا کرتے تھے، اور انکی علمی مجالس کا بھی خوب چرچا رہتا تھا، کبھی گرجے میں چلے جایا کرتے تھے، اور وہاں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام عیسائیوں کو گوش گزار کیا کرتے تھے۔ مرویات کی تعداد 181 تک پہنچتی ہے۔ فقہ کا علمی کمال بھی مسلم تھا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس کا اعتراف کرتے تھے۔ شام کے مسلمانوں کو جب قرآن و فقہ کی تعلیم کی ضرورت پیش آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہی کا انتخاب کیا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ تادم حیات شام میں سکونت پذیر رہے۔ 34ھ میں پیغام اجل آیا اس وقت ان کی عمر 72 سال تھی وفات سے قبل بیمار ہوئے حدیث بیان کرتے کرتے روح جسم کو وداع کہہ کر جو رحمت میں پرواز کر گئی۔ مدفن کے متعلق اختلاف ہے، ابن سعد نے رملہ لکھا ہے، دوسری روایتوں

میں بیت المقدس کا نام آیا ہے اور اب تک یہی مشہور ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فلسطین کو مدفن قرار دیا۔

## فلسطین میں علمی سرگرمیوں کا آغاز

سرزمین فلسطین پر علمی سرگرمیوں کا آغاز اس وقت ہوا جب یہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تشریف لائے، اور انہوں نے دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دیا، اہل شام فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے ان لوگوں نے ان سے علم دین حاصل کیا۔ چونکہ مسجد اقصیٰ کا مسلمانوں کے دلوں میں ایک مقام و مرتبہ رہا ہے اس لئے بھی یہ سرزمین بہت سارے علماء کرام کی آماجگاہ رہی ہے۔ مسجد اقصیٰ کی طرف بہت سارے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خصوصی طور پر سفر کیا تا کہ اس میں نماز پڑھنے کا اجر و ثواب حاصل کر سکیں۔ ان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ابو عبیدہ ابن الجراح رحمۃ اللہ علیہ اس فوج کے سپہ سالار تھے جنہوں نے بیت المقدس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتح کیا تھا۔

بلال ابن رباح رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیت المقدس گئے تھے اور مسجد اقصیٰ میں اذان کہنے کا شرف بھی حاصل کیا تھا۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت اپنا نائب بنایا تھا، پھر یہ بھی طاعون کی بیماری میں وفات پا گئے تھے۔ دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دور فاروقی میں فتح بیت المقدس کے وقت وہاں موجود تھے۔

تمیم بن اوس الداریؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے فلسطین ہی کے رہائشی تھے، پھر اسلام قبول کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، اس کے بعد کچھ عرصہ تک بیت المقدس کے گورنر رہے۔ ابو رحانہ رضی اللہ عنہ بھی بیت المقدس ہی کے رہائشی تھے اور مسجد اقصیٰ میں درس دیا کرتے تھے۔

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم بیت المقدس کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تھے اور جب بھی جاتے تھے، مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھ کر واپس چلے آتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ صرف سلیمان علیہ السلام کی دُعا

حاصل کرنے آتا ہوں۔

حدیث پاک میں آتا ہے۔

أَنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا بَنَى بَيْتَ الْمَقْدِسِ سَأَلَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ خِلَالَ ثَلَاثَةِ سَأَلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ حُكْمًا يُصَادِفُ حُكْمَهُ فَأُوتِيَهُ، وَسَأَلَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ فَأُوتِيَهُ، وَسَأَلَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حِينَ فَرَّغَ مِنْ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ أَنْ لَا يَأْتِيَهُ أَحَدٌ لَا يَنْهَرُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ فِيهِ أَنْ يُخْرِجَهُ مِنْ خَطِيئَتِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ (مسند احمد 6644)

ترجمہ حدیث: سلیمان بن داود علیہ السلام نے جب بیت المقدس کی تعمیر فرمائی تو اللہ تعالیٰ سے انہوں نے تین چیزیں مانگیں، اللہ عزوجل سے مانگا کہ وہ لوگوں کے مقدمات کے ایسے فیصلے کرے جو اس کے فیصلے کے موافق ہوں، تو انہیں یہ چیز دے دی گئی، نیز انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ایسی سلطنت مانگی جو ان کے بعد کسی کو نہ ملی ہو، تو انہیں یہ بھی دے دی گئی، اور جس وقت وہ مسجد کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ جو کوئی اس مسجد میں صرف نماز کے لیے آئے تو اسے اس کے گناہوں سے ایسا پاک کر دے جیسے کہ وہ اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا ہوا۔

انہی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شداد بن اوس رضی اللہ عنہ ہیں جن کی قبر بیت المقدس کی چار دیواری کے قریب قبرستان باب الرحمة الاسلامیہ میں موجود ہے۔ الحمد للہ اس قبرستان میں ان صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کرنے کا موقع بھی میسر آیا۔ شداد ان کا نام ہے اور ابو یعلیٰ اور ابو عبد الرحمن کنیت، قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے تعلق ہے، اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ان کے بھتیجے ہیں۔ اوس بن ثابت، شداد رضی اللہ عنہ

کے پدرگرامی تھے، عقبہ ثانیہ اور بدر کی شرکت کا فخر حاصل کر چکے تھے۔ احد میں شہادت پائی، والدہ کا نام صرمیہ تھا اور بنونجار کے خاندان عدی سے تھیں۔ ان کے والد اور چچا اور تقریباً تمام خاندان مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا، شدا دین اللہؓ بھی انہیں لوگوں کے ساتھ ایمان لے آئے۔

بہت کمسن تھے، غزوات میں شاذ و نادر حصہ لیا۔ عہد نبوت کے بعد شام میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ فلسطین، بیت المقدس اور حمص میں قیام پذیر رہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں علوم و فنون کے مرجع تھے، فرمایا کرتے تھے کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں بعض عالم ہوتے ہیں لیکن غصہ آور اور مغلوب الغضب بعض حلیم اور بردبار ہوتے ہیں لیکن جاہل اور علوم و فنون سے بے بہرا ہوتے ہیں۔ حضرت شدا دین اللہؓ ان چند لوگوں میں سے تھے جو علم و عمل کے مجمع البحرین تھے۔ مسجد جابیہ میں، ابن غنم، حضرت ابودرداءؓ اور حضرت عبادہ بن صامتؓ ٹہل ٹہل کر باتیں کر رہے تھے، حضرت شدا دین اللہؓ بھی آپہنچے اور کہا لوگوں! مجھ کو تم لوگوں سے جو کچھ ڈر ہے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت پیروی نفس اور شرک میں مبتلا ہو جائے گی۔ اخیر کا فقرہ چونکہ تعجب انگیز تھا تو اس لئے حضرت ابودرداءؓ اور حضرت عبادہ ابن صامتؓ نے اعتراض کیا اور اسکی سند میں ایک حدیث پیش کی کہ شیطان جزیرہ عرب میں اپنی پرستش سے بالکل ناامید ہو چکا، پھر ہمارے مشرک ہونے کے کیا معنی؟ حضرت شدا دین اللہؓ نے فرمایا ایک شخص نماز، روزہ، زکوٰۃ دکھاوے کیلئے کرتا ہے، آپ لوگ اس کو کیا سمجھتے ہیں، سب نے جواب دیا مشرک فرمایا میں نے اس کے متعلق خود حضور ﷺ سے حدیث سنی ہے کہ ان چیزوں کو بطور ریاء بجالانے والا مشرک ہوتا ہے، حضرت عوف بن مالکؓ بھی ساتھ تھے، بولے کہ جتنا عمل خالص ہوگا اس کے قبول ہونے کی امید ہے، باقی جس میں شرک کی آمیزش ہے، وہ مردود ہوگا اس بنا پر ہم کو اپنے عمل پر اعتماد کرنا چاہیے، حضرت شدا دین اللہؓ نے جواب دیا حدیث قدسی میں لکھا ہے کہ مشرک کے تمام اعمال اس کے معبود کو دے دیئے جائیں گے۔ اللہ اس کا محتاج نہیں۔ حضرت شدا دین اللہؓ کو حدیث کے علم میں نہایت فہم و بصیرت حاصل تھی۔ حضرت شدا دین اللہؓ کے سلسلہ سے جو حدیثیں مروی ہیں ان کی تعداد پچاس کے

قریب ہے۔ اخلاق و عادات کے اعتبار سے نہایت عابد اور پرہیزگار تھے، اللہ سبحانہ تعالیٰ سے ہر وقت خوف کھاتے تھے، بسا اوقات رات کو آرام فرمانے کے لئے لیٹتے پھر اٹھ بیٹھتے اور تمام رات نماز پڑھتے کبھی منہ سے نکلتا

## اللَّهُمَّ اِنَّا رَقَد حِلْت بَيْنِي وَبَيْنَ النُّوْمِ

نہایت حلیم طبع انسان اور کم سخن تھے۔ جب گفتگو کرتے تو دل آویز اور شیریں ہوتی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شہداء رضی اللہ عنہم دو خصلتوں میں ہم سے بڑھ گئے: بولنے کے وقت وضاحت بیان میں اور غصہ کے وقت حلم اور عفو و درگزر میں۔ حفظ لسان اور کم سخنی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ سفر کے دوران کوئی بات کہہ دی تو اس پر انہوں نے کہا کہ جب سے مسلمان ہوا، میرے منہ میں لگام ہی رہی ہے، آج یہ کلمہ نکل گیا تو تم بھی اس کو بھول جاؤ۔

ان میں ایک اور خاص بات یہ تھی کہ مسلمانوں کے انقلاب اور تغیر کو نہایت سختی سے محسوس کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رونے لگے لوگوں نے وجہ دریافت کی تو ارشاد ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے اپنی امت کے خواہش نفس اور شرک میں مبتلا ہونے کا خوف ہے، میں نے عرض کیا آپ کی امت مشرک ہو جائیگی؟ فرمایا ہاں لیکن اس طرح کہ سورج، چاند بت کونہ پوجے گی، البتہ ریا اور مخفی خواہشوں کا غلبہ ہوگا صبح کو آدمی روزہ دار اٹھے گا لیکن جب خواہش تقاضا کرے گی تو وہ روزہ بے خوف و خطر توڑ دے گا۔

مریضوں کی خصوصی طور پر عیادت کیا کرتے تھے اور بارگاہ رسالت میں تشریف فرما رہتے تھے۔ حُب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ بقیع تشریف لے گئے تو حضرت شہداء رضی اللہ عنہم کا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پکڑے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، چہرے پر اداسی چھائی ہوئی تھی ارشاد ہوا کہ تمہیں کیا ہوا؟ بولے یا رسول اللہ! مجھ پر دنیا تنگ ہے، فرمایا تم پر تنگ نہ ہوگی، شام اور بیت المقدس فتح ہوگا اور وہاں تم اور تمہاری اولاد امام ہوگی، یہ پیشگوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی، وہ اپنی اولاد کے ساتھ بیت المقدس میں اقامت گزریں ہوئے اور تمام شام کے علم و فضل کے

مرجع بن گئے۔ 58ھ میں بھرم 75 سال انتقال فرمایا اور بیت المقدس کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

### مولانا محمد علی جوہر الہندی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر

آج اتوار کے دن قائد سفر کے طے کردہ پروگرام کے مطابق بعد نماز فجر بیت المقدس کے صحن میں احباب جمع ہو گئے۔ اسی احاطہ میں دنیائے اسلام کی عظیم شخصیت مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ کی قبر اطہر موجود ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی قبر سے متعلق برطانیہ کی تحریک ختم نبوت کے عظیم ساتھی جناب عزت خان صاحب نے راقم سے ایک سال قبل ذکر فرمایا تھا، راقم کو اس پر بڑی حیرانی ہوئی کہ آپ کی پیدائش 1878ء میں ہندوستان میں ہوئی وقات انگلستان میں ہوئی اور تدفین بیت المقدس میں ہوئی حدیث پاک میں آتا ہے:

إِذَا قَضَى اللَّهُ بِعَبْدٍ أَنْ يَمُوتَ بِأَرْضٍ جَعَلَ لَهُ إِلَيْهَا حَاجَةً...

(عن مطر ابن عكاص رضی اللہ عنہ أخرجه الترمذی، مشکوٰۃ شریف ص 22، باب الايمان بالقدر رقم الحديث

(۲۱۳۲)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کی موت کو کسی زمین میں مقدر کرتا ہے تو اس زمین کی

طرف اس کی ضرورت پیدا کر دیتا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، رقم الحديث ۲۱۹۸۴)

انسان کی موت بھی مقدرات میں سے ہے۔ آدمی کو یہ بات معلوم نہیں کہ جہاں یہ اپنی زندگی

گزار رہا ہے اسی جگہ اس کو موت آئے گی یا کسی اور جگہ اس کی قبر بنے گی۔

وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

ترجمہ: اور کسی جی کو خبر نہیں کہ کس زمین میں مرے گا

جہاں موت مقدر ہوتی ہے آدمی کسی بہانے سے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ عالم

اسلام کے عظیم رہنما تھے۔ جوہران کا تخلص ہے۔ ریاست رام پور میں پیدا ہوئے۔ دو سال کے تھے کہ

والد کا انتقال ہو گیا۔ والدہ بہت ہی زیادہ مذہبی خصوصیات سے مرعہ تھیں۔ اس لیے بچپن ہی سے تعلیمات اسلامی سے گہرا شغف تھا۔ ابتدائی تعلیم رام پور اور بریلی میں پائی تھی۔ عصری تعلیم کے لیے علی گڑھ چلے گئے۔ بی اے کا امتحان اس شاندار کامیابی سے پاس کیا کہ الہ آباد یونیورسٹی میں اول آئے۔ آئی سی ایس کی تکمیل آکسفورڈ یونیورسٹی برطانیہ میں کی۔ واپسی پر رام پور اور بڑوڈہ کی ریاستوں میں ملازمت کی مگر جلد ہی ملازمت سے دل بھر گیا اور کلکتہ جا کر انگریزی اخبار کا مرید جاری کیا۔ مولانا کی لاجواب انشاء پردازی اور ذہانت طبع کی بدولت نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ہند بھی کامرید بڑے شوق سے پڑھا جاتا تھا۔

انگریزی زبان پر عبور کے علاوہ مولانا کی اُردو دانی بھی مسلم تھی۔ انہوں نے ایک اردو روز نامہ ہمدرد بھی جاری کیا جو بے باکی اور بے خوفی کے ساتھ اظہار خیال کا کامیاب نمونہ تھا۔ جدوجہد آزادی میں سرگرم حصہ لینے کے جرم میں مولانا کی زندگی کا کافی حصہ قید و بند میں بسر ہوا۔ تحریک عدم تعاون کی پاداش میں کئی سال جیل میں رہے۔ 1919ء کی تحریک خلافت کے بانی آپ ہی تھے۔ ترک موالات کی تحریک میں گاندھی جی کے برابر شریک تھے۔ جامعہ ملیہ دہلی آپ ہی کی کوششوں سے قائم ہوا۔ آپ جنوری 1931ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کی غرض سے انگلستان تشریف لائے۔ یہاں آپ نے آزادی وطن (آزادی ہندوستان) کا مطالبہ کرتے ہوئے مقامی لوگوں سے فرمایا کہ اگر تم میرے ملک کو آزاد نہ کرو گے تو میں واپس نہیں جاؤں گا اور تمہیں میری قبر بھی یہیں بنانا ہوگی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ہی آپ نے لندن میں انتقال فرمایا۔ تدفین کی غرض سے جسدِ خاکی بحری جہاز کے ذریعے پہلے مصر اور پھر بیت المقدس لے جایا گیا۔ مولانا کو اُردو شعر و ادب سے بھی دلی شغف تھا۔ بے شمار غزلیں اور نظمیں لکھیں جو مجاہدانہ رنگ سے بھر پور ہیں۔ راقم نے بیت المقدس کے احاطہ میں موجود ان کی قبر کی زیارت کی۔ مولانا کی مرقد اطہر ایک کمرے میں موجود ہے اور ہر ایک کو اس کمرے میں جانے کی اجازت بھی نہیں ہے، البتہ عام زائرین کے لئے باہر جالی کی کھڑکی بنا رکھی ہے، وہاں سے با آسانی قبر کی زیارت کی جاسکتی ہے۔ اس جالی والے کمرے کی پیشانی پر ہرے رنگ سے پرانے طرز پر کندہ کر کے جلی حروف میں عربی زبان میں مولانا محمد علی

جو ہر الہندی رضی اللہ عنہ رقم کیا گیا ہے۔ ان کی قربانیوں کو یاد کر کے دعا کی اور اگلی منزل کی طرف ہولنے۔

### حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

بھائی فضل محمود صاحب رات و دن رات کے ساتھ سائے کی طرح رہے موقع بہ موقع اور قدم قدم پر انتہائی شفقت و احترام کے ساتھ ہمارے اس قافلے کی مکمل رہنمائی اور مستقل خدمت کرتے رہے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ ہوٹل واپسی سے قبل آج کی زیارت کی آخری منزل، مقام حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہے۔ یروشلم القدس میں موجود ایک محلے میں، جس کا نام یاد نہ رہا مسجد سلمان فارسی رضی اللہ عنہ موجود ہے جو جبل زیتون اور مسجد اقصیٰ سے دس منٹ کی مسافت پر ہے۔ قافلے کے ہمراہ جب وہاں پہنچے تو عصر کی نماز ہو چکی تھی لہذا ہم نے الگ جماعت کرائی۔ اسی مسجد کے ایک الگ حصہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک مقبرے پر حاضری دی لیکن راتم نے بعد میں تحقیق کی تو پتہ چلا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا انتقال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں 36ھ مدائن میں ہوا تھا۔ صحیح تحقیق کے مطابق ان کا مدفن عراق کے شہر مدائن میں حضرت حدیفہ الیمان رضی اللہ عنہ کی قبر اطہر کے پڑوس میں ہے۔ ایک قول کے مطابق فلسطین کے شہر نابلس کے علاقے بورین میں قبر موجود ہے لیکن صحیح قول کے مطابق جس کی توثیق و تائید علامہ ابن عبد البر رضی اللہ عنہ نے بھی کی ہے کہ ان کی قبر عراق کے شہر مدینۃ المدائن میں ہے اور وہاں چونکہ سلمان طاہر الباک کے نام سے ایک علاقہ بھی مشہور ہے، اور ایک مسجد بھی ان کے نام سے منسوب ہے۔ اب یہ نہیں معلوم یروشلم میں موجود اس علاقے کی مسجد سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے یا کسی اور کی قبر کو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ بہر حال آج کے دن کا سفر راتم اسی مقام پر مکمل کر کے ہوٹل کی طرف روانہ ہوا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا، جموسی نام ماہ تھا، اسلام کے بعد سلمان رکھا گیا اور بارگاہ نبوت سے سلمان الخیر لقب ملا، ابو عبد اللہ کنیت ہے، سلسلہ نسب ماہ ابن بوذخشان بن مورسلان بن یہودان بن فیروز ابن سہرک ہے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے والد اصفہان کے جی نامی قریہ کے باشندہ اور وہاں کے زمیندار و کاشتکار تھے، ان کو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے اس قدر محبت تھی کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر کی چار دیواری سے نکلنے نہ دیتے تھے، آتشکدہ کی دیکھ بھال ان ہی کے متعلق رکھی تھی، چونکہ مذہبی جذبہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ میں ابتداء سے تھا، اس لیے جب تک آتش پرست رہے اس وقت تک آتش پرستی میں سخت غلور ہا اور نہایت سخت مجاہدات کیے، شب و روز آگ کی نگرانی میں مشغول رہتے تھے، حتیٰ کہ ان کا شمار ان پجاریوں میں ہو گیا تھا جو کسی وقت آگ کو بجھنے نہ دیتے تھے۔

زمین ان کے والد کے معاش کا ذریعہ تھی۔ اس لیے زراعت کی نگرانی وہ بذات خود کرتے تھے۔ ایک دن وہ گھر کی مرمت میں مشغولیت کی وجہ سے کھیت پر خود نہ جاسکے اور اس کی دیکھ بھال کے لیے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ ان کو راستہ میں ایک گر جاملا، اس وقت اس میں عبادت ہو رہی تھی، عبادت کی آوازیں سن کر دیکھنے کے لیے گرجے میں چلے گئے۔ عبادت کے نظارہ سے ان کے دل پر خاص اثر ہوا اور مزید حالات کی جستجو ہوئی۔ عیسائیوں کا طریقہ عبادت اس قدر بھایا کہ بے ساختہ زبان سے نکل گیا کہ یہ مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے، چنانچہ کھیتوں کا خیال چھوڑ کے اسی میں مچھو گئے۔ عبادت ختم ہونے کے بعد عیسائیوں سے پوچھا کہ اس مذہب کا سرچشمہ کہاں ہے۔ انہوں نے کہا کہ شام میں، پتہ پوچھ کر گھر واپس آگئے۔ باپ نے پوچھا کہ اب تک کہاں رہے؟ جواب دیا کہ کچھ لوگ گرجے میں عبادت کر رہے تھے۔ مجھ کو ان کا طریقہ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ غروب آفتاب تک وہیں رہا۔ باپ نے کہا: وہ مذہب تمہارے مذہب کے برابر بھی نہیں ہے، جواب دیا، بخدا! وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں برتر ہے، اس جواب سے ان کے باپ کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ خیال تبدیل مذہب کی صورت میں نہ ظاہر ہو، اس لیے بیڑیاں پہنا کر مقید کر دیا، مگر ان کے دل میں تلاش حق کی تڑپ تھی، اس لیے عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ جب شام کے تاجر آئیں تو مجھ کو اطلاع دینا، چنانچہ جب وہ آئے تو ان کو خبر کر دی گئی۔ انہوں نے کہا کہ جب وہ واپس ہوں تو مجھے بتلانا، چنانچہ جب کاروان تجارت واپس لوٹنے لگا، ان کو خبر کی گئی، یہ بیڑیوں کی قید سے

نکل کر ان کے ساتھ ہو گئے۔ شام پہنچ کر دریافت کیا کہ یہاں سب سے بڑا مذہبی شخص کون ہے؟ لوگوں نے وہاں کے پادری کا پتہ دیا، اس سے جا کر کہا کہ مجھ کو تمہارا مذہب بہت پسند ہے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس رہ کر مذہبی تعلیم حاصل کروں اور مجھ کو اس مذہب میں داخل کر دو۔

چنانچہ وہ مجوسیت کے آتشکدے سے نکل کر آسمانی باپ کی بادشاہت کی پناہ میں آ گئے۔ مگر یہ پادری بہت بد کردار اور بداخلاق تھا، لوگوں کو صدقہ کرنے کی تلقین کرتا اور جب اس کے قبضہ میں آ جاتا تو فقراء اور مساکین کو دینے کی بجائے خود لے لیتا حتیٰ کہ سونے اور چاندی کے سات منٹکے اس کے پاس جمع ہو گئے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اس کی حرص کو دیکھ کر بہت کڑھتے تھے، مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ اتفاق سے وہ مرگیا، عیسائی شان و شوکت سے اس کی تجہیز و تکفین کرنے جمع ہو گئے، اس وقت انہوں نے سارا اعمال نامہ ان لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا، انہوں نے ان کو لے جا کر اس کے اندوختہ کے پاس کھڑا کر دیا، تلاشی لی گئی تو واقعی سات منٹکے سونے چاندی سے بھرے ہوئے برآمد ہوئے، عیسائیوں نے اس کی سزا میں دفن کرنے کے بجائے اس کی نعش کو صلیب پر لٹکا کر سنگسار کیا، اس کی جگہ دوسرا پادری مقرر ہوا، یہ بڑا عابد و زاہد اور تارک الدنیا تھا، شب و روز عبادت الہی میں مشغول رہتا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اس سے بہت مانوس ہو گئے اور دلی محبت کرنے لگے اور آخر تک اس کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے، جب اُس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس سے کہا کہ میں آپ کے پاس عرصہ تک نہایت لطف و محبت کے ساتھ رہا، اب آپ کا وقت آخر ہے، اس لیے آئندہ کے لیے میرے لئے کیا ہدایت ہے؟ اس نے کہا کہ میرے علم میں کوئی ایسا عیسائی نہیں ہے جو مذہب عیسوی کا سچا پیرو ہو، سچے لوگ مر کھپ گئے اور موجودہ عیسائیوں نے مذہب کو بہت کچھ بدل دیا ہے بلکہ بہت سے اُصول تو سرے سے چھوڑ ہی دیے ہیں۔ ہاں موصل میں فلاں شخص ہے جو دین حق کا سچا پیرو ہے تم وہاں جا کر اس سے ملاقات کرنا۔

اس پادری کی موت کے بعد حق کی جستجو میں وہ موصل پہنچے اور تلاش کر کے اس سے ملے، اور اپنا واقعہ بیان کیا کہ فلاں پادری نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ آپ کے یہاں ابھی تک حق کا سرچشمہ اہلتا ہے اور

میں آپ سے مل کر اپنی تشنگی فرو کرنا چاہتا ہوں، اس نے ان کو ٹھہرا لیا پہلے پادری کی رائے کے مطابق یہ پادری واقعی بڑا متقی اور پاکباز تھا، اس لئے انہوں نے اس کے پاس مستقل قیام کر لیا مگر تھوڑے دنوں کے بعد اس کا وقت بھی آ گیا۔ آئندہ کے متعلق حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی وصیت کی خواہش کی۔ اس نے نصیبین میں ایک شخص کا پتہ بتایا چنانچہ اس کی موت کے بعد آپ نصیبین پہنچے اور اس پادری سے ملکر دوسرے پادری کی وصیت بتلائی۔

یہ پادری بھی پہلے دنوں پادریوں کی طرح بڑا عابد اور زاہد تھا۔ سلمان رضی اللہ عنہ یہاں مقیم ہو کر اس سے روحانی تسکین حاصل کرنے لگے۔ ابھی کچھ ہی دن اس کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا کہ اس کا وقت بھی آخر ہو گیا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے گذشتہ پادریوں کی طرح اس سے بھی آئندہ کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ اس نے عموریہ میں گوہر مقصود کا پتہ دیا چنانچہ اس کی موت کے بعد انہوں نے عموریہ کا سفر کیا اور وہاں کے پادری سے مل کر پیام سنایا اور اس کے پاس مقیم ہو گئے، کچھ بکریاں خرید لیں، اس سے مادی غذا حاصل کرتے تھے اور صبر و شکر کے ساتھ روحانی غذا پادری سے حاصل کرنے لگے۔

جب اس کا پیمانہ حیات بھی لبریز ہو گیا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنی سرگذشت سنائی کہ اتنے مراتب طے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا، آپ بھی آخرت کا سفر کرنے کو آمادہ ہیں، اس لیے میرا کوئی سامان کرتے جائیے، اس نے کہا: بیٹا میں تمہارے لیے کیا سامان کروں؟ آج دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں ہے، کہ جس سے ملنے کا میں تمہیں مشورہ دوں، البتہ اب اس نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے، جو ریگستانِ عرب سے اٹھ کر دینِ ابراہیم علیہ السلام کو زندہ کرے گا اور کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا، اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کریگا لیکن صدقہ کو اپنے لیے حرام سمجھے گا، اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی؛ اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا۔ اس پادری کے مرنے کے بعد کچھ عرصہ تک عموریہ میں رہے، کچھ دنوں بعد بنو کلب کے تاجرا دھر سے گذرے۔ آپ نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھ کو عرب پہنچا دو تو میں اپنی گائیں اور بکریاں تمہاری نذر کر دوں گا، وہ لوگ تیار ہو گئے لیکن ان عربوں نے وادی القریٰ میں

پہنچ کر ان کو دھوکا دیا اور ایک یہودی کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر ڈالا، کھجور کے درخت نظر آئے تو اس بندھی کہ شاید یہی وہ منزل مقصود ہے جس کا پادری نے پتہ دیا تھا، تھوڑے دن قیام کیا تو یہ امید بھی منقطع ہو گئی، جب یہودی آقا کا چچا زاد بھائی مدینہ سے ملنے آیا، اس نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو اس کے ہاتھ بچ دیا۔

وہ اپنے ساتھ ان کو مدینہ لے گیا اور سلمان فارسی، غلامی درغلامی کی رسوائی سہتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے، مگر ہاتھ غیب تسکین دے رہا تھا کہ یہ غلامی نہیں ہے۔

درحقیقت اس غلامی پر جو مقصود عالم کے آستانے تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے ہزاروں آزادیاں قربان ہیں، جوں جوں محبوب کی منزل قریب آتی جاتی تھی کشش بڑھتی جاتی تھی، اور آثار و علامات بتاتے تھے کہ شاید مقصود کی جلوہ گاہ یہی ہے، اب ان کو پورا یقین ہو گیا اور دیدار جمال کی آرزو میں یہاں دن کاٹنے لگے۔ اس وقت آفتاب رسالت مکہ پر تو افگن ہو چکا تھا لیکن جو رستم کے بادلوں میں چھپا تھا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو آقا کی خدمت سے اتنا وقت نہ ملتا کہ خود اس کا پتہ لگاتے، آخر انتظار کرتے کرتے وہ روز مسعود بھی آ گیا کہ مکہ کا آفتاب عالم تاب مدینہ کے افق پر طلوع ہوا، حرمان نصیب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی شب ہجر تمام ہوئی اور صبح اُمید کا اُجالا پھیلا، یعنی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے کچھ درست کر رہے تھے اور آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے چچا زاد بھائی نے آکر کہا کہ خدا بنی قیلہ کو غارت کرے، سب کے سب قبا میں ایک شخص کے پاس جمع ہیں، جو مکہ سے آیا ہے، یہ لوگ اس کو نبی سمجھتے ہیں، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے کانوں تک اس خبر کا پہنچنا تھا کہ یارائے ضبط باقی نہ رہا، صبر و شکر کا دامن چھوٹ گیا، بدن میں سنسناہٹ پیدا ہو گئی اور قریب تھا کہ کھجور کے درخت سے فرش زمین پر آجائیں، اسی مدہوشی کے عالم میں جلد از جلد درخت سے نیچے اترے اور بدحواسی میں بے تحاشا پوچھنے لگے تم کیا کہتے ہو؟ آقا نے اس سوال پر گھونسا مار کر ڈانٹا کہ تم کو اس سے کیا غرض تم اپنا کام کرو، اس وقت حضرت سلمان رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے لیکن اب صبر کیسے ممکن تھا

کھانے کی کچھ چیزیں پاس تھیں ان کو لے کر دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے سنا ہے،  
 کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اور کچھ غریب الدیار اور اہل حاجت آپ کے ساتھ ہیں، میرے  
 پاس یہ کھجوریں صدقہ کے لیے رکھی تھیں، آپ لوگوں سے زیادہ ان کے مستحق کون ہو سکتے ہیں؟ اس کو قبول  
 فرمائیے، آنحضرت ﷺ نے دوسرے لوگوں کو کھانے کا حکم دیا مگر خود نوش نہ فرمایا۔ اس طرح سے حضرت  
 سلمان رضی اللہ عنہ کو نبوت کی ایک علامت کا مشاہدہ ہو گیا کہ نبی صدقہ نہیں قبول کرتا، دوسرے دن پھر ہدیہ لے کر  
 حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کل آپ نے صدقہ کی چیزیں نہیں نوش فرمائی تھیں۔ آج یہ ہدیہ قبول فرمائیں۔  
 آپ ﷺ نے قبول فرمایا، خود بھی نوش کیا اور دوسروں کو بھی دیا، اسی طرح سے دوسری نشانی یعنی مہر نبوت کی  
 زیارت کی اور پچشم پریم آپ کی طرف بوسہ دینے کو جھکے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: سامنے آؤ! وہ سامنے  
 آئے اور اپنی ساری سرگذشت سنائی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام ختم نبوت کی بہت بڑی دلیل  
 ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے قبول اسلام کی دلچسپ داستان اپنے تمام اصحاب کو سنوائی۔ حضرت  
 سلمان رضی اللہ عنہ جب اپنا گوہر مقصود پا چکے تو اس دولت کو اپنے دل کے خزانے میں رکھ کر آقا کے گھر واپس  
 آئے، اتنے مرحلوں کے بعد وہ دین سے ہم آغوش ہوئے۔ غلامی کی مشغولیت کے باعث فرائض مذہبی ادا  
 نہ کر سکتے تھے۔ اسی وجہ سے غزوہ بدر و احد میں شریک نہ ہو سکے، اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا  
 کہ اپنے آقا کو معاوضہ دے کر آزادی حاصل کر لو۔ تین سو کھجور کے درخت اور چالیس اوقیہ سونے  
 پر معاملہ طے ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں سے سفارش فرمائی کہ اپنے بھائی کی مدد کرو، سب  
 نے حسب حیثیت کھجور کے درخت دیئے۔ اس طریقہ سے تین سو درخت ان کو مل گئے اور آنحضرت ﷺ  
 کی مدد سے ان کو لگایا اور زمین وغیرہ ہموار کر کے ایک شرط پوری کر دی۔ اب سونے کی ادائیگی باقی رہ گئی  
 اس کا سامان بھی خدا نے کر دیا، آنحضرت ﷺ کو کسی غزوہ میں مرغی کے بیضہ کے برابر سونا مل گیا، آپ نے  
 حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو دے دیا، یہ وزن میں ٹھیک چالیس اوقیہ تھا، اس سے گلو خلاصی حاصل کی اور  
 آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے لگے۔

(قبل از اسلام سے آزادی تک کے کل حالات مسند احمد بن حنبل: ۵/ ۴۱ تا ۴۲، سے ماخوذ ہیں) غلامی سے آزادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ مستقل اقامت اختیار کی۔ اس وقت بالکل غریب الدیار تھے، کوئی شناسا نہ تھا، آنحضرت ﷺ نے مکہ مہاجرین کی طرح ان کے اور ابو دراء رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخاۃ کرادی۔ (بخاری: ۲/ ۸۹۸، مواخاۃ کے معنی بھائی چارہ کے ہیں)

بدروا حد کی لڑائیاں ان کی غلامی کے زمانہ میں ختم ہو چکی تھیں۔ آزادی کے بعد پہلا غزوہ خندق پیش آیا، اس میں انھوں نے اپنے حسن تدبیر سے دونوں لڑائیوں کی تلافی کر دی۔ غزوہ خندق میں تمام کفار مسلمانوں کے درپے ہو گئے اور تہیہ کر لیا کہ ان کا کامل استیصال کر دیں گے، حملہ خود مدینہ پر تھا، جس کے چاروں طرف نہ قلعہ تھا، نہ فصیل تھی اور مقابلہ بھی بہت سخت تھا، ایک طرف کفار کی تعداد ریگستان عرب کے ذروں کے برابر تھی اور دوسری طرف مٹھی بھر مسلمان تھے، آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں سے مشورہ کیا اور خصوصی طور پر سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مشورے میں شامل تھے، چونکہ وہ ایران کی صف آرائیاں دیکھے ہوئے تھے، اس لیے جنگی اصولوں سے اچھی طرح واقف تھے چنانچہ انہوں نے مشورہ دیا، کہ اس وقت کھلے میدان میں مقابلہ کرنا اچھا نہیں ہے، بلکہ مدینہ کے چاروں طرف خندقیں کھود کر شہر کو محفوظ کر دینا چاہیے۔ یہ تدبیر مسلمانوں کو بہت پسند آئی اور اسی پر عمل کیا گیا۔ (ابن سعد: ۲/ ۴۸)

خندق کی کھدائی میں آنحضرت ﷺ بھی بہ نفس نفیس شریک ہوئے تھے اور مٹی ڈھوتے ڈھوتے شکم مبارک مٹی سے اٹ گیا تھا، اور رجزیہ اشعار زبان مبارک پر جاری تھے (بخاری، کتاب المغازی، غزوہ خندق) ذیقعدہ سنہ ۵ھ میں طرفین میں جنگ شروع ہوئی، عربوں کو اس طریقہ جنگ سے واقفیت نہ تھی وہ آئے تو تھے مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کیلئے، مگر یہاں آ کر دیکھا کہ ان کے اور مدینہ کے بیچ میں خندق کی فصیل حائل ہے، وہ بائیس دن تک مسلسل محاصرہ کیے پڑے رہے مگر شہر تک پہنچنا ان کو نصیب نہ ہوا، اور آخر کار نا کام واپس پھر گئے۔ غزوہ خندق کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تمام لڑائیوں میں مسلمانوں کے دوش بدوش شریک رہے۔ (مسند ابن حنبل: 7/ 44) اور غزوہ خندق کے بعد سے کوئی غزوہ

ایسا نہیں ہوا جس میں شریک ہو کر داد شجاعت نہ لی ہو۔ (اسد الغابہ 2330)

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ عرصہ دراز تک مدینہ میں رہے۔ عہد صدیقی کے آخر یا عہد فاروقی کی ابتداء میں انہوں نے ملک عراق میں اور ان کے اسلامی بھائی ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ملک شام میں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں کی اقامت کے بعد ابو درداء رضی اللہ عنہ کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مال اور اولاد کی حیثیت سے بہت نوازا۔ انہوں نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ تم سے جدا ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مال و دولت اور اہل و عیال سے سرفراز کیا اور ارض مقدس کی سکونت کا شرف بخشا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یاد رکھو! مال و دولت اور اولاد کی کثرت میں کوئی خیر نہیں ہے بلکہ خیر اس میں ہے کہ تمہارا حلم زیادہ ہو اور تمہارا علم تم کو نفع پہنچائے، محض ارض مقدس کا قیام کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ تمہارا عمل اس قابل نہ ہو اور عمل بھی اس طرح کا ہو کہ گویا اللہ تم کو دیکھ رہا ہے اور تم اپنے کو مردہ سمجھو۔ (اسد الغابہ ۱۵/۲۲)

ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ طور پر شریک ہوئے اور چونکہ خود ایرانی تھے اس لیے فتوحات میں بہت قیمتی امداد پہنچائیں، مگر اصول اسلام کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ ایک ایرانی قصر کے محاصرہ کے وقت جارحانہ حملے سے پہلے محصورین کو سمجھا دیا کہ میں بھی تمہارا ہم قوم تھا لیکن خدا نے مجھ کو اسلام سے نوازا، تم لوگ عربوں کی اطاعت گزاری سے کسی طرح نہیں بچ سکتے تم کو سمجھائے دیتا ہوں کہ اگر تم اسلام لا کر ہجرت کر کے ہم میں مل جاؤ تو تم کو اہل عرب کے حقوق دینے جائیں گے اور جو قانون ان کے لیے ہے وہی تم پر جاری کیا جائے گا اور اگر اسلام نہیں قبول کرتے اور صرف جزیہ منظور کرتے ہو تو ذمیوں کے حقوق تم کو ملیں گے اور ان کا قانون تم پر نافذ کیا جائے گا، تین دن تک برابر تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہے، جب کوئی اثر نہ ہوا تو حملہ کا حکم دے دیا اور مسلمانوں نے قصر مذکور بزرگ شمشیر فتح کر لیا۔ (مسند احمد بن حنبل: ۵/۴۴۱)

فتح جلولا میں بھی شریک تھے اور وہاں مشک کی ایک تھیلی ان کے ہاتھ آئی تھی (ابن سعد: ۴/

۶۶) جس کو اپنی زندگی کے آخری لمحات میں کام میں لائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدائن کی حکومت پر سرفراز ہوئے، چونکہ حضرت سلمان

فارسی مقررین بارگاہ نبوی میں سے تھے، اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، اس وقت آپ ایک گدے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے، سلمان رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر گدا ان کی طرف بڑھا دیا۔ (متدرک حاکم: ۵۹۹/۳)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیمار پڑے، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عیادت کو گئے تو رونے لگے، سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ابو عبد اللہ رونے کا کون سا مقام ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خوش خوش دنیا سے اٹھے، تم ان سے حوض کوثر پر ملو گے، بچھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملاقات ہوگی، کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم میں موت سے نہیں گھبراتا اور نہ دنیا کی حرص باقی ہے، رونا یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا تھا کہ ہمارا دنیاوی ساز و سامان ایک مسافر کے زادراہ سے زیادہ نہ ہو؛ حالانکہ میرے گرد اس قدر سانپ (اسباب) جمع ہیں، سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کل سامان جس کو سانپ سے تعبیر کیا تھا، ایک بڑے پیالے، ایک لگن اور ایک تسلی سے زیادہ نہ تھا، اس کے بعد سعد رضی اللہ عنہ نے خواہش کی کہ مجھ کو کچھ نصیحت کیجئے، فرمایا: کسی کام کا قصد کرتے وقت، فیصلہ کرتے وقت اور تقسیم کرتے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھا کرو۔ (ابن سعد: ۵۴/۴)۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس بیماری کے دوران میں نے اور احباب نے بھی نصیحت اور وصیت کی خواہش کی، فرمایا تم میں سے جس سے ہو سکے اس کی کوشش کرے کہ وہ حج، عمرہ، یا قرآن پڑھتے ہوئے جان دے دے اور فسق و فجور اور خیانت کی حالت میں نہ مرے۔ (ابن سعد: ۴/۵، ۶)

وقت آخر آیا تو اپنی بیوی سے وہی مشک کی تھیلی منگائی اور اپنے ہاتھ سے پانی میں گھول کر اپنے چاروں طرف چھڑکوا یا اور سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا، لوگ تنہا چھوڑ کر ہٹ گئے تھوڑی دیر کے بعد پھر گئے تو دیکھا کہ روح قفس خاکی سے پرواز کر چکی تھی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے دن کا بڑا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزرتا تھا، اس لیے قدرتاً آپ علوم و معارف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کافی بہرہ ور ہوئے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کے مبلغ علم کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: ان کو علم اول اور علم آخر سب کا علم تھا اور وہ خود ایسا دریا تھے جو خود کنارے سے

نا آشارہا، وہ ہمارے اہل بیت میں سے تھے، دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ علم و حکمت میں لقمان حکیم کے برابر تھے (ابن سعد: ۴/۶۶)۔ علم اول سے مراد کتب سابقہ کا علم اور علم آخر سے مقصود آخری کتاب الہی یعنی قرآن کا علم ہے اور اہل بیت سے ہونا آنحضرت ﷺ سے قربت و اختصاص کی بنا پر اور اس لیے کہ عربوں میں ان کا کوئی خاندان نہ تھا، آپ نے ان کو یہ اعزاز اشرف بخشا کہ اپنے اہل بیت میں داخل کر لیا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جو خود بھی بہت بڑے عالم اور صاحب کمال صحابی تھے۔ ان کے کمال علم کے معترف تھے، چنانچہ ایک مرتبہ اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ چار آدمیوں سے علم حاصل کرنا۔ ان میں ایک سلمان رضی اللہ عنہ کا نام بھی تھا (ابن سعد: ۴/۶۱)۔ ایک موقع پر خود بان نبوت ﷺ نے ان کے علم و فضل کی ان الفاظ میں تصدیق کی ہے کہ سلمان رضی اللہ عنہ علم سے لبریز ہیں (ابن سعد: ۴/۶۱)۔ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ سلمان رضی اللہ عنہ فضلاء صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں تھے۔ (اسد الغابہ: ۳۳۱/۲)

آپ کی کوششوں سے حدیث کا کافی حصہ اشاعت پذیر ہوا، آپ کے مرویات کی تعداد ۶۰ ہے، ان میں سے تین حدیثیں متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ ایک مسلم میں اور تین بخاری میں منفرد ہیں۔

(تہذیب الکمال: 147)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، ابوالطفیل رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، اوس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ آپ کے زمرہ تلامذہ میں سے ہیں۔

گو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ علم اول اور آخر کے امین تھے، تاہم حدیث بیان کرنے میں بہت محتاط تھے، اس لیے ان کی مرویات کی تعداد ۶۰ سے زیادہ متجاوز نہ ہوئیں، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدائن میں لوگوں سے ایسی باتیں بیان کرتے تھے، جو آنحضرت ﷺ نے غصہ کی حالت میں کسی سے فرمائی تھیں لوگ اس کی تصدیق کیلئے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، آپ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ خود زیادہ اچھا جانتے ہیں، لوگوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے آکر کہا کہ ہم نے آپ کی بیان کردہ حدیث

سلمان رضی اللہ عنہ کو سنائی وہ اس کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تردید۔ حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ نے آکر سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جو کچھ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اس کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کچھ غصہ میں کہہ دیتے تھے اور بعض اوقات خوش ہو کر کچھ فرمادیتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اس قسم کی باتوں کو بیان کر کے کسی کو کسی کا دوست اور کسی کو کسی کا دشمن بنا دو گے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، کہ غصہ کی حالت میں اگر کسی کے متعلق کوئی برا کلمہ نکل جائے تو اس کو بھی اس کے حق میں خیر کی بات سمجھ لینا۔ پھر ان سے کہا کہ تم اس قسم کی باتوں سے باز آؤ نہیں تو میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو آگاہ کر دوں گا۔ (مسند احمد بن حنبل: ۵/۴۱)

چونکہ وہ اسلام کے قبل عرصہ تک نصرانی مذہب کے پیروکار تھے اسلئے عیسائی مذہب کے متعلق بھی کافی معلومات رکھتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ سلمان دو کتابوں کا علم رکھتے ہیں، کلام اللہ کا اور انجیل کا، مذہب عیسوی کے مسائل محض پادریوں کی زبانی نہیں سنے تھے، بلکہ خود انجیل کا مطالعہ کیا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے توراہ میں دیکھا ہے، کہ کھانے کے بعد وضو کرنے سے برکت ہوتی ہے۔ (مسند احمد بن حنبل: ۵/۴۱) (نوٹ: یہاں وضو سے مراد ہاتھوں کا دھونا ہے)

### عام حالات میں تقرب بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس مخصوص زمرے میں تھے، جس کو بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خاص تقرب حاصل تھا، مخصوص صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کے علاوہ کم لوگ ایسے تھے جو بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی پذیرائی میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ہمسری کر سکتے ہوں، غزوہ خندق کے موقع پر جب مہاجرین اور انصار علیحدہ علیحدہ جمع ہوئے تو مہاجرین کہتے تھے کہ سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے زمرہ میں ہیں، انصار کہتے تھے کہ ہماری جماعت میں ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے اہل بیت میں ہیں۔ (مستدرک حاکم: ۳/۵۹۸)

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سلمان رضی اللہ عنہ کی شب کی تنہائی کی صحبت آنحضرت ﷺ کے پاس اتنی لمبی ہوتی تھی کہ ہم لوگوں (ازواج رضی اللہ عنہن) کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا، کہ کہیں ہماری باری کی رات بھی اس نشست میں نہ گزر جائے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے، کہ جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے علی، عمار اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی۔ (جامع ترمذی، مناقب سلمان)۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ میں مذہبی جذبہ کی شدت فطری تھی۔ جس طرح آتش پرستی کے زمانے میں سخت آتش پرست اور نصرانیت کے زمانہ میں سخت عابد و زاہد نصرانی تھے۔ اسی طرح مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اسلام کا مکمل ترین نمونہ بن گئے، ان کے اصل فضل و کمال کا میدان یہی تھا۔

ان کا زہد و ورع اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ جس کے بعد رہبانیت کی حد شروع ہو جاتی ہے، اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ عمر بھر گھر نہیں بنایا، جہاں کہیں دیوار یا درخت کا سایہ ملتا پڑے رہتے، ایک شخص نے اجازت چاہی کہ میں آپ کے لیے مکان بنا دوں؟ فرمایا: مجھ کو اس کی حاجت نہیں، وہ پیہم اصرار کرتا رہا، یہ برابر انکار کرتے رہے، آخر میں اس نے کہا کہ آپ کی مرضی کے مطابق بناؤں گا، فرمایا: وہ کیا؟ عرض کیا کہ اتنا مختصر کہ کھڑے ہوں تو سر چھت سے مل جائے اور اگر لیٹیں تو پیر دیواروں سے لگیں، فرمایا خیر اس میں کوئی مضائقہ نہیں چنانچہ اس نے ایک جھونپڑی بنا دی۔ (استیعاب: ۲/۵۷۶)

اس زہد کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تھا، خرافات دنیاوی کو کبھی پاس نہ آنے دیا، وفات کے وقت گھر کا پورا اثاثہ بیس بائیس درہم سے زیادہ کا نہ تھا، بستر میں معمولی سا بچھونا تھا اور دو اینٹیں جن کا تکیہ بناتے تھے، اس پر بھی روتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ انسان کا ساز و سامان ایک مسافر سے زیادہ نہ ہونا چاہیے اور میرا یہ حال ہے (مسند احمد بن حنبل: ۵/۴۳۸، ۴۳۹)۔ یہ حالت زندگی کے ہر دور میں قائم رہی، جب امارت کے عہدے پر ممتاز تھے، اُس وقت بھی کوئی فرق نہ آیا، حسن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ سلمان رضی اللہ عنہ جب پانچ ہزار تنخواہ پاتے تھے اور تیس ہزار نفوس پر حکومت

کرتے تھے، اس وقت بھی صرف ان کے پاس ایک چادر تھی جس میں لکڑیاں جمع کرتے تھے، اس کا آدھا حصہ بچھاتے تھے اور آدھا اوڑھتے تھے (ابن سعد: ۲۲ / ۴)۔ زہد و ورع کا یہ حال تھا کہ خادم کو گوشت کی بوٹیاں گن کر دیا کرتے تھے کہ مبادا اس کی طرف سے کوئی سوء ظن نہ پیدا ہو۔

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیم کے خلاف رہبانیت کی طرف مائل تھے، مذہبی اصول کے ساتھ ساتھ دنیاوی حقوق کا بھی پورا پورا لحاظ رکھتے تھے، اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی تصویر حیات میں تکلف کے آب و رنگ کے بجائے سادگی بہت غالب تھی، جو ہر زمانہ میں یکساں قائم رہی، مدائن کی امارت کے زمانہ میں جب کہ شان و شوکت اور خدم و حشم وغیرہ تمام لوازم ان کے لیے مہیا ہو سکتے تھے، اس وقت بھی ان کی سادگی میں کوئی فرق نہیں آیا، لباس میں ایک عبا اور ایک اونچا پاجامہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ اسی امارت کے زمانہ میں اس شان و شوکت سے نکلے کہ سواری میں بلا زین کا گدھا تھا۔ لباس میں ایک تنگ اور چھوٹی قمیض تھی، جو سواری پر سے کسی وجہ سے اٹھ گئی تھی، جس سے گھٹنے بھی نہ چھپتے تھے، ٹانگیں کھلی ہوئی تھیں، لڑکے اس بے چارگی میں دیکھ کر ان کے پیچھے لگ گئے۔ لوگوں نے یہ طوفان بد تمیزی دیکھا تو ڈانٹ کر ان کو ہٹایا کہ امیر کا پیچھا کیوں کرتے ہو۔ ایک دستہ فوج کی سرداری سپرد ہوئی، فوجی امارت کی شان و شوکت کا تو کیا ذکر یہاں معمولی سپاہی کی بھی وضع قطع نہ تھی، چنانچہ فوجی نوجوان دیکھ کر ہنستے اور کہتے کہ یہی امیر ہیں؟ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی والدہ فرماتی ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مدائن سے شام آئے، اس وقت وہاں کے گورنر تھے مگر اپنی سادگی کی وجہ سے معمولی لباس اور ابتر حالت میں تھے، ان سے کہا گیا کہ آپ نے اپنے کو اس قدر ابتر کیوں بنا رکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ آرام و راحت تو صرف آخرت کے لیے ہے۔

ابو قلابہ راوی ہیں کہ ایک شخص حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے یہاں گیا، دیکھا تو بیٹھے آٹا گوندھ رہے ہیں، پوچھا خادم کہاں ہے؟ کہا، کام سے بھیجا ہے، مجھ کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دودو کاموں کا بار اس پر ڈالوں۔ اس غیر معمولی سادگی کی وجہ سے لوگوں کو ان پر اکثر مزبور کا گمان ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک

شخص نے جانور کے لیے چارہ خریدا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کھڑے تھے ان سے کہا کہ اس کو گھر تک پہنچادو، وہ اٹھا کر لے چلے، راستہ میں لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے لائیے ہم پہنچادیں، یہ حال دیکھ کر اس شخص نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، وہ سن کر بہت نادم ہوا اور کہا کہ آپ تکلیف نہ کیجئے، آپ نے فرمایا اس میں مجھے نیت کا ثواب ملتا ہے، اب میں اس بوجہ کو بغیر پہنچائے نیچے نہیں رکھ سکتا۔

فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ بھی آپ کا نمایاں وصف تھا، جو کچھ آپ کو تنخواہ ملتی تھی وہ کل کی کل مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے اور خود چٹائی بن کر معاش پیدا کرتے تھے، اور چٹائی کی آمدنی کا بھی ایک تہائی اصل سرمایہ کے لئے رکھ لیتے تھے اور ایک تہائی خیرات کرتے تھے، ارباب علم کے بڑے قدر دان تھے، جب کوئی رقم ہاتھ آجاتی تو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے شائقین کو بلا کر کھلا دیتے تھے۔ (ابن سعد: ۴/۶۴)

صدقات سے بہت سخت پرہیز کرتے تھے۔ اگر کسی چیز میں صدقہ کا ادنیٰ شائبہ ہوتا تو اس سے بھی احتراز کرتے، ایک غلام نے خواہش کی کہ مجھ کو مکاتب بنا دیجئے، فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے، کہا میں لوگوں سے مانگ کر ادا کر دوں گا، فرمایا تم مجھ کو لوگوں کے ہاتھ کا دھوون کھلانا چاہتے ہو (حالانکہ اس کا مانگنا ان کے لیے صدقہ نہ تھا)۔ (ابن سعد: ۴/۶۴)

### امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی فلسطین میں ایک دُعا

بیت المقدس کون نہیں آیا! ساری کائنات کے امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تشریف لائے تو کون شخص ایسا ہے جو طلب نہ رکھتا ہو۔ ابن بطوطہ نے بھی ساری کائنات کا سفر کر کے بیت المقدس میں عاجزانہ حاضری دی، مگر وہ زیادہ تفصیلات نہیں بتاتا البتہ عمارت کی تحسین میں رطب اللسان ہے اور چٹان وقبہ کا ذکر ضرور کرتا ہے۔

مشہور ایرانی سیاح ”ناصر خسرو“ 438ھ/1047ء میں ”بیت المقدس“ آیا تھا۔ اس کے عہد

میں کچھ تبدیلیاں آچکی تھیں۔ ”امام غزالی“، ”خسرو“ کے پچاس برس بعد بیت المقدس آئے تھے انہوں نے مغربی دیوار سے ایک تیر کے فاصلے پر اقامت اختیار کی، ’غزالی‘ کی زیارت کے چار سال بعد 1099ء میں اسلام پر بدترین دن آ گیا تھا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اسلامی تاریخ کا وہ درخشاں ستارہ ہیں، جس کی کرنیں چوتھی صدی ہجری کے وسط میں دنیائے اسلام میں نمودار ہوئیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فکر انگیز نظریات کے سبب مسلم دنیا پر بہت ہی گہرے نقوش چھوڑے ہیں، جو آج بھی اسلامی فلسفہ علم و حکمت، تصوف و روحانیت، معاشرتی اقدار اور اخلاقیات کی اصلاح کے لیے ایک اساس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی زندگی کے احوال اور سوانح کو صرف نظر کرتے ہوئے، ان کی زندگی کا ایک پہلو جس کا تعلق بیت المقدس سے ہے، اس کا ذکر نازائین مسجد اقصیٰ کے لئے خصوصاً اس مصروف زندگی میں بیت اللہ یا مسجد اقصیٰ نہ جانے کے بہانے تراشنے والوں کے لئے بہت ہی آئیڈیل ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت تصوف کی راہ اپنانے کے لئے بہت بے قرار رہتی تھی، لہذا رخت سفر باندھنے کا ایک بار مصمم ارادہ کر لیا۔ یہ کام اگرچہ طبیعت پہ بہت گراں تھا مگر امام صاحب نے اس کو اختیار کر کے سب کچھ ترک کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ بغداد سے نکل کر شام کی طرف چل پڑے اور دمشق پہنچ کر مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ بس روزانہ یہی شغل رہتا تھا۔ جامع اموی کے غربی مینار پر چڑھ کر دروازہ بند کر لیتے اور تمام دن مراقبہ اور ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ مسلسل دو برس تک دمشق میں قیام رہا۔ اگرچہ زیادہ وقت مجاہدہ و مراقبہ میں گزرتا تھا تاہم علمی اشغال بھی ترک نہیں ہوئے تھے۔ جامع اموی دمشق کی ایک تاریخی یونیورسٹی کہلاتی تھی۔ اس میں غربی جانب جو زاویہ تھا وہاں بیٹھ کر ہمیشہ درس دیا کرتے تھے۔ راقم نے 2005ء کے حج کے سفر میں وہ تاریخی جگہ اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ دو برس کے بعد دمشق سے بیت المقدس کا رخ کیا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ جب امام صاحب دمشق میں تھے، تو ایک دن مدرسہ امینیہ میں تشریف لائے تو مدرس نے جو امام صاحب کو پہچانتا تھا گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ غزالی نے یہ لکھا ہے۔ امام صاحب اس خیال سے کہ یہ امر عجب اور غرور کا سبب ہوگا۔ اسی وقت دمشق

سے نکل کھڑے ہوئے بہر حال دمشق سے نکل کر بیت المقدس پہنچے۔ یہاں بھی یہی شغل رہا کہ صحرہ کے حجرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتے اور مجاہدہ کیا کرتے۔

بیت المقدس کی زیارت سے فارغ ہو کر مقام خلیل تشریف لے گئے، جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مرقد اطہر پر حاضری دی۔ وہاں سے حج کی نیت سے پہلے مدینہ منورہ کے سفر کا قصد کیا مکہ میں کافی مدت قیام رہا اسی سفر میں مصر و اسکندریہ پہنچے اور اسکندریہ میں کافی مدت رہے۔ یہاں سے یوسف بن تاشقین سے ملنے کے لئے مراکش جانا چاہتے تھے لیکن اسی اثناء میں یوسف کا انتقال ہو گیا اور اس ارادے سے باز آنا پڑا۔ 994ھ میں جب مقام خلیل میں پہنچے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر بڑی ہی عجیب دعا فرمائی، اس میں تین باتوں کا عہد کیا کہ کسی بادشاہ کے دربار میں نہیں جاؤں گا۔ کسی بادشاہ کا عطیہ نہیں لوں گا اور کسی سے مناظرہ نہیں کروں گا۔ چنانچہ مرتے دم تک ان باتوں کے پابند رہے۔ مقام خلیل پر امام صاحب کی دعا اور عہد اس مقام کی اہمیت اور رحمت کی تابانی کو اجاگر کرتی ہے۔

### بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کا چلہ خانہ

یروشلیم القدس انبیاء علیہم السلام، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، بزرگوں اور ولیوں کا شہر کہلاتا ہے اولیاء اللہ جہاں بھی رہائش پذیر ہوں، پہلے مسجد اقصیٰ کی زیارت اور حاضری لگاتے تھے پھر حرمین شریفین کی طرف رخت سفر باندھتے۔ راقم کی دعا ہے کہ ایسے بھی کوئی ترتیب بن جائے اور تینوں مقامات پر حاضری کی سعادت ایک ساتھ نصیب ہو جائے، راقم نے تین سفروں کے دوران جو کچھ بیت المقدس میں دیکھا اس کا مشاہداتی منظر نامہ کافی تفصیل کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کرتا رہا۔ اب اس مکمل دستاویزاتی کتاب کو مرتب کرنے کا ارادہ کیا۔ راقم پہلے عرض کر چکا ہے کہ بیت المقدس اور فلسطین کے اس مقدس خطے میں بہت سے ایسے مقامات موجود ہیں جو ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔ ابھی کچھ اسی موضوع پر لکھ ہی رہا تھا، کہ ہمارے ہر دل عزیز بزرگ ساتھی مقیم اسکاٹ لینڈ مولانا منظور الزماں صاحب کا فون آیا۔ ابھی وہ

حال ہی میں پہلی بار بیت المقدس کی زیارت کر کے تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ تاریخی شہر بیت المقدس (یروشلم) میں مسجد اقصیٰ کے احاطہ میں ایک چھوٹا سا کونہ ایسا بھی ہے جو بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے منسوب ہے، میں اسے دیکھ آیا ہوں۔ راقم کو بڑی ہی حیرت ہوئی کہ ہمیں تین سفروں کے دوران یہ جگہ دستیاب نہ ہو سکی، مولانا کی کارگزاری سن کر بہت ہی خوشی ہوئی۔ بتایا یہ جاتا ہے سنہ 1200ء کے لگ بھگ، صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی فوجوں نے صلیبیوں سے جب یروشلم حاصل کیا تو ہندوستان سے آئے ہوئے ایک بزرگ نے اس شہر میں مبارک قدم رکھا تھا۔ اس بزرگ کا نام فرید الدین اور لقب 'گنج شکر' تھا اور ان کا تعلق برصغیر بھر میں پھیلے ہوئے مشہور سلسلے چشتیہ سے تھا۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ بیت المقدس تشریف لائے تو تھے لیکن یہ نہیں معلوم کہ بابا نے کتنا عرصہ بیت المقدس میں گزارا تھا لیکن اتنی بات معلوم ہوئی ہے کہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ مسجد اقصیٰ کے ارد گرد پتھر کے فرش پر چھاڑ دیتے اور اپنا وقت زیادہ تر روزہ رکھ کر خاموشی سے عبادت میں گزارتے۔ اتنا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بیت المقدس کے احاطہ میں زاویۃ الہند نامی گلی میں بابا رحمۃ اللہ علیہ کا ایک تاریخی چلہ خانہ اور سرائے اب بھی موجود ہے۔ اس سرائے کے موجودہ رکھوالے 86 سالہ محمد منیر انصاری جنگ عظیم دوم سے پہلے سے اس مقام پر رہائش پذیر ہیں، اور وہ کئی فلسطینی تاریخی دنوں کے گواہ بھی ہیں۔ ایک زمانے میں لوگ بحری جہاز سے حج کے سفر کے دوران پہلے بیت المقدس آتے اور پھر کچھ دن اسی سرائے میں قیام کر کے مکہ مکرمہ کی طرف چلے جاتے۔ پھر جنگ عظیم کی وجہ سے حاجیوں کا سلسلہ رک گیا۔

خلافت عثمانیہ کے دور کے مشہور سیاح ایویا سیلمی 17 ویں صدی عیسوی میں یہاں پہنچے تو انہوں نے لکھا کہ یروشلم میں اللہ والوں کے 70 خانقاہ اور چلہ خانہ تھے اور انہوں نے یروشلم کو بزرگوں کا مسکن قرار دیا ہے۔

عمواس میں کیا دیکھا

اس سفر بیت المقدس 5 تا 10 ستمبر 2018ء میں کئی اور اہم زیارتوں کا اضافہ ہوا، جن میں بیت

المقدس سے 25 کلومیٹر کے فاصلہ پر ایئر پورٹ لد کی طرف جاتے ہوئے سڑک کے کنارے پر بڑا ہی اہم تاریخی قبرستان موجود ہے۔ اس کے ایک طرف قبریں ہی قبریں اور دوسری طرف کنیڈا پارک کے نام سے لوگوں کے لئے ایک پارک بنا دیا گیا ہے، یہ علاقہ یا بستی عمواس اور اموات کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا زیادہ حصہ موجودہ اسرائیل میں ہے کچھ حصہ تھوڑے عرصے پہلے تک اردن میں شامل تھا اور خلافت راشدہ کے بہت بعد تک یہ سارا علاقہ شام میں شامل تھا۔ یہ جگہ مسیحی برادری کے نزدیک بھی بڑی اہم ہے، اور عیسائی مذہب کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہونے کے بعد یروشلم کے قریب اپنے شاگردوں کے سامنے اسی جگہ ظاہر ہوئے تھے۔ راقم نے سفر سے واپسی پر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ قبرستان تاریخ میں طاعون عمواس کی وجہ سے مشہور ہے، یہ عمواس میں پھیلنے والی ایک مہلک و بائسھی جس سے ایک اندازے کے مطابق 35 ہزار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ علیہم اجمعین وفات پا گئے تھے۔ 18ھ بمطابق 639 سن عیسوی میں یہ واقعہ پیش آیا۔ مؤرخین نے اس کو دور فاروقی رضی اللہ عنہ کا اہم واقعہ شمار کیا ہے۔

اس میں بہت سے اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی وفات ہوئی، ان میں ابو عبیدہ بن جراح، معاذ بن جبل، یزید بن ابی سفیان، حرث بن ہشام، سہیل بن ہشام رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل تھے۔

## دجال سے جنگ کا خاتمہ باب لد پر

انبیاء کی سرزمین بیت المقدس کی زیارت کرنے کی سعادت حاصل کرنا راقم کی زندگی کا ایک خواب اور چیلنج تھا۔ رب تعالیٰ نے اس سفر کی سعادت کی تکمیل کو سہل فرما دیا۔ اس پر جتنے بھی شکرانے کے نوافل پڑھے جائیں کم ہیں۔ رب تعالیٰ سے دعا ہے کہ بار بار یہ سعادت نصیب فرمائیں۔ ساتھ ساتھ قائد

سفر مفتی عبدالوہاب صاحب اور رفقائے ختم نبوت کا بھی بہت مشکور ہوں جنہوں نے یہ مبارک موقع میسر فرمایا، اور ان کی ذرہ نوازی ہے کہ ان کی وجہ سے اس سفر کے دوران بہت ہی مناسب سہولتیں بھی میسر آئیں، جو عام طور پر کم زائرین کو نصیب ہوتی ہیں۔ یہ یادگار سفر جس کو اب سال ہونے کو ہے اب تک آتش شوق کو فروزاں کئے ہوئے ہے، اور یہ حال تمام زائرین کا اب تک برقرار ہے۔ جو بھی مقدس مقامات کو دیکھنے کے بعد گھر کو لوٹا ہے وہ ہجر و فراق کی کیفیت لے کر آیا ہے۔ یہ پہلا نہایت مختصر سفر تھا جو 6 تا 11 جولائی میں کیا گیا جس کو زندگی بھر یاد رکھا جائے گا، اس کے بعد ایک ہی سال میں دو مرتبہ اور جانے کا موقع ملا۔ راقم بیت المقدس کے اس مبارک سفر کے دوران چار روز میں کی گئی زیارتوں اور مختلف مقامات مقدسہ کا سیر حاصل اور تفصیل سے مختلف اوقات میں تذکرہ کرتا رہا ہے۔

اس سفر کے آخری روز نماز ظہر بیت المقدس میں ادا کرنے کے بعد ایئر پورٹ کی طرف روانگی سے قبل دنیا کی آخری عمر کے مقام کی طرف روانہ ہوا۔ جہاں دجال اکبر کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے خاتمہ فرمائیں گے۔ دجال اکبر کا خروج برحق ہے، اس میں کسی شک و شبہ یا تردد کی کوئی گنجائش نہیں، اس لئے کہ احادیث صحیحہ اور متواترہ سے اس کا ثبوت پایہ تکمیل تک پہنچ چکا ہے۔ قرب قیامت دجال کا آنا فتنہ و فساد پھیلانا اور آخر کار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچنا علم خداوندی میں طے شدہ ہے، بلکہ علمائے امت کا اجماع بھی موجود ہے۔ خروج دجال علامات قیامت میں سے بذات خود ایک اہم ترین علامت اور دوسری علامتوں کی تکمیل ہے۔ اسی لئے علمائے کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ اپنی اولاد اور اہل خانہ کو اس فتنہ کے بارے میں آگاہ کرتے رہیں، مزید لکھتے ہیں کہ ہر عالم کے لئے ضروری ہے اور خاص طور پر اس زمانے میں جب کہ فتنے عام ہو چکے، نکالیف بڑھ گئیں، نشانات سنت مٹانے کی کوشش ہو رہی ہو اس صورت حال میں سلسلہ دجال کی احادیث کی اشاعت اور لوگوں میں اس کا کثرت سے تذکرہ کریں۔

الغرض ہر زمانے میں ہر نبی نے اپنی اپنی قوموں کو اس بڑے فتنے سے باخبر رکھا اور اپنے ایمان بچا کر رکھنے کی ہدایت بھی کی۔ دجال کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ صحیح اور ثابت ہیں، نہ تو ان کی

تردید کی جاسکتی ہے، اور نہ کسی شبہ کی وجہ سے تاویل۔ ان روایات میں نہ تو کوئی اضطراب ہے نہ تعارض، لہذا خروج دجال قیامت کی سب سے اہم علامت ہے۔

راقم کی نظر فتنہ دجال پر لکھی گئی ایک کتاب کی ایک روایت پر گزری کہ دجال کے خروج کے وقت بھی کچھ لوگ ہوں گے جو کہ لوگوں کو اس کے فتنے سے آگاہ کرتے ہوں گے۔ جب دجال مکہ کے قریب جانے کی کوشش کرے گا، تو ایک مخلوق کو پائے گا، اس سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ کہے گا کہ میں میکائیل ہوں مجھے اللہ نے اپنے حرم کی حفاظت کے لئے بھیجا ہے، پھر مدینہ سے گزرے گا تو وہاں بھی یہی سوال کرے گا تو وہاں جواب دینے والے جبریل ہوں گے، دجال میکائیل اور جبریل کو دیکھ کر چیختا ہوا پشت پھیر کر بھاگ کھڑا ہوگا اور حرمین شریفین میں داخلہ کی حسرت دل ہی دل میں لئے جبل احد پر چڑھے گا اور مسجد نبوی کی طرف اشارہ کر کے کہے گا، کہ یہ سفید محل ہی احمدؑ کی مسجد ہے۔ اور ایک مقام پر ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت بیت المقدس میں ہوگی جہاں ان کا قائد ایک صالح مرد ہوگا، دجال یہ سوچ کر کہ مسلمانوں کی اکثریت شام میں جمع ہو رہی ہے، وہ شام کا رخ کرے گا مسلمان بھاگ بھاگ کر شام میں موجود ایک پہاڑی پر پناہ گزین ہوں گے جس کا نام جبل الدخان ہوگا، دجال ان کا محاصرہ کر لے گا اور محاصرہ میں اور سختی کر دے گا، جس کی وجہ سے مسلمان انتہائی پریشان ہو جائیں گے، کھانے کے لئے روٹی اور پینے کے لئے پانی حتیٰ کہ تمام اشیائے ضرورت معطل ہو کر رہ جائیں گی، اس وقت اس قدر بھوک لگے گی کہ جو شخص بیٹھا ہوا ہوگا وہ سب سے زیادہ طاقتور ہوگا تسبیح و تکبیر اور تہلیل ہی مؤمن کی غذا ہوگی۔

محاصرہ جب سخت ہو جائے گا تو ایک مسلمان کہے گا کہ تم کب تک اس سختی اور محاصرہ کا مقابلہ کرو گے، اس دشمن خدا کی طرف چلو، تا آنکہ اللہ ہمارے اور اس کے درمیان فیصلہ شہادت یا فتح فرمادیں۔ کیا تم ان دو بھلائیوں کے درمیان نہیں ہو کہ یا جام شہادت نوش کر لو یا پھر اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر غلبہ دے دیں، اس کی تقریر سن کر لوگوں کو جوش آجائے گا اور اس کے مقابلے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی ہوں گی کہ نماز فجر کا وقت ہو جائے گا، قائد مسلمین امام مہدی علیہ الرضوان نماز پڑھانے کے لئے مصلیٰ

امامت پر جلوہ افروز ہوں گے۔ مگر اقامت کہنا شروع کر دے گا۔

ابھی مہدی علیہ الرضوان نماز شروع نہ کر پائیں گے کہ ہاتف غیبی پکارے گا کہ تمہارا فریادرس آپہنچا۔ اللہ کی مدد آگئی لوگ آپس میں کہیں گے کہ یہ تو کسی پیٹ بھرے کی آواز ہے، یعنی ہم اتنے بھوکے ہیں کہ ہم میں سے کوئی اتنی بلند آواز کے ساتھ نڈانہیں لگا سکتا۔ نصرت خداوندی کا یہ غیبی اعلان سن کر امام مہدی علیہ الرضوان ذرا رک جائیں گے کہ ایک حسین منظر دکھائی دے گا اور چند لمحوں بعد تمام لوگ گویا کہ خواب دیکھ رہے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جامع مسجد دمشق کے مشرقی سفید مینارے کے پاس ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے دونوں ہاتھ فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے پوری شان و شوکت کے ساتھ نزول اجلال فرمائیں گے۔ مسلمانوں کو انہیں دیکھ کر حیرت اور خوشی کی انتہا نہیں رہے گی۔

امام مہدی علیہ الرضوان نبی نہیں ہوں گے اس لئے ایک اولوالعزم پیغمبر کو اس وجاہت اور جاہ و جلال کے ساتھ اترتے دیکھ کر مصلیٰ امامت چھوڑ دیں گے، اور صرف اقتداء میں تشریف لے آئیں گے اور فرمائیں گے یا روح اللہ! آگے بڑھ کر ہمیں نماز پڑھائیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کمال شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے دونوں کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے، آپ ہی آگے بڑھئے اور نماز پڑھائیے، کیونکہ اس نماز کی اقامت آپ کے لئے ہوئی ہے۔ چنانچہ امام مہدی علیہ الرضوان آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی اقتداء فرمائیں گے۔

بعد ازاں مسلمانوں کی فریادری کے لئے بیت المقدس کی طرف روانہ ہوں گے جب امام مہدی علیہ الرضوان نماز سے فارغ ہوں گے اور جب صبح روشن ہو جائے گی حضرت عیسیٰ علیہ السلام حکم دیں گے کہ مسجد کا دروازہ کھولا جائے حکم کی تعمیل کی جائے گی تو اتنے میں دجال کا لشکر بھاگنا شروع ہو جائے گا لیکن ان پر زمین تنگ ہو جائے گی، اور دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر اس طرح گھلنا شروع ہو جائے گا جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے اور بھاگ کھڑا ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجالی لشکر اور دجال کو اس بری طرح شکست خوردہ بھاگتے ہوئے دیکھ کر فرمائیں گے کہ میری ایک ضرب تو تیرے لئے مقرر ہو چکی ہے، تو مجھ سے بھاگ نہیں

سکتا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر اس کا پیچھا کریں گے اور باب لُد کے مقام پر اسے پکڑیں گے۔

بیت المقدس سے چند کلومیٹر کے فاصلے اور 45 منٹ کی مسافت پر تل ابیب ایئر پورٹ بن گورین واقع ہے۔ جس کو آج سے پہلے لُد کہا جاتا تھا، اور یہ لُد کے شہر کا سب سے بڑا اور انٹرنیشنل ایئر پورٹ کہلاتا ہے، بیت المقدس شہر سے مقام لُد تک کے سفر کے دوران جگہ جگہ سائن بورڈ پر لُد شہر کے واضح اشارات نصب کئے گئے ہیں، راقم نے سب سے پہلے باب لُد پر بنی ایک مسجد جو کہ صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے تعمیر کی تھی، وہاں تھوڑی دیر رُک کر لوگوں سے باب لُد سے متعلق کچھ تفصیلات اور معلومات حاصل کیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اس شہر کا نام ہمیشہ سے لُد ہی تھا کبھی بھی اس کو کسی اور نام سے نہیں پکارا گیا اور پرانی تمام کتابوں میں بھی اس شہر کا نام یہی موجود ہے، دجال کا اسی شہر ارض فلسطین میں مقام لُد پر خاتمہ کیا جائے گا۔

بعض محققین کہتے ہیں کہ ”لُد“ Lud ملک شام اور موجودہ اسرائیل کی سرحد پر آخری شہر ہے۔ بعض کے نزدیک یہ یروشلم کے ایک گاؤں کا نام ہے جبکہ بعض کے نزدیک یہ فلسطین کا ایک مقام ہے۔ یہ مقام آج کل اسرائیل کے ہی تسلط میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے 14 سو سال پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ مبارک تفصیل سے بیان فرمایا تھا تا کہ کسی کو اشتباہ نہ رہے۔ کہیں ایسا نہ ہو ہر ایرے غیرے نھو خیرے کو عیسیٰ سمجھ بیٹھیں۔ جیسے قادیانی گروہ مرزا قادیانی کو عیسیٰ سمجھتا ہے۔ اسی تفصیل سے دجال کا مکمل حلیہ اور وہ مقام جسے لُد کہا جاتا ہے تمام تر معلومات ارشاد فرمادی تھیں۔ اسی طرح راقم کو لُد شہر کا وہ مقام بھی دکھایا گیا جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام و جال کو پکڑ لیں گے اور نیزے سے موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو دجال کا خون نیزہ پر لگا ہوا دکھائیں گے۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ اسی مقام کے بالکل سامنے ایک مسلمان کا بہت ہی وسیع اور شاندار گھر اور بنگلہ موجود ہے اس گھر کی پیشانی پر ماشاء اللہ بھی کندہ کیا گیا ہے۔ حدیث اور روایات مذکورہ بالا میں دجال کا خاتمہ باب لُد پر بتایا گیا ہے اور دجال کے ساتھ ستر ہزار اہل یہود کی جماعت کا ذکر 14 سو سال پہلے ارشاد ہوا۔ اس وقت اسرائیل کا وجود

تک نہیں تھا۔ یہاں ایک بات ادب کے ساتھ گزارش ہے کہ مرزا قادیانی کے 1908 میں مرنے کے اکتالیس سال بعد اسرائیل وجود میں آیا۔

مرزا قادیانی اپنی کتابوں میں اس بات کا مذاق اڑاتا ہے کہ ستر ہزار یہودی توپوری دنیا میں ہیں وہ کس طرح دجال کے ساتھ ہوں گے لیکن اس بیوقوف کو معلوم نہ تھا کہ ساری دنیا کا نظام بدل سکتا ہے مگر محمد عربی ﷺ کی بات جھوٹی نہیں ہو سکتی۔ مرزا قادیانی کے نزدیک اسلام مذاق ہے نعوذ باللہ۔ جو کچھ اس نے کہہ دیا وہ سچ باقی سب جھوٹ۔ اسلام کی جو بات ان کی خواہش کے مطابق نہ ہو وہ غلط ہے۔ راقم کو فلسطین کے اس سفر کے دوران کوئی ایسا فرد نہیں ملا جو باب لد پر دجال کے خاتمے کا منکر ہو۔ دجال سے جنگ کے دوران مسلمانوں کا پڑاؤ دمشق شہر کی ایک سمت ”غوطہ“ میں ہوگا۔ حضرت مکحول رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں (مسلمانوں) کے لئے تین پناہ گاہیں ہیں: جنگ عظیم جو کہ عمق انطاکیہ میں ہوگی اس میں پناہ گاہ دمشق ہے۔ دجال کے خلاف پناہ گاہ بیت المقدس ہے اور یا جوج ماجوج کے خلاف پناہ گاہ کوہ طور ہے۔ حضرت نہیک بن صریم سکونی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تم لوگ مشرکوں سے جنگ کرو گے حتیٰ کہ تمہارے باقی ماندہ لوگ دجال سے دریائے اردن پر جنگ کریں گے۔ تم لوگ مشرقی کنارے پر رہو گے اور دجال کا لشکر مغربی کنارے پر رہے گا۔

مذکورہ بالا نبوی پیشگوئیوں کے تناظر میں اگر ہم موجودہ حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو مستقبل قریب و بعید میں پیش آنے والے حالات کا ہمیں بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔ بلد الشام کا سارا علاقہ جنگ کی لپیٹ میں ہے۔ فلسطین کے حالات قارئین کے سامنے ہیں اور شام و عراق میں جاری تصادم کے نتیجے میں ایسا لگتا ہے کہ یہ سلسلہ اب تھمنے والا نہیں ہے۔

## حضرت مہدی علیہ الرضوان کی ایک لاکھ ستر ہزار کشتیوں میں واپسی

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ بیت المقدس اللہ کے نزدیک بڑی عظیم القدر مسجد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دنیا کے سب گھروں میں ایک ممتاز عظمت والا گھر ہے جس کو اللہ نے سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے لئے سونے چاندی اور جواہرات یا قوت و زمرد سے بنایا تھا اور یہ اس طرح کہ جب سلیمان علیہ السلام نے اس کی تعمیر شروع کی تو حق تعالیٰ نے جنات کو ان کے تابع کر دیا۔ جنات نے سونے چاندی اور جواہرات جمع کر کے یہ مسجد بنائی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر یہ جواہرات کہاں گئے تو فرمایا جب بنی اسرائیل نے اللہ کی نافرمانی کی اور گناہوں اور بد اعمالیوں میں مبتلا ہو گئے اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا تو اللہ نے بخت نصر مجوسی بادشاہ کو ان پر مسلط کر دیا۔ اس نے بیت المقدس پر سات سو سال حکومت کی۔ آیت **فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا أُولَى بَأْسٍ شَدِيدٍ** سے یہی واقعہ مراد ہے۔ بخت نصر کا لشکر مسجد القدس میں داخل ہوا تو مردوں کو قتل اور عورتوں بچوں کو قید کیا اور بیت المقدس کے تمام اموال، سونے چاندی اور جواہرات کو ایک لاکھ ستر ہزار گاڑیوں میں بھر کر اپنے ملک بابل لے گیا اور سو برس تک بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنائے رکھا اور ذلت کے ساتھ خدمت با مشقت لیتا رہا۔

پھر اللہ نے فارس کے ایک بادشاہ کے ذریعے بابل فتح کرا کے بنی اسرائیل کو ان کی قید سے چھڑایا اور وہ اموال بھی بیت المقدس پہنچا دیئے۔ پھر حکم ربانی ہوا کہ اگر پھر نافرمانی کی تو پھر قتل و قید کا عذاب ہوگا۔

**عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا**

لیکن وہ پھر بد اعمالیوں کی طرف لوٹ گئے اور شاہ روم قیصر کو ان پر مسلط کر دیا گیا۔ **فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ** سے یہی مراد ہے۔

شاہ روم نے ان کو بری و بحری دونوں راستوں پر شکست دے کر قتل و قید کیا اور سارا مال کنیستہ الذہب لے گیا۔ یہ مال آج تک وہیں ہے اور وہیں رہے گا یہاں تک کہ حضرت مہدی علیہ الرضوان پھر اس کو ایک لاکھ ستر ہزار کشتیوں میں واپس بیت المقدس لائیں گے اور اسی جگہ اللہ تمام اولین و آخرین کو جمع فرمائیں گے۔ (الحديث بطوله رواه القرطبي في تفسيره) بیان القرآن میں ہے کہ یہ دو نافرمانی کے واقعات دو شریعتوں کی مخالفت ہے شریعت موسوی اور عیسوی۔

حق تعالیٰ کا فیصلہ ہے جب تک بنی اسرائیل اللہ کی اطاعت کریں گے کامیاب رہیں گے اور جہاں دین سے انحراف کریں گے نا صرف دشمن کافر کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوں گے بلکہ قبلہ بیت المقدس بھی توڑ پھوڑ اور بے حرمتی سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔

اب تیسرے دور میں شریعت محمدیہ کی مخالفت کر کے جلاوطن اور رسوا ہوئے اور بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا فرق یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس کو آباد کیا اور از سر نو تعمیر کر کے قبلہ انبیاء کے احترام کو بحال کیا۔

مسلمانوں کے لئے عبرت ہے کہ وہ بھی اس ضابطہ الہیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ ان کی بھی دین و دنیا کی شان و شوکت و عزت و مال اطاعت خداوندی کیساتھ وابستہ ہے۔ جب بھی احکام الہیہ سے منحرف ہوں گے دشمنوں اور کافروں سے مغلوب ہوں گے اور معابد و مسجد کی بے حرمتی بھی ہوگی۔

آج کل بیت المقدس پر اہل یہود کے قبضے اور آگ لگانے کے واقعات سے اسی قرآنی ارشاد کی تصدیق ہو رہی ہے کہ ہم مسلمان آخرت کو بھول کر اللہ و رسول کے احکامات کو پس پشت ڈال کر دنیا کی شان و شوکت میں لگ گئے ہیں۔ ہم سے قبلہ انبیاء چھن گیا ہے اور ہم کروڑوں اربوں پر چند لاکھ کی تعداد میں موجود ذلیل و خوار سمجھی جانے والی قوم غالب آگئی ہے، جن کی حیثیت ہمارے مقابلے میں نہ تعداد کے لحاظ سے کچھ ہے اور نہ ہی مجموعی سامان حرب کے لحاظ سے۔

ہماری بد اعمالیوں کی اس سزا کا علاج بجز اس کے کچھ نہیں کہ بد اعمالیوں پر نادم ہو کر سچی توبہ

کریں، سچے مسلمان بنیں، غیروں کی نقالی اور غیروں پر اعتماد کے گناہ عظیم سے باز آجائیں تو حسب وعدہ دنیاوی و اخروی نصرت ہمارا مقدر ہوگی اور بیت المقدس و فلسطین بھی ہمارے قبضے میں آجائے گا۔  
ان شاء اللہ

لیکن افسوس ہے کہ وہاں کے مسلمان اور عرب، بیت المقدس کی واپسی کی تدبیر بھی غیروں کی امداد کے سہارے کر رہے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی!  
وہ اسلحہ اور سامان جس سے بیت المقدس اور فلسطین واپس مل سکتا ہے صرف انابت و رجوع الی اللہ، آخرت پر یقین اور سیاست و معاشرت میں بھی احکام شریعت کی اتباع اور توکل الی اللہ ہے۔ اللہ ہم مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمادیں۔ آمین!

### حدیث تمیم داری میں دجال کے سوالات

الحمد للہ قافلہ ختم نبوت کے ساتھ 11 تا 16 مئی 2022 میں فلسطین کے پانچویں سفر میں دو اہم مقام کی زیارت کا اضافہ ہوا ہے آج صبح ہی واپسی ہوئی ہے لہذا قارئین کی دلچسپی کے پیش نظر راقم اس کے احوال نقل کر رہا ہے۔

دجال نے لوگوں سے بیسان کی کھجوروں کے باغ، زغر کے چشمے اور بچیرہ طبریہ اور نبی کریم ﷺ کے بارے میں پوچھا۔ ان سوالوں میں آپ غور کریں تو چار میں سے تین سوال پانی سے متعلق ہیں۔ نیز ان جگہوں سے دجال کا یقیناً کوئی تعلق ہے۔

### بیسان کے باغات

بیسان پہلے فلسطین کے اندر تھا۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں اس کو حضرت شریبیل بن حسنہ اور پھر حضرت عمرو بن العاصؓ نے فتح کیا تھا۔ پھر بیسان 1948ء سے پہلے اردن کا حصہ تھا۔ مئی 1948ء میں

اسرائیل نے بیسان شہر سمیت ضلع بیسان کے 29 چھوٹے بڑے دیہاتوں پر قبضہ کر لیا اور اب یہ اسرائیل کے قبضہ میں ہیں۔ جہاں تک بیسان میں کھجوروں کے باغات کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں مشہور مؤرخ ابو عبد اللہ حموی (وفات 626ھ) معجم البلدان میں لکھتے ہیں کہ بیسان اپنی کھجوروں کی وجہ سے مشہور تھا۔ میں وہاں کئی مرتبہ گیا ہوں لیکن مجھے وہاں صرف دو پرانے کھجوروں کے باغ ہی نظر آئے۔ اور اس وقت بھی بیسان کھجوروں کے لئے مشہور نہیں ہے بلکہ اس وقت مغربی کنارے کا شہر ”اریحہ (Jericho)“ کھجوروں کے لئے مشہور ہے۔ اگرچہ بیسان کا کچھ علاقہ ابھی بھی اردن میں ہے جو کہ اردن کے ”غور“ شہر کے علاقے میں ہے اور غور کے علاقے میں اس وقت گندم اور سبزیاں وغیرہ ہوتی ہیں۔ نیز اردن کی زراعت کا مستقبل بھی کچھ اچھا نہیں ہے۔

### بحیرہ طبریہ کی تاریخی اور جغرافیائی اہمیت

دجال کا دوسرا سوال بحیرہ طبریہ سے متعلق تھا۔ بحیرہ طبریہ پر بھی اس وقت اسرائیل کا قبضہ ہے۔ اس کو انگلش میں Sea of Galilee یا Lake of Tiberias اور عبرانی میں یام کنرت (Yam Kinneret) کہتے ہیں۔ بحیرہ طبریہ کے ارد گرد نو شہر آباد ہیں۔ جن میں ایک شہر طبریہ بھی ہے۔ جو یہودیوں کے چار مقدس مقامات میں سے ایک ہے۔ یہ شہر ایک تاریخی پس منظر رکھتا ہے۔ معجم البلدان میں لکھا ہے کہ یہاں ایک بہت قدیم عمارت ہے جس کو ہیکل سلیمانی کہا جاتا ہے۔ اس کے درمیان سے پانی نکلتا ہے، یہاں گرم پانی کے چشمے ہیں۔ بیسان اور غور کے درمیان ایک گرم پانی کا چشمہ ہے جو سلیمان علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے اور بحیرہ طبریہ کے درمیان میں ایک کٹاؤ دار چٹان ہے جس کے اوپر ایک اور چٹان چڑھی ہوئی ہے جو دیکھنے والوں کو دور سے نظر آتی ہے۔ اس علاقے والوں کا اس کے بارے میں یہ خیال ہے کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قبر ہے۔

## بحیرہ طبریہ اور موجودہ صورتحال

بحیرہ طبریہ شمال مشرقی اسرائیل میں اردن کی سرحد کے قریب ہے۔ اس وقت بھی اس میں میٹھا پانی موجود ہے۔ اس وقت اس کی لمبائی شمال سے جنوب 23 کلومیٹر ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ چوڑائی شمال کی جانب ہے جو 13 کلومیٹر ہے۔ اس کی انتہاء گہرائی 157 فٹ ہے۔ اس کا کل رقبہ 166 مربع کلومیٹر ہے۔ اس وقت بحیرہ طبریہ اسرائیل کے لیے میٹھے پانی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ جبکہ بحیرہ طبریہ کے پانی کا بڑا ذریعہ دریائے اردن ہے۔ جو گولان کے پہاڑی سلسلے جبل الشیخ سے آتا ہے۔

## زغر کا چشمہ

دجال کا تیسرا سوال زغر کے چشمے کے بارے میں تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب اللہ نے قوم لوط کو ہلاک کرنے کا فیصلہ فرمایا تو لوط علیہ السلام کو ”سدوم“ کی بستی سے نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ لوط علیہ السلام اپنے ساتھ اپنی دو بیٹیوں کو لے کر نکل گئے۔ ایک کا نام ”ربہ“ اور دوسری کا نام ”زغر“ تھا۔ بڑی بیٹی کا انتقال ہوا تو اسے ایک چشمے کے پاس دفن دیا۔ لہذا اس چشمے کا نام ”عین ربہ“ پڑ گیا۔ دوسری بیٹی زغر کا انتقال ہوا تو اس کو بھی ایک چشمے کے قریب دفن کر دیا۔ اس طرح یہ چشمہ ”عین زغر“ کے نام سے مشہور ہوا۔ ابو عبد اللہ حموی نے مجمع البلدان میں عین زغر کو بحر مردار کے مشرقی جانب بتایا ہے۔ بائبل کے مطابق قوم لوط پر عذاب کے بعد حضرت لوط علیہ السلام جس بستی میں گئے اس کو ”زور“ کہا گیا ہے۔ جو اس وقت بحر مردار کے مشرقی جانب اردن کے علاقے میں ”الصافی“ کے نام سے ہے۔



## مسجد اقصیٰ کے ایک مسافر کی تڑپ

مسجد اقصیٰ! اے خوابوں کی زمیں  
کوئی دنیا میں حسین تجھ سا نہیں

اس زمیں پر قبلہٴ اوّل ہے تو  
دہر کی ظلمت میں اک مشعل ہے تو

تو بلاشبہ حاصل معراج ہے  
اور اُمت کے لئے منہاج ہے

ہے مقدس سرزمین سب کے لئے  
تو ہے خاتمِ کانگنیں سب کے لئے

قلبِ مسلم کی رواں دھڑکن ہے تو  
جو ہر بے باک کا مدفن ہے تو

مسلم امہ کیلئے تو خواب ہے  
دہر میں تیرا بدل نایاب ہے

خون سے تیری سرزمین لبریز ہے  
اب یہ وادی کیا ہے رستاخیز ہے

بہرہ رہا ہے تیرے فرزندوں کا خون  
بے محابا ہے یہودی کا جنون

سجدہ بندوقوں کے سائے میں یہاں  
ہے ستم کا بحر بے کراں  
ہے ہر اک لب پہ دعا اللہ سے  
ہیں مخاطب بے نوا اللہ سے  
اس زمیں کو ظلم سے تو پاک کر  
ظلم کا پردہ جہاں پہ چاک کر  
لاج اب سجدوں کی تیرے ہاتھ ہے  
بے نوا ہیں دولت ایمان اپنے ساتھ ہے

ظلم سے آزاد اس وادی کو کر  
شاد اور آباد اس وادی کو کر  
پوری دنیا آئے سجدہ گاہ میں  
کوئی مشکل بھی نہ آئے راہ میں  
اے خدا اب پوری یہ فریاد ہو  
بیت اقدس ہر طرح آباد ہو

دانش مضطر کی یہ فریاد سن  
اے خدا تو قصہ بیداد سن  
(عقیل دانش)

## جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: فلسطین کی ڈائری پر دلچسپ تبصرے  
تالیف: حضرت مولانا سہیل باوا صاحب زید مجراہم  
ناشر: ختم نبوت اکیڈمی (لندن)  
اشاعت: ۱۴۴۴ھ / 2023ء

## کتاب ملنے کے پتے

مکتبہ عزیز، سلام کتب مارکیٹ، بالمقابل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی  
مکتبہ مروان، دکان نمبر 19، سلام کتب مارکیٹ، بالمقابل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

## شائع کردہ

ختم نبوت اکیڈمی، لندن

**KHATM E NUBUWWAT ACADEMY**

387 Katherine Road , Forest Gate , London E7 8LT , United Kingdom

Phone: 020 8471 4434 | Cell : 0788 905 4549 , 0795 803 3404

Email: khatmenubuwatacademy@gmail.com

Website: www.khatmenubuwat.org

## فہرستِ مضامین

صفحہ	تبصرہ نگار	عنوان
	خالد محمود۔ کراچی۔	تعارف اور خدمات۔ ایک اجمالی جائزہ
	مولانا محمد یاسر حبیب اللہ مختار	ایک تاریخی دستاویز
	بنت انور علی	مطالعہ چور مطالعہ کے شوقین
	سہیل ضرار خلش	مولانا سہیل باوا صاحب کا منفر و سفر نامہ
	فرح مصباح	ارض مقدس بھلائے بیٹھے ہیں
	ڈاکٹر محمد طاہر شہیر	عظمت رفتہ کا ایک ایک نقش
	محمد انور حسین	امت کا قرض اور فرض کفایہ کی ادائیگی
	محمد متین خالد	خوشبو کا سفر
	خالد محمود	زینتِ قرطاس
	قاری عبدالرشید (اولڈ ہم)	گر انقدر ہدیہ پر تشکر
	منفی سعد کمران	دجال کا خاتمہ بابِ لد پر
	حافظ حبیب اللہ چیمہ	منفر و سفر نامہ
	ڈاکٹر شہزاد اقبال شام	صفحہ قرطاس پر بکھیر سکوں
	شکیل احمد بازغ	دلاویز و سحر انگیز انداز
	محمد اشتیاق زاہد	آنکھوں دیکھا حال
	عارف رمضان جتوئی	سفر نامہ ارضِ بیت المقدس... تبصرہ

مفتی ثناء اللہ	ایک عظیم شاہکار
عبدالحمید خان	مقامات مقدسہ کا مشاہدہ
حافظ غلام رحمانی	خوب صورت تحفہ
مفتی یوسف اسعد	فلسطین کی ڈائری، ایک تاریخی دستاویز ایک شاہکار
فہیم الحسن تھانوی	ایک تاریخی دستاویز، ایک شاہکار... عظیم الشان کام
مولانا حماد بن اسحاق	انمول تحفہ
ڈاکٹر محمد عارف صدیقی	کھوئے ہوئے ورثے سے آگاہی
ڈاکٹر مفتی عبدالماجد	مقدس اور پاکیزہ سرزمین کا عظیم سفرنامہ
مظفر اعجاز	لوٹن سے لد (بہترین زیارت)
بنت اقلیم قدوائی	سحر انگیز اور پر لطف سفرنامہ
بنت ابراہیم	نعمت غیر مترقبہ
مشتاق قریشی	آواز دل
سائرہ فاروق	سفر ختم نبوت کی خوبصورت جھلکیاں
عدیہ گل	قبلہ اول کا حسین تذکرہ
بنت عمر	یہ غازی یہ تیرے پر سرار بندے
فریٹاہ بنت محمود	مسجد اقصیٰ کی فریاد
ارم ابرار	ایک دلآویز داستان
فریٹاہ بنت محمود	ابن القدس
ابیہ صدیقی	ایک آ رہی ہے مظلوم کی آہ فلسطین کی پکار
نصرت فدا	باعث فخر

## تعارف اور خدمات

### ایک اجمالی جائزہ

کتبہ: خالد محمود۔ کراچی۔

بلا مبالغہ حضرت مولانا سہیل باوا صاحب دامت برکاتہم العالیہ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں، کیونکہ الحمد للہ یہ اپنے علمی مقام اور ختم نبوت کے مبارک کام کے حوالے سے پوری دنیا میں عالمی مبلغ کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا سہیل باوا صاحب برطانیہ میں رہائش پذیر ہیں، اور ختم نبوت اکیڈمی (لندن) کے ناظم اعلیٰ ہیں، آپ علماء رابطہ کونسل یو کے کے صدر ہیں۔ آپ سماجی کارکن اور ملکی و بین الاقوامی (Interfaith relations and Community Engagement) کے کوآرڈینیٹر ہیں۔ آپ ماشاء اللہ برطانیہ میں سیاسی، سماجی سرگرمیوں میں بھی بھرپور حصہ لیتے ہیں اثر رسوخ رکھتے ہیں۔ آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے، کہ حفظ قرآن کریم سے لے کر درس نظامی تک آپ نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن (کراچی) سے تحصیل علم کیا، اور پھر 1997 میں فارغ التحصیل ہوئے اور جامعہ مسجد بنوری ٹاؤن (کراچی) میں اعزازی مؤذن، امام اور خطیب کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ہیں، گزشتہ دس سال کے عرصہ میں آپ نے دنیا کے پچاس مختلف ممالک کے اسفار کیے، ائمہ حریمین شریفین سمیت تمام ممالک کے مشاہیر، علمائے کرام اور عوام الناس سے ملاقاتیں کیں اور ”ختم نبوت“ کی آواز کو بلند کیا۔ اور لوگوں میں ختم نبوت کی اہمیت اور شعور پیدا کیا، اور ان کو مسئلہ ختم نبوت اور اس کی محنت سے جوڑا اور راسخ اور بنیادی عقائد کا فہم اور شعور بیدار کیا، اگر انکے اسفار کو دیکھا جائے تو موصوف محترم کا ہر سفر ختم نبوت کے عظیم مقصد کے لئے ہوتا ہے اور اپنے ساتھیوں کو رفقائے ختم نبوت کا نام دے کر انکی بھی راہنمائی فرماتے ہیں نیز آپ الحمد للہ اپنی ان تمام مصروفیات کے ساتھ ساتھ الحاد اور مختلف فتنوں کے محاسبہ کے لئے فکر مند رہتے ہیں، اور اس حوالے سے علمائے کرام اور طلباء اور عاملات اور طالبات کی خالص علمی بنیادوں پر رہنمائی اور تربیت کرتے رہتے ہیں، اور اس سلسلہ میں آپ کے آن لائن اسباق بھی ہوتے ہیں، اور اس وقت بھی الحمد للہ مستورات کی چار دن کی کلاسز

لیتے ہیں جن میں باقاعدہ پی ایچ ڈی لیول پہ ختم نبوت کے اسباق پڑھائے جاتے ہیں۔ اسکے ساتھ ساتھ جامعۃ الرشید کے مفتیان اور طلباء کو ’ختم نبوت‘ پر اسباق پڑھا رہے ہیں، برطانیہ سمیت، امریکہ، افریقہ وغیرہ سے سینکڑوں شاگرد و شاگرداں موجود ہیں آپ کے اسباق کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ قادیانی کتب کے حوالہ جات کی مکمل ٹریٹنگ دی جاتی ہے۔ قادیانیوں سے آپ کے مناظروں اور علمی بحث و مباحثہ کی نشستیں اور فون پر گفتگو کا سلسلہ رہتا ہے۔ سوشل میڈیا کی نقل و حرکت کی بہترین انداز سے نگرانی فرماتے ہیں اور ہر میدان میں انٹرنیشنل لیول طریقے کے مطابق کام کرنے کی ہدایات ناصرف دیتے ہیں بلکہ باقاعدہ اس پہ عمل درآمد بھی کرواتے ہیں کہ قانون کے دائرے میں رہ کر ہر کام ہوتا کہ سوشل میڈیا کا وائٹ سسپینڈ یا بلاک نا ہو۔ ہر ہر گروپ کی بطور خاص نگرانی فرماتے ہیں اسکے علاوہ جہاں کہیں بھی تشریف لے جاتے ہیں تو تبلیغی حضرات کی طرح موصوف محترم کی بھی ختم نبوت کی تشکیل کی بھرپور کوشش ہوتی ہے۔ تشکیل کی مہارت آپ کی لاجواب ہے۔ تقریباً ہر طبقے کے لوگ آپ کے حلقہ احباب میں شامل ہیں وجہ آپ کی یہی مہارت تشکیل ہے۔ مختلف مواقع پہ برطانیہ اور دیگر ممالک میں ختم نبوت کانفرنسز کا انعقاد بھی کرتے رہتے ہیں تحریری نشر و اشاعت کے حوالے سے بھی الحمد للہ آپ کی بہت سی تصانیف منظر عام پر موجود ہیں، جن میں ’’دھوکے کا لائنس‘‘، ’’قادیانی غلبہ‘‘، ’’مقالات حیات مسیح علیہ السلام‘‘، ’’گڈ اور بیڈ پرو پگنڈا کرنے والا طبقہ‘‘، ’’فلسطین کی ڈائری‘‘ اور ایسی ہی کئی اور تصانیف آپ کے قلم سے منصف شہود پر آچکی ہیں، اور مزید کتب پر کام جاری ہے، اسی طرح ختم نبوت اکیڈمی (لندن) کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے، کہ اس ادارے نے راقادیانیت اور ختم نبوت پر اکابر علماء کرام کی معروف تصانیف کو شائع کیا ہے، جن میں مشہور کتاب مقدمہ بہاولپور (تین جلدیں) محترم الیاس برنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مینظیر کتاب قادیانیت کا علمی محاسبہ۔ حضرت مولانا محترم مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ختم نبوت کامل اور اسی موضوع کی کئی اور علمی تصانیف شائع ہو کر علمائے کرام اور عوام الناس کی خدمت میں پیش کی جاچکی ہیں۔ حضرت مولانا سہیل باوا صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے اساتذہ میں یوں تو کئی بڑے بڑے علمائے کرام کے اسماء گرامی ہیں، مگر خاص ختم نبوت کے مبارک کام کے حوالے سے اساتذہ حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ صاحب کے

نام قابل ذکر ہیں، حضرت مولانا سہیل باوا صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بہت سی صفات سے نوازا رکھا ہے، ان میں آپ کی ایک اعلیٰ صفت یہ بھی ہے کہ نوجوانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات کے ساتھ ساتھ ان کی رہنمائی اور سماجی مسائل و معاملات میں ان کی اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ ان سارے مبارک کاموں کے ساتھ ساتھ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو یہ اعزاز بھی بخشا ہے، کہ بہت سے قادیانی آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں۔ آپ نے نہ صرف مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کو ختم نبوت پلیٹ فارم پر جمع کیا، بلکہ غیر مسلم برادری کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے میں بھی کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ آپ باقاعدگی سے امن کانفرنسز میں شرکت کرتے ہیں، جس میں نیویارک کی گلوبل پیس کانفرنس قابل ذکر ہے۔ دعا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ حضرت مولانا سہیل باوا صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے علم میں عمل میں اخلاص اور عمر میں مزید برکتیں نازل فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

## فلسطین کی ڈائری ایک تاریخی دستاویز

از: مولانا محمد یاسر حبیب اللہ مختار

گزشتہ دنوں سسر محترم نے فون کر کے برادر مکرم مولانا سہیل باوا صاحب حفظہ اللہ کی کتاب جامعہ کے استاذ محترم حضرت مولانا قاری شیر محمد صاحب سے لینے کا حکم دیا، بندہ نے حضرت قاری صاحب کو فون کیا، جس کے جواب میں حضرت قاری صاحب نے دو کتب ارسال فرمائیں۔ مولانا سہیل باوا صاحب اور مولانا قاری شیر محمد صاحب دونوں ایک دوسرے کے ہم سبق اور آپس میں جگری یار ہیں اور دونوں ہی گرامی قدر والد محترم حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید علیہ الرحمہ کے شاگرد بھی ہیں، اسی بنا پر بندہ کے ساتھ دونوں حضرات کا گہرا محبانہ تعلق بھی ہے۔

یوں تو مولانا سہیل باوا صاحب کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، فتنہ قادیانیت کے حوالے سے برطانیہ کے عوام کی آگہی کے لیے ان کے والد محترم الحاج عبدالرحمن یعقوب باوا صاحب دامت برکاتہم نے برسوں پہلے لندن ہجرت کی، اس دوران والد محترم شہید سے باوا صاحب کا تعلق متواتر قائم رہا۔ مجھے یاد ہے کہ بچپن میں دفترِ اہتمام کے اندر ان کی آمد اور حضرت والد صاحب کی جانب سے ان کے پر تپاک استقبال کی جھلکیاں آج بھی ان کے نام کے ساتھ نظر میں سما جاتی ہیں۔ خیر! بات چل رہی تھی مولانا سہیل باوا صاحب کی، جامعہ سے فراغت کے کچھ عرصہ بعد مولانا سہیل باوا صاحب بھی مستقل برطانیہ سدھار گئے، لیکن وہاں جا کر بھی جس طرح انہوں نے اپنا تعلق جامعہ اور جامعہ کے اساتذہ سے مسلسل برقرار رکھا وہ یقیناً قابلِ تقلید اور لائقِ تحسین عمل ہے۔

ختم نبوت اکیڈمی برطانیہ کے نام کے ساتھ جن دو شخصیات کا تصور سامنے آتا ہے، وہ ان ہی دونوں حضرات کی شخصیات ہیں۔ مولانا سہیل باوا صاحب کو اللہ جل شانہ نے بیک وقت بے شمار خوبیوں

سے نوازا ہے، علم و عمل کے ساتھ تقریر و تحریر میں بھی مولانا اپنا مقام رکھتے ہیں۔ زیر نظر کتاب دراصل مولانا سہیل باوا صاحب کا سفر نامہ ارض بیت المقدس ہے، اسی مناسبت سے انہوں نے اس کتاب کا نام فلسطین کی ڈائری رکھا ہے۔ دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ انتہائی اعلیٰ اور معیاری کاغذ اور پرنٹنگ کے ساتھ ارض فلسطین کے تاریخی مقامات کی تصویری جھلکیاں پڑھنے والوں کو ان مقامات کا سفر کرواتے ہیں، اس کے ساتھ ہی مولانا کا اسلوب بیان اس کتاب کے پڑھنے والوں کو جکڑ لیتا ہے، اگرچہ بندہ مولانا سہیل باوا صاحب کے تحریری ذوق سے پہلے سے واقف ہے، لیکن اس دستاویزی سفر نامہ نے آپ کی شخصیت کے اس پہلو کو بھی خوب اجاگر کیا ہے۔

اس کتاب کو پڑھنے والے تقریباً ہر قاری کی یہ خواہش ہوگی کہ وہ آئندہ مستقبل کے ایسے کسی مبارک سفر میں ان کا ہمراہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی جس چیز نے بندہ کو قلبی طور پر متاثر کیا، وہ اس سفر نامہ کا انتساب ہے، انہوں نے اپنے مرتبین کے نام اس سفر نامہ کو منسوب کر کے ان اکابر کے ساتھ اپنے تعلق کا جو اظہار کیا ہے وہ یقیناً قابل تحسین ہے۔

دعا ہے اللہ رب العزت برادرِ مکرم مولانا سہیل باوا صاحب کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور جس عظیم مقصد میں وہ لگے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دے دے درمے سخنے اس عظیم فریضہ میں شامل ہونے اور رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین

# مطالعہ چور مطالعہ کے شوقین

از بنت انور علی، ممبر سرچ دی ٹرٹھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

موجودہ زمانہ میں مطالعہ کا ذوق اور شوق بہت کم ہوتا جا رہا ہے اور میں بھی انہی مطالعہ چور لوگوں میں شامل تھی، کچھ پڑھائی کی مصروفیت نے دیگر کتب سے کوسوں دور کر دیا تھا اور بس درسی کتب میں ہی گم رہتی تھی۔ کتابوں کی وہ چاہت، وہ طلب نہیں تھی، پھر زندگی نے ایک خوبصورت سفر، سفر ختم نبوت کا آغاز کیا اور استاد محترم سہیل باوا صاحب کا ہدیہ فلسطین کی ڈائری مجھے میری معلمہ زہرہ کے ذریعے سے موصول ہوئی۔ اس کتاب میں ماشاء اللہ ایک عجیب سی کشش تھی جو بندرتے ہوئے بھی اپنی اندر کی ساری باتیں کہتی تھی، اس کتاب نے مجھے مجبور کیا کہ میں مطالعہ کروں۔ خیر مطالعہ کا آغاز ہوا، اب بھی اگرچہ اس طرح کا مطالعہ نہیں جیسا ہونا چاہیے، مگر سفر کا آغاز ہو چکا ہے، الحمد للہ!

یہ میرے اساتذہ کے خلوص کی برکت ہے کہ آج بھی کتب بینی کی جستجو رہتی ہے اور اس کے لیے میں عزت خان صاحب، عبدالرحمن باوا صاحب، استاذ سہیل باوا صاحب دامت برکاتہم العالیہ ختم نبوت اکیڈمی لندن کا تہہ دل سے شکر یہ ادا کرنا چاہوں گی۔ بہت بہت ممنون و مشکور ہوں۔ اللہ پاک دنیا و آخرت کی خیر و برکات اور کامیابیاں نصیب فرمائیں۔ الحمد للہ الحمد للہ آج بھی مجھے 3 اہم کتب موصول ہوئی ہیں: ایک ”The Finality of Prophethood“ جو کہ ختم نبوت کامل کا انگریزی ترجمہ ہے، جس میں 100 آیات 210 احادیث، دلائل ختم نبوت موجود ہیں، دوسری پاکستان نیشنل اسمبلی کی کارروائی کا انگریزی ترجمہ جس کا سہرا میری معلمہ زہرہ کے سر ہے اور تیسری کتاب ”قادیانیت کا مکروہ چہرہ“ اور اس میں سے کتاب (قادیانیت کے مکروہ چہرے) استاذ محترم نے مجھے امتحان میں کامیابی پر عنایت کی ہے، الحمد للہ الحمد للہ۔ بس میرے پاس اپنے جذبات بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ اللہ پاک اپنے خاص

خزائن رحمت سے استاذ صاحب، ان کے اہل و عیال، دوست و احباب گروپ کے ممبرز کو اپنی شان کے مطابق عطا فرمائیں، اور اللہ پاک ہم سے، ہمارے گھرانے سے ہماری نسلوں سے اخلاص اور قبولیت کے ساتھ عافیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی، دین کی خدمت کا کام لیتے رہیں، آمین ثم آمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
مَرکزِ اَلْمَدِیْنَةِ الْعِلْمِیَّةِ  
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عالمی مبلغ ختم نبوت مولانا سہیل باوا صاحب کا منفرد سفر نامہ

## ”فلسطین کی ڈائری“

از: سہیل ضرار خلش

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد مبارک کو مقدم جان کر مسجد اقصیٰ، ارض مقدس اور فلسطین کا سفر کرنا ہر مسلمان کی خواہش و تمنا ہوتی ہے۔ یہی خواہش مولانا سہیل باوا صاحب کو پچھلے سالوں میں کئی بار ارض فلسطین لے گئی، اس سفر کی خوبصورت و بابرکت یادوں پر مشتمل کتاب ”فلسطین کی ڈائری“ دراصل ہمیں اُن مقامات کی آنکھوں دیکھی سیر کرتی ہے۔

پچھلے دنوں مولانا سہیل باوا صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور اُن کی کتاب ”فلسطین کی ڈائری“ کا تحفہ ملا تو طبیعت بشاش ہو گئی۔ ستمبر ۲۰۱۸ میں ہمیں بھی مسجد اقصیٰ جانے کی سعادت نصیب ہوئی اور اُس کا سبب بنے تھے برطانیہ کے جید عالم دین اور مولانا سہیل باوا کے یارِ طرحدار مفتی عبدالوہاب صاحب اور ہمارے دیرینہ دوست بھائی فضل ثانی۔ الحمد للہ دوران سفر بہت سے مقامات کی زیارت نصیب ہوئی اور روح پرور مناظر اپنی یادوں میں سمیٹے، لیکن مولانا سہیل باوا صاحب کی کتاب پڑھ کر یادوں کا در پھر سے وا ہو گیا۔

آپ کا دلکش اندازِ تحریر اور تصاویر کا انتخاب فلسطین کے چپے چپے کی سیر کر دیتا ہے۔ وہ احباب جن کے دل اور روح انبیاء علیہم السلام کی سر زمین سے اپنی آنکھوں کو منور کرنے کے لیے بے قرار ہیں، لیکن اپنی جغرافیائی صورتِ حال کے پیش نظر ابھی تک مسجد اقصیٰ کی زیارت کی سعادت حاصل نہیں کر سکے ہیں، ”فلسطین کی ڈائری“ نے انہیں بھی ارض مقدس کی کوہِ کو سیر کرادی۔ اس شاندار اور تاریخی کتاب میں استاذِ محترم پروفیسر عقیل دانش صاحب کی نظم ”مسجد اقصیٰ کے ایک مسافر کی تڑپ“ بھی شامل ہے۔

ہمیں الحمد للہ اس نظم کو مسجدِ اقصیٰ سے لائیوشو میں سنانے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ مولانا سہیل باوا  
بذلہ سنج آدمی ہیں، بالکل ایک خالص کراچوی (کراچی والے) کی طرح یاروں کے یار، نہ کوئی ہٹو بچو کی  
صداؤں کی خواہش، نہ اپنے علم و فضیلت کے تذکرے، صرف اور صرف دوستی اور خلوص سے ملنا اُن کا شیوہ  
ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی سے محبت کرنے والوں سے محبت کرنا اُن کے خون میں شامل ہے۔ علم  
و ادب سے خصوصی شغف رکھتے ہیں۔ آپ نے ارضِ مقدس فلسطین کے سفر کی روداد لکھ کر تاریخ میں اپنا نام  
سنہرے حروف میں لکھوا لیا۔

## ارض مقدس بھلائے بیٹھے ہیں

### ازفرح مصباح

ارض مقدس بھلائے بیٹھے ہیں  
ضمیر سلائے بیٹھے ہیں  
انبیاء کی سر زمیں کو ہم  
یکسر بھلائے بیٹھے ہیں  
وہ قبلہ اول مسلمانوں کی شان  
انبیاء تھے مقتدی رسول تھے امام  
حاضری اس در کی اور عشق کے جام  
وہ اعلیٰ در اور عالی مقام  
کچھ محبتوں کے نذرانے فلسطین کے نام  
ارض مقدس بھلائے بیٹھے ہیں  
ضمیر سلائے بیٹھے ہیں  
انبیاء کی سر زمیں کو ہم  
یکسر بھلائے بیٹھے ہیں  
وہ قبلہ اول مسلمانوں کی شان  
انبیاء تھے مقتدی رسول تھے امام  
حاضری اس در کی اور عشق کے جام  
وہ اعلیٰ در اور عالی مقام  
کچھ محبتوں کے نذرانے فلسطین کے نام

برکتوں کی سرزمین، انبیاء کا مسکن، رحمتِ الہی کا مظہر، قبلہ اول، زمین سے آسمان تک جانے کی شاہراہ، ارضِ فلسطین وہ بقعہ نور، وہ جگہ جس کی اہمیت اللہ رب العزت اور آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کی ہے۔ مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کے بعد جس مسجد کے لیے سفر کرنے کی اجازت دی گئی اور تقریباً سولہ ماہ تک جس مسجد کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھی گئیں وہ بے شک مسجدِ اقصیٰ ہی ہے۔ ارضِ فلسطین وہی بقعہ نور ہے جہاں انبیائے کرام علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی آمد ہوئی، ان کے مبارک قدم پڑے اور پھر ان کی قبریں بنیں۔ یقیناً ہم نے بہت سے سفر نامے پڑھے ہوں گے، لیکن ”فلسطین کی ڈائری“ ایک منفرد سفر نامہ ہے۔ یہ ایک ایسی کاوش ہے جس نے بلاشبہ امتِ مسلمہ میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ بلاشبہ جو وہاں جا کر سب کچھ دیکھ آئے اور جو اپنے گھر میں بیٹھ کر صرف ورق گردانی پر اکتفا کرے، دونوں برابر تو نہیں ہو سکتے۔ مگر دل کے کچھ راز و نیاز کو نذرِ قرطاس کرنے کا مقصد یہ ہے کہ میرے ساتھ اور لوگوں تک بھی نہ صرف فلسطین کی اہمیت بطور ایک ”مسلم مرکز“ کے جاگ اٹھے، بلکہ فہم و ادراک کے وہ بند درتچے بھی کھل جائیں جس کی اوٹ میں ہمارے ایمان کی تاریخیں یہاں سے جڑی ہیں۔ بلاشبہ ”فلسطین کی ڈائری“ لاشعور سے شعور تک لانے کا ایک سفر ہے۔ عالمی مبلغ ختم نبوت حضرت مولانا سہیل باوا صاحب زید مجدہ کے نہایت شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہم جیسے کئی لوگوں کے دل میں فلسطین کی سوئی ہوئی محبت کو جگایا ہے۔ اللہ رب العزت آپ کے اس عمل کو نہ صرف قبول فرمائے، بلکہ تمام امتِ مسلمہ کو مسجدِ اقصیٰ کے تحفظ کے لیے سرگرم ہونے کی توفیق بخشے، آمین۔ آنے والی اقساط میں ”فلسطین کی ڈائری“ کا جستہ جستہ خلاصہ قارئین تک پہنچانے کی کوشش کی جائے گی، تاکہ ہم اس پُرکشش سفر کو جانیں اور بالفرض آزادی فلسطین تک اگر ہم اپنی زندگی میں مسجدِ اقصیٰ میں سجدہ ریز ہونے کی سعادت نہ بھی حاصل کر سکتے تو اسے محسوس ضرور کر لیں۔

## فلسطین کی ڈائری

تبصرہ از: ڈاکٹر محمد طاہر شہیر، لاہور

معروف شاعر و قلم کار عظیم افسانہ نگار و کہانی کار

بعض لوگوں کے خمیر میں مٹی کے ساتھ ساتھ مقناطیس کے ذرات بھی گندھے ہوتے ہیں جو لوہے کے پنجروں میں قید دماغوں کو بھی اپنی جانب کھینچ لیتے ہیں۔ سماجی روایات اور خود ساختہ اصولوں سے بنے لوہے کے پنجرے ہمارے دماغوں کو بھی زنگ آلود کرتے چلے جاتے ہیں اور پھر اچانک کہیں سے ایک مقناطیسی وجود جیسی شخصیت زندگی میں داخل ہو کر اس لوہے کو موم سے پگھلا دیتی ہے۔ جناب سہیل باوا کے اندر بھی قدرت نے وہی مقناطیس کے ذرات رکھ چھوڑے ہیں۔ میری اتفاقہ ملاقات سہیل باوا سے لندن کے ایک علاقے میں ہوئی اور دوستی کے عقیدت کے رشک کے اور محبت کے سفر کا آغاز ثابت ہوئی۔

وجود کے نہاں خانوں میں جھانکتی آنکھوں کے مالک سہیل باوا نے جہاں اپنی زندگی ختم نبوت کے حوالے سے وقف کر رکھی ہے اور ان کی لائبریری سے لے کر ان کی حکمت و دانش سے بھرپور گفتگو تک ہر پہلو میں فراست اور محققانہ عرق ریزی نمایاں ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ اگر سینے میں ایک ادیب کا دل دھڑکتا ہو تو بات شعور کی حدوں کو پھلانگی ہوئی وجدان اور بے ساختگی تک جا پہنچتی ہے اور قلم سے نکلنے والا ہر لفظ اتنا پُر اثر ہوتا ہے کہ روشنی کی طرح اپنا رستہ خود تلاش بھی کر لیتا ہے اور تعمیر بھی! سہیل باوا کی تخلیقی صلاحیت کا اندازہ مجھے ان کا سفر نامہ فلسطین کی ڈائری پڑھ کر ہوا۔ اردو میں جتنے بھی سفر نامے لکھے گئے وہ یا تو محبوب کی اداؤں اس کی زلفوں کے پیچ و خم اور اس کی رعنائیت کے گرد چکر کاٹنے یا اہل مغرب کی ہوش ربا داستانوں اور فرضی معاشقوں پر مبنی رہے۔

بہت کم ایسے سفر نامے تحریر کیے گئے جن میں سفر نامے کے لگے بندھے اصولوں سے انحراف برتا

گیا اور پھر بھی وہ کامیاب رہے۔ سہیل باوا کا سفر نامہ بھی انہی میں سے ایک ہے۔ فلسطین کی ڈائری پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ یہ محض ایک سفر نامہ ہی نہیں بلکہ اس میں سہیل باوا ایک محقق، مؤرخ اور عالم کا کردار بھی ادا کر رہے ہیں اور جگہ جگہ مستند علمی حوالے اس سفر نامہ کو اور بھی معتبر کر دیتے ہیں۔

یہ سفر نامہ جہاں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کا ایک ایک نقش واضح کرتا ہے، وہیں سہیل باوا کا قلم تمام مسلمانوں کے اس اضطراب اور بے بسی کی شدت کا روپ دھار لیتا ہے اور قاری اس سفر نامے سے ایک منفرد احساس اور تجربے سے آشنا ہوتا ہے اور ان مقامات تک رسائی ہو پاتی ہے جو عملی زندگی میں دنیا کے بیشتر مسلمانوں کو نصیب نہیں۔ فلسطین کی ڈائری ایک ایسا فن پارہ ہے کہ لفظوں سے تصاویر اُگنے لگتی ہیں اور یہ تصاویر ریل کی صورت اختیار کر کے باقاعدہ ایک متحرک منظر کی مانند آنکھوں کے سامنے چلنے لگتی ہیں۔

فلسطین کی ڈائری ایک ایسا نوحہ ہے جس کے ایک اک حرف سے درد مندوں کا لہو ٹپکتا ہے۔ یہ سفر نامہ بلاشبہ ادب کے نئے راستوں کو تعمیر بھی کرتا ہے اور ایک سنگ میل کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔

## فلسطین کی ڈائری

از: بندہ محمد انور حسین عفی عنہ، فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی

آج مؤرخہ 9 جمادی الاولیٰ 1442ھ مطابق 23 جنوری 2021ء کو بدست مکرم خالد محمود سلمہ موصول ہوا، بے ساختہ دعا نکلی، جزاکم اللہ خیرا فی الدارین۔

یہ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت و معراج کی یاد دہانی تو ہے ہی، ساتھ ساتھ یہ کام بذات خود امامت ہے جو امت کا قرضہ اور فرض کفایہ کی ادائیگی کہے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ شاعر مشرق کی دعا و درس کا مصداق بھی ہے کہ:

لِیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اللہ تعالیٰ نے مولانا سہیل باوا (حفظہ اللہ) سے اس امت میں بیداری مہم کی امامت کا کام لیا ہے۔ دل سے دعا اور دلی تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس محنت کو امت میں بیداری مہم کا حصہ بنا کر اس کے ذریعے امت میں بیداری اور فرض منصبی کا شعور پیدا فرمادے، آخرت کا ذخیرہ بنائے اور اس مقدس پیغام کو عام کرنے کا داعیہ فرمادے۔

## خوشبو کا سفر

از: محمد متین خالد، لاہور

(محترمی و مکرمی محمد متین خالد صاحب دامت برکاتہم کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں، ردِ قادیانیت پر آپ کی گراں قدر تصنیفات پورا ایک علمی خزانہ ہے، اور ختم نبوت کے مبارک کام کو کرنے والا ہر عالم فاضل اور طالب علم آپ کی تصانیف سے استفادہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا، خصوصاً آپ کی تصنیف ”ثبوت حاضر ہیں“ سے کون سا مجاہد ختم نبوت واقف نہیں، اس کے علاوہ بھی ردِ قادیانیت پر آپ کی بہت سی تصانیف اپنے موضوع پر بے نظیر علمی دستاویز ہیں۔ عالمی مبلغ خادم ختم نبوت حضرت مولانا سہیل باوا صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے سفر نامہ فلسطین کی ڈائری پر آپ نے اپنے جن خیالات کا اظہار خوشبو کا سفر کے زیر عنوان کیا ہے، وہ حسب ذیل ہیں، جن کو پڑھ کر آپ قارئین، مولانا سہیل باوا صاحب کی کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔)

یورپ بالخصوص برطانیہ میں جب بھی تحفظ ختم نبوت پر گفتگو ہوتی ہے تو اس میں مولانا سہیل باوا صاحب کا تذکرہ ضرور ہوتا ہے۔ برطانیہ میں ختم نبوت پر ہونے والے حملوں کا دفاع کرنا، قادیانی سرگرمیوں پر نظر رکھنا یا انہیں دعوتِ اسلام دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ سب کام قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے نہایت تحمل، برداشت اور بالغ نظری سے کرنے پڑتے ہیں۔ ہر مرحلے پر پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ جناب سہیل باوا صاحب ان پر خار پگڈنڈیوں کے پرانے شناسا ہیں۔ اس کے باوجود ماضی قریب میں قادیانیوں کی طرف سے انہیں جس طرح جھوٹی شکایات پر ذہنی ٹارچر کیا گیا، اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس موقع پر انہوں نے جس حوصلگی اور استقامت کا مظاہرہ کیا، وہ قابلِ حد ستائش ہے۔ جناب سہیل باوا صاحب ممتاز محقق، بہترین مناظر، خوبصورت خطیب اور صاحب طرز ادیب ہیں۔ قرآن و سنت سے ماخوذ دلائل، طرز استدلال کی ندرت اور زبان و بیان کی شگفتگی ان کی تحریر و تقریر دونوں

کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

تحفظِ ختم نبوت کے موضوع پر ان کے کتابچے اور مضامین مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اب انہوں نے سفر نگاری پر قلم اٹھایا ہے اور ایک کامیاب سفر نگار کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ سفر نامہ لکھنا ایک مشکل کام ہے۔ سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات و حادثات، مشاہدات و تجربات اور ملاقاتیں و سفارتیں وغیرہ یاد رکھنا اور پھر اسے دلچسپ پیرائے اور سادہ و سہل اسلوب میں قرطاس پر اتارنا واقعی جان گسل کام ہے، لیکن ادبی و تحقیقی ذوق کے مالک جناب سہیل باوا صاحب نے یہ مرحلہ نہایت کامیابی سے طے کیا ہے۔

جناب سہیل باوا صاحب کی نئی کتاب ”فلسطین کی ڈائری“ محض ایک سفر نامہ ہی نہیں بلکہ ایک ایسی ایمان افروز روداد ہے جسے پڑھ کر ایسے تاریخی مقدس مقامات کی سیر ہو جاتی ہے، جنہیں دیکھنے کو ہر مسلمان کی آنکھیں ترستی ہیں۔ ان مقامات کو جس خوبصورت انداز سے جناب باوا صاحب نے بیان کیا ہے، وہ نہ صرف قاری کے لیے معلومات کا خزانہ ہے، بلکہ اس کے دل میں یہ خواہش دعابن کر لبوں پر آ جاتی ہے کہ کاش وہ زندگی میں ان مقامات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

ارضِ فلسطین اس لیے بھی مقدس و محترم ہے کہ یہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی کثیر تعداد مبعوث ہوئی۔ مسجد اقصیٰ دنیا کی دوسری مسجد ہے جو کعبہ کے بعد تعمیر ہوئی اور مزید اس میں حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر معراج کے آغاز پر نماز میں تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت فرمائی۔

قبۃ الصخر بھی یہاں کی پہچان ہے جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام کی معیت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ یوں تو کتاب کے تمام مضامین جناب سہیل باوا صاحب کی مشقت آمیز کاوش کے عکاس ہیں، لیکن ”القدس سے تصوراتی پکار“، ”میرے چلتے قدم بیت المقدس کی طرف“ اور ”سفر مقدس میں کیا دیکھا؟“ نہایت معلوماتی، تحقیقی اور دلچسپ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قرب قیامت تشریف آوری، دجال سے جنگ کا خاتمہ باب لد پر اور حضرت مہدیؑ کی

ایک لاکھ ستر ہزار کشتیوں میں واپسی، کے عنوان سے لکھے گئے مضامین تحفظِ ختم نبوت اور ردِ قادیانیت کے لٹریچر میں ایک بیش قیمت اضافہ ہے۔

حضرت رابعہ بصریہ، حضرت امام غزالی، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر اور مولانا محمد علی جوہر کی فلسطین آمد کے بارے میں معلومات نہایت تحقیقی ہیں۔ چند خوبصورت تصاویر جن میں گنبد صحرا کا وہ اندرونی حصہ جہاں سے معراج النبیؐ اور رفع عیسیٰ علیہ السلام ہوا تھا، گنبد النبیؐ جہاں معراج کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی، مولانا محمد علی جوہر کی بیت المقدس کے احاطے میں آخری آرام گاہ، بیت المقدس میں موجود مسجد قدیمی کا تاریخی مصلیٰ، بیت المقدس میں مسجد براق شریف کا داخلی راستہ، مسجد براق شریف کا اندرونی منظر، مسجد عمر بن خطاب میں تاریخی عہد نامے کا عکس، مقبرہ حضرت داؤد علیہ السلام، مقبرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور باب لد کا مقام شامل ہیں، دیکھنے سے ایمان کوتازگی، روح کو شادابی اور طبیعت میں خشوع و خضوع کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔

گھر بیٹھے ان نایاب تصاویر کے ذریعے تاریخی مقامات کی زیارت کر لینا بہت بڑی سعادت ہے جس پر باوا صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں۔ فلسطین کی ڈائری، یقینی طور پر اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد اور اس میں ہر باذوق قاری کے لیے علم و عرفان پوشیدہ ہے۔ کتاب مصنف کی طرح ظاہری اور باطنی حسن سے مالا مال ہے۔ اللہ کرے یہ مرحلہ شوق نہ ہو طے۔ بہ احترام فراواں۔

## زینتِ قرطاس

کتبہ: خالد محمود، کراچی

حضرت مولانا سہیل باوا صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے تین اسفار جو سرزمین مقدس فلسطین کے ہوئے، آج میں اور آپ اس سفر نامہ کو فلسطین کی ڈائری کے عنوان سے پڑھ رہے ہیں، ایک بارفون پر حضرت مولانا سہیل باوا صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے میں نے سوال کیا کہ فلسطین کی ڈائری آپ نے کیونکر مرتب کی؟ یعنی اس کا مقصد کیا ہے؟ فرمایا کہ: اس سوال کے جوابات تو بہت سے ہو سکتے ہیں یاد دے جا سکتے ہیں، مگر میں دو چار عرض کرتا ہوں:

اول: یہ کہ مسجد اقصیٰ اور وہاں کے دیگر مقدس مقامات کی زیارت کر سکوں، اور یہ کہ مسجد اقصیٰ میں نمازیں پڑھ سکوں، جس کو آپ میرا مقصد اول کہہ سکتے ہیں۔

دوم: یہ کہ یہ مقدس سرزمین اکثر انبیاء کرام علیہم السلام کا مستقر رہی ہے، اور ان کے مبارک اجسام یہاں مدفون ہیں۔

سوم: یہ کہ دنیا کی عمر کے خاتمہ یعنی قربِ قیامت کی ایک بڑی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ہے کہ دجال کا خاتمہ بھی اسی زمین کے مقامِ لد پر ہوگا، یعنی وہ مقام جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کا خاتمہ فرمائیں گے۔

چہارم: یہ کہ یہی وہ مقدس سرزمین ہے، جہاں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں انبیاء کرام علیہم السلام نے نماز ادا کی، اور پھر یہیں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتوں آسمان پر لے جایا گیا۔

پنجم: یہ کہ اس مقدس سرزمین کے بارے میں قرآن کریم اور احادیث مبارکہ اور اسلام کے تاریخی اوراق میں مسلمانوں کو جو نسبت اس مقدس سرزمین سے ہے، اس کی مثال مکہ المکرمہ اور مدینۃ المنورہ کے بعد کہیں اور نہیں ملتی۔

ششم: پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے اس مقدس سرزمین پر تین بار آنے کی توفیق ہوئی، اور یہاں آکر جو روحانی نسبت اور سکون مجھے یہاں کے مقدس مقامات کو دیکھ کر حاصل ہوا، تو میری خواہش تھی کہ اپنے اس سفر نامہ کو ’زینتِ قرطاس‘ کر دوں، تاکہ یہ سفر نامہ ایک دستاویز کی شکل میں محفوظ بھی ہو جائے، اور فلسطین کی ڈائری کو پڑھنے والے حضرات علمی اور روحانی طور پر اس سے استفادہ کر سکیں۔ ہفتم: یہ کہ جو باتیں میں نے فلسطین کی ڈائری میں ذکر کی ہیں، ان کا تعلق مسلمانوں کے عقائد و نظریات سے گہری وابستگی رکھتا ہے، اور اس سفر نامہ کو مرتب کرنے کی وجوہات میں ایک وجہ خاص طور پر یہ بھی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا سہیل باوا صاحب سے اس طرح کا سوال کر کے کہ ’فلسطین کی ڈائری مرتب کرنے کا مقصد کیا تھا؟ بعد میں مجھے خود بھی پشیمانی اور شرمندگی محسوس ہوئی کہ فلسطین کی ڈائری اپنے مرتب ہونے کا مقصد اپنے اندر لیے ہوئے ہے، جو فلسطین کی ڈائری کو پڑھنے والا بغیر پوچھے با آسانی سمجھ سکتا ہے۔ بہر حال یہ جان کر خوشی ہوئی کہ سفر نامہ فلسطین کی ڈائری کا دوسرا ایڈیشن بھی چھپ کر آچکا ہے۔

دعا ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ حضرت مولانا سہیل باوا صاحب کے علم، عمل، اور عمر میں مزید برکتیں عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

# گرا نقدر ہدیہ ”فلسطین کی ڈاڑی“ پر تشکر

قاری عبدالرشید (اولڈ ہم)

برادر م مولانا سہیل باوا صاحب حفظہ اللہ کی طرف سے عنایت کیے گئے گرا نقدر ہدیہ ”فلسطین کی ڈاڑی“ پر ان کا شکریہ۔

مکرمی و محترمی حضرت مولانا سہیل باوا صاحب زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے 11 اکتوبر 2020ء کو برمنگھم میں بعد از اجلاس اپنی مرتب کردہ ”فلسطین کی ڈاڑی“ مجھے ہدیہ کی، اس پر دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ”جزاک اللہ تعالیٰ أحسن الجزاء فی الدارین“ قبول فرمائیں۔

سوشل میڈیا کے ذریعے آپ ان اسفار کو ساتھ ساتھ اپنے دوستوں کو دکھاتے اور پڑھاتے رہے ہیں۔ میں بھی ان کو دیکھتا اور سنتا رہا۔ کچھ نہ کچھ خاکہ میرے ذہن میں تھا۔ سوچا تھا کہ ڈاڑی دیکھ اور پڑھ کر اس پر کچھ عرض کروں گا اور آپ کا شکریہ بھی ادا کروں گا کہ اتنی قیمتی کتاب ورق و طباعت کے اعتبار سے اور خزینہ علم، تصاویر اور معلومات کے حساب سے آپ نے بالکل مفت میں بطور ہدیہ دی ہے۔

## ”فلسطین کی ڈائری“ دجال کا خاتمہ باب لد پر

از: مبلغ ختم نبوت مفتی سعد کامران (گجرات)

عالمی مبلغ ختم نبوت مولانا سہیل باوا صاحب کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ تحفظ ختم نبوت آپ کی زندگی کا مشن ہے۔ بالخصوص انگلینڈ اور مغربی ممالک میں جہاں قادیانیت طبقے کو خصوصی سہولتیں حاصل ہیں، وہاں رہ کر ان کی ریشہ دوانیوں کو دور کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، لیکن کٹھن حالات میں مولانا سہیل باوا صاحب یورپ میں خاص طور پر اس علم کو بلند کیے ہوئے ہیں۔ زیر نظر کتاب ”فلسطین کی ڈائری“ مولانا سہیل باوا صاحب کی تازہ کاوش ہے جو آج ہی مجھے موصول ہوئی ہے۔

اس میں آپ نے اپنے فلسطین کے سفر کو لمحہ بہ لمحہ ایسے قلم بند کیا ہے کہ پڑھنے والا خود کو اس سفر میں ساتھ ساتھ محسوس کرتا ہے۔ فلسطین سے محبت ویسے تو قبلہ اول کی وجہ سے ہر مسلمان کے دل میں موجود ہے، لیکن فلسطین میں دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور کچھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قبور مبارکہ بھی موجود ہیں جو اس کو مزید بابرکت بناتی ہیں۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بھی فلسطین سے ہی آسمان پر اٹھایا گیا تھا۔ اور قرب قیامت جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ زمین پر نزول ہوگا تو آپ علیہ السلام دجال کا خاتمہ باب لد پر کریں گے۔ اور باب لد بھی فلسطین میں ہی ہے، جو آج کل اسرائیل کے قبضے میں ہے۔ اس حوالے سے بھی فلسطین خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔

مولانا سہیل باوا صاحب نے اس سفر نامے میں دوسری معلومات کے ساتھ ساتھ ان تاریخی مقامات کی بھی خوب وضاحت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا سہیل باوا صاحب کی اس کاوش کو قبول فرمائے آمین۔

## منفرد سفر نامہ ”فلسطین کی ڈائری“

از: حافظ حبیب اللہ چیمہ رح خانقاہ رشیدیہ بستی سراجیہ چیچہ وطنی

ڈپٹی سیکرٹری اطلاعات جمعیت علماء اسلام پنجاب

سیر و سیاحت کرنا اور اس کو قلم بند کرنا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی، لیکن جو لوگ اس کام میں دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لیے یہ روح کی غذا ہوتی ہے۔ ہمارے محترم اور عالمی مبلغ ختم نبوت جناب مولانا عبدالرحمن یعقوب باوا اور ان کے جواں سال فرزند ارجمند جناب مولانا سہیل باوا دنیا بھر میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔

جناب برادر مولانا سہیل باوا صاحب نے گزشتہ برس فلسطین کا دورہ کیا جس کی مختصر روداد وہ ساتھ ساتھ فیس بک پر شیئر کرتے رہے اور اب اس اہم سفر کا مکمل سفر نامہ ”فلسطین کی ڈائری“ کے نام سے منظر عام پر لائے ہیں۔ یہ سفر نامہ اسلامی تاریخ اور مقدس مقامات پر مشتمل تاریخی واقعات اور روح پرور تصاویر پر مشتمل ہے، جس سے قارئین یقیناً استفادہ کریں گے۔ اس سفر نامے میں بیت المقدس سمیت انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرامؓ کے واقعات، فلسطین کی تاریخ، دجال، نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور قرب قیامت سمیت تصوف سے متعلق بھی حالات و واقعات درج ہیں۔

بہر حال اس کتاب کا مطالعہ ہر صاحب علم اور کتب دوست احباب اور اسلامی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے افادیت کا حامل ہے۔ اس خوبصورت کتاب کا سرورق ذیل میں دکھایا گیا ہے، جس کو ختم نبوت اکیڈمی لندن نے شائع کیا ہے۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ جناب مولانا عبدالرحمن یعقوب باوا اور جناب مولانا سہیل باوا کی خدمات ختم نبوت کو قبول فرمائیں اور ان کو اپنے حفظ و امان میں رکھیں، آمین۔ والسلام

## ”فلسطین کی ڈائری“ صفحہ قرطاس پر بکھیر سکوں

از: ڈاکٹر شہزاد اقبال شام، کالم نگار روزنامہ پاکستان

محرم راز خالق کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جن تین مساجد کے سفر کی اجازت دی ہے، ان میں سے ایک مسجد قبلہ اول یا مسجد اقصیٰ ہے۔ ”فلسطین کی ڈائری“ بڑی حد تک تو اسی قبلہ اول کے سفر کی روداد ہے، لہذا اسے آپ سفر نامہ کہہ سکتے ہیں۔ آپ چاہیں تو اسے مولانا سہیل باوا کی واردات قلبی سے بھی موسوم کر لیں، چاہیں تو فلسطین کے سفر کے وسائل سے محروم ہم جیسے پاکستانیوں کے لیے اسے اس درتچے سے بھی معنون کر لیں جو مولانا محترم نے ہمارے لیے بطور خاص واکیا ہے۔ یہ سفر نامہ ہر پاکستانی کے احساسات کی ترجمانی کرتا ہے۔ اگر بات یہاں تک پہنچ ہی گئی ہے تو مجھے مولانا محترم شاید اجازت دے دیں کہ میں اس ڈائری، اس سفر نامے، اس درتچے کو فلسطین کا سفر نامہ کر پانے والے پاکستانیوں کا ”بے چارگی نامہ“ کہہ دوں۔

ہم قبلہ اول مسجد اقصیٰ کی زیارت کرنے کے لیے مولانا کے توسط سے ممکنات کا دروازہ دور ہی دور سے حسرت اور بے چارگی سے دیکھ تو سکتے ہیں، ملنے سے بھلے لاچار ہیں۔ میں یہ بھی کہہ گزرتا ہوں کہ مولانا نے کتاب بھیجنے کے لیے فون پر میرا ڈاک کا پتا پوچھا تو میں نے بڑے پر جوش لہجے میں پتا لکھوایا، دو دن بعد کتاب مل گئی۔ ملتے ہی بے ترتیبی سے لفافہ چاک کر کے کھڑے کھڑے کتاب پڑھنا شروع کر دی۔ ایک تہائی تک پڑھی ہوگی تو اپنے آپ سے سوال کیا کہ اس پر ایک دو لفظوں میں تبصرہ کرو۔ ذہن نے یوں جواب دیا: ”میری بے چارگی“

نفاست اور وضعداری کے شفاف پانیوں میں دھلی اس اجلی کتاب میں انبیاء کی سرزمین پر کھڑے مولانا سہیل باوا واردات قلبی تو اپنی بیان کر رہے تھے اور خوش خواہ خواہ میں ہو رہا تھا کہ ترجمانی تو

میری ہو رہی ہے۔ یہ کیفیت تادیر قائم نہ رہ سکی کہ سر زمین ہوا نبیاء کی اور میر تسکین دہلوی ظالم ہم جیسوں کو  
 کچوکے دے دے کر بے تسکین و بے سکون نہ کریں، کیسے ممکن ہے:  
 ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے  
 کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

سچ بات بتا دوں؟ یہ کتاب مجھے پڑھنے کو نہ ملتی تو اچھا تھا۔ مجموعہ ہائے حسرت میں، یاد دل کے  
 داغ میں، یا یوں کہہ لیجئے کہ جلی ہوئی حسرتوں کی بھوبل میں قبلہ اول کے سفر کی ایک دبی دبی سی، شرمائی  
 شرمائی سی، لجائی لجائی سی چنگاری یا معصوم سی خواہش کہیں گوشہ خمول میں، کسی قید تنہائی میں اپنی حالت  
 بکارت میں پڑی تھی کہ دفعتاً اس ڈائری نے اس خواہش یا اس حسرت کی بکارت زائل کر کے اسے ثنّیات  
 میں داخل کر دیا۔ مولانا سہیل مجھے کتاب پڑھتے دیکھ لیتے تو انہماک کا مفہوم اگر اب تک نہ سمجھ پائے تھے تو  
 تب کسی استاذ کی مدد کے بغیر ہی سمجھ لیتے۔ اب آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ میں نے اوپر یہ کیوں لکھا ہے کہ یہ  
 کتاب پڑھنے کو نہ ملتی تو اچھا تھا۔

انسانوں کا ایک بڑا تناسب خود غرض ہوا کرتا ہے، اس پہلو سے مولانا اگر میری تحلیل نفسی کراہیں  
 تو میرا شمار آپ کے حاسدین میں ہونے لگ گیا ہے۔ (دیگر قارئین یہاں حسد کو رشک کے معنوں میں  
 لیں کہ یہ ہم دونوں کا ذاتی مسئلہ ہے۔ ہاں جی!) مولانا سہیل باوا سے تعارف ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں  
 ہوا، یہی کوئی ایک ڈیڑھ سال! قارئین اس تحریر ہی سے اندازہ کر سکتے ہیں، چاہیں تو متعجب ہوں، دل  
 چاہے تو متحیر بھی ہو سکتے ہیں کہ بارہ پندرہ ماہ کے مختصر سے دورانیے میں قربت کی اتنی طویل منزلیں طے کرنا  
 کیونکر ممکن ہے۔ فاصلوں میں کمی اور الفاظ کی گنتی میں یک بیک اضافہ

”جاں سے جاں جاں اور جاں جاناں“

کہیں تو رفتہ رفتہ ہوا کرتا تھا، یہاں دفعتاً ہو گیا۔ اور مزے کی بات سناؤں جس کسی کے توسط سے  
 تعارف ہوا تھا، اس کی یاد اگر دل ہی میں دھندلائی نہیں تو گہنا ضرور گئی ہے۔ گہن سورج کو لگے یا چاند کو،  
 عارضی ہوا کرتا ہے۔ دھند حادثات کا سبب بنتی ہے۔

مولانا عبدالرحمن باوا والد مولانا سہیل باوا سے میرا تعارف میرے چچا زاد بہنوئی عبدالسلام ملک مقیم ڈربی کی وساطت سے ہوا تھا۔ بہت کم لوگ میں نے اپنی اس حیات مستعار میں دیکھے، بہت کم، جو کسی مقصدِ حیات کی چھتری تلے زندگی بسر کرتے ہیں۔ مولانا عبدالرحمن باوا انہی معدودے چند افراد میں سے ایک ہیں۔ پاکستان میں ختم نبوت کے ابتدائی ایام کی تاریخ پر آپ بلا تشکیک و بلا تشبیہ ایک جامع العلوم ہیں۔ میں نے ختم نبوت کے باب میں ان سے بہت کچھ حاصل کیا۔

اپنی مذکورہ بالا خود غرضی کی بنا پر میں ان کی حیاتِ مستعار میں خاصی طوالت کے لیے دعا گور ہتا ہوں کہ شاید کبھی ملاقات کے اسباب پیدا ہوں تو میں ان سے حاصل ملفوظات کو صفحہ رقم قرطاس پر بکھیر سکوں کہ ہر خواہش پدم نکلے۔

ارضِ فلسطین کے ساتھ اس روحانی اور قلبی ربط کے دوسری طرف ارضِ فلسطین سے میرا اپنا بڑا گہرا ذاتی تعلق بھی ہے۔ مسلمانوں کی خوبیوں کو ذرا دیر کے لیے نظر انداز کر کے خود احتسابی کے عمل سے گزرتے ہوئے اپنی کوتاہیوں پر نظر ڈالی جائے تو میری نظر میں زیادہ توجہ طلب امر یہ ہے کہ وہ اپنا جانشین، اپنا متبادل، اپنا ولی عہد تراشنے میں خاصے کفایت شعار واقع ہوئے ہیں۔ اس بیان کو وسعت دیتے ہوئے میں اسے مختلف افراد اور اداروں پر پھیلاتا ہوں تو کہیں کہیں مستثنیات بھی دیکھنے کو مل جاتی ہیں۔

ان ہی میں سے مولانا عبدالرحمن باوا کی نورانی شخصیت بھی ہے جن کے مقصدِ حیات کا پھریرا لے کر چلنے کے لیے ان ہی کے صاحب زادے مولانا سہیل باوا موجود ہیں۔ اس پہلو سے مجھے خاصا اطمینان رہتا ہے کہ مولانا عبدالرحمن باوا کی مسند سنبھالنے کے لیے خود ان ہی کی ذریت میں سے مولانا سہیل باوا موجود ہیں۔ ختم نبوت اکیڈمی لندن سے میرا تفصیلی تعارف نہ ہونے کے برابر ہے۔ جتنا کچھ میں جان پایا ہوں، اس کا وسیلہ مولانا سہیل کافیس بک ہے، جس سے مجھے ان کی سرگرمیوں کا علم ہوتا رہتا ہے۔ میں ان دونوں اصحاب کے لیے دعا گور ہتا ہوں۔

یہ دونوں اصحاب الہامی ذمہ داری اٹھائے دنیا بھر میں پھرتے رہتے ہیں۔ فلسطین کی ڈائری کو

مکتبہ امداد العلوم ناظم آباد نمبر 5 کراچی اور ختم نبوت اکیڈمی لندن نے فروری 2020ء میں بیک وقت شائع کیا۔ 146 صفحات کی یہ کتاب معمول کے کتابی سائز سے قدرے بڑی ہے۔ 10×25 سینٹی میٹر کی بڑی تقطیع میں چھپی یہ کتاب اگر معمول کی کتابی تقطیع میں ہوتی تو میرے خیال میں مضائقہ نہیں تھا۔ انبیاء کی سرزمین ہو اور اس کا بیان روا روئی میں ہو، یہ ممکن نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کتاب معمول کی دیگر کتابوں کے برعکس نفیس اور قیمتی آرٹ پیپر پر چھپی ہے۔ صفحات خوبصورت حاشیہ آرائی سے مزین اور سرورق دیدہ زیب ہے۔ آج کل کتابوں پر قیمت لکھنے کا رواج کم و بیش ختم ہو چکا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کتاب پر قیمت درج نہیں ہے۔

میری خوش گمانی سمجھ لیجئے، یا اسے توقع کے زمرے میں ڈال دیجئے کہ شاید یہ کتاب میری طرح کے دیگر بہت سے قارئین کو علامتِ حب کے طور پر ملی ہوگی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کتاب کی پہلی طباعت تجرباتی ہو۔ ہم جیسے ناقدین کی آراء کی روشنی میں کتاب کی اگلی اشاعت شاید مختلف انداز میں ہو۔ اگر یہ خوش گمانی اور توقع درست ہے تو کیوں نہ موقع سے فائدہ اٹھایا جائے۔

چنانچہ میری ذاتی رائے میں اگر اس کتاب کی اگلی اشاعت معمول کے کتابی سائز پر ہو تو کیا ہی روایتی کام ہوگا۔ یہ بات میں کسی ماہر کتاب کی حیثیت سے نہیں، عام قاری کے طور پر کہہ رہا ہوں۔ قاری کتاب پڑھتے ہوئے کئی انداز اور رخ اختیار کرتا ہے۔ انہی میں سے ایک انداز لیٹ کر پڑھنے کا بھی ہوا کرتا ہے۔ زیادہ واضح کرنا چاہوں تو بتانے میں کوئی حرج نہیں کہ میں تو کتاب پڑھتا ہی لیٹ کر ہوں، پس میرے اور میرے جیسے کئی دیگر قارئین کے لیے ”فلسطین کی ڈائری“ کا یہ سائز مناسب اور مفید نہیں ہے۔ تاہم اگر اس سائز کی وجہ فنی یا مالی قسم کی ہو تو الگ بات ہے۔

علاوہ ازیں یہ کہنا بھی شاید مفید ہوگا کہ قیمتی آرٹ پیپر پر یہ کتاب چھاپنے کی بجائے 80 گرام کے عام نفیس کاغذ پر چھاپی جائے تو بیچ جانے والے مالی وسائل کو کتاب کی زیادہ اشاعت پر صرف کیا جا سکتا ہے۔ گردپوش دیدہ زیب ہے، اسے باقی رہنا چاہیے۔

مناسب خیال کیا جائے تو گردپوش کی پچھلی تین پیرا گراف میں تین نکات مذکور کر دیے جائیں۔

پیرا اول میں کتاب کا مختصر اور جامع تعارف، پیرا دوم میں مؤلف کا تعارف اور پیرا سوم میں ادارے یعنی ختم نبوت اکیڈمی لندن کا تعارف اور غرض و غایت ہو۔ گردپوش کے اندر کوڑے دونوں حصوں پر دو چار تبصرہ نگاروں کی آراء مندرج ہوں تو کتاب کی کشش میں اضافہ ممکن ہے جو ہر کتاب کا مقصد اول ہوا کرتا ہے۔ ان تمام تند و تیز، تلخ و شیریں، اور مثبت و منفی ملفوظات کے بعد ضروری ہے کہ میں ہر دو اصحاب ’’جناب عبدالرحمن باوا پدر جناب سہیل باوا‘‘ کو قبلہ اول کے اس سفر نامے کی اشاعت پر مبارکباد پیش کروں۔

میں دعا گو ہوں کہ اللہ کریم ان کی اس کوشش کو اپنے دربار میں پذیرائی بخشے اور ان کی نجات کے دیگر اسباب کے ساتھ ان کی یہ کوشش بھی شامل کر دے۔ اپنی خود غرضی کے متعلق بے تکلفانہ گفتگو تو رہی ایک طرف، اللہ کریم سے ہم سب مل جل کر دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے اس قبلہ اول کو غاصبوں کے قبضے سے آزاد کرائے، تاکہ ہم سب مل جل کر اس کی جانب سفر کر سکیں۔

## دلاویز و سحر انگیز انداز ”ہمارا فلسطین“

از: شکیل احمد بازغ، سینئر پروڈیوسر (نیو نیوز) نئی بات میڈیا گروپ

”میں یروشلم میں رہ سکتا ہوں، یہاں آسکتا ہوں، اس میں جا سکتا ہوں، اس میں چل پھر سکتا ہوں، میرا دل بار بار آنے کے لیے بے قرار رہتا ہے، اس کے ہر مقام سے گزرنے کا مجھے جنوں ہے۔ جتنے بھی لوگ میں نے یروشلم میں دیکھے، مجھے لگتا ہے میں اس میں اکیلا ہوں، یروشلم مجھ ہی سے باتیں کرتا ہے، مجھ سے مخاطب ہے، جی کرتا ہے بس آنکھیں بند کروں اور اس کی گلیوں میں چلتا رہوں۔“

یہ الفاظ فتح اور تشکر کے ہیں، جیسے برسوں سے ترستے کسی صحرا نور دیا سے کو دریا نصیب ہو گیا ہو۔ بیت المقدس سے محبت اور اس کا احترام تو کتب میں پڑھا تھا، لیکن اس سے عشق کا پتہ زیر نظر تصویر میں سفر نامہ فلسطین کے مصنف مولانا سہیل باوا صاحب کے طرزِ بیاں کو پڑھ کر چلا۔ عشق کہنا بے جا بالکل بھی نہیں، محبوب کے تذکرے اس دلاویز اور سحر انگیز انداز میں عاشق کرتا ہے کہ سننے والا بھی اس کے معشوق کو دیکھنے کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے۔

146 صفحات پر مشتمل نہایت خوبصورت سرورق اور بہترین معیار کے صفحات میں حرف حرف سنہرا، حرف حرف حق کے مصداق، یہ سفر نامہ فلسطین دراصل تقدسِ ادبِ عشق اور عجز کا مثالی شاہکار ہے۔ اسے پڑھنے کے بعد دل مسلسل کرب، تشنگی اور تڑپ سے دوچار ہے۔ اب اس خواہش نے دل کو آلیا کہ کاش مسبب الاسباب ایسا کوئی معاملہ بنا دے کہ سرزمینِ بیت المقدس مدفنِ انبیاء و اولیاء کرام کی خاک کو چوموں، مسجد اقصیٰ میں عبادت کے بے پناہ درجات سمیٹوں۔ مولانا سہیل باوا کے اس عشق نامے کا ورق ورق سحر انگیز ہے، پڑھتے وقت میں مختلف کیفیات میں موجزن رہا، محبت، لطافت، غم، امید، عشق، عجز، رشک، حساسیت، اشکِ روانی، تیز ہوتی دل کی دھڑکن، دراصل کاتبِ فلسطین ڈائری کا کمال ہے۔

یوں لگا جیسے سہیل باوا صاحب ایک مہربان سیاحتی رہنما کے طور پر میری انگلی تھامے مقدس سرزمین کی ایک ایک اینٹ کی تاریخ، فضیلت اور حیران کن معلومات بتا کر مقدس سرزمین کے ذرے ذرے سے عشق کا گھونٹ گھونٹ پلاتے چلے جا رہے ہیں۔ ضبط تحریر ایسا کہ پورے 122 تحریری صفحات میں کہیں ایمانی، اعتقادی، تحریری، مسلکی، روحانی، تاریخی، صنفی، علمی لغزش نہیں (ماسوا ایک جگہ ٹاپ رائٹر نے بچپن کو بچپن لکھ ڈالا)۔

مجھے اس سفر نامہ مقدس کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ معلوم ہوا کہ سہیل باوا صاحب جس مقدس ہستی کے مدفن یا کسی احاطے میں کھڑے ہوتے ہیں، تو اس بارے میں معلومات کا مکمل انسائیکلو پیڈیا سامنے رکھ دیتے ہیں۔ کونسا احاطہ کب کس کس نے تعمیر کیا؟ اینٹ پتھر کونسا ہے؟ رنگت کیا ہے؟ نسبت کیا؟ تاریخ کیا؟ طول، عرض، سمندر کی گہرائی، پہاڑ کی اونچائی، کتنی؟ کونسی گلی کدھر جاتی؟ کتنے دروازے، کھڑکیاں، دالان، گنبد، بازار، جس مزار پر کھڑے اس مقدس ہستی کے حالات زندگی، الغرض فلسطین ڈائری میں ذرے ذرے کا ضروری تذکرہ کر دیا، جو یقیناً مولانا موصوف کے وسیع مطالعے کی شہادت ہے۔

یہ محض ایک سفر نامہ نہیں بلکہ ایک صاحب حال، وسیع النظر اہل دل اور عاشق کا اپنے دین، اپنے اسلاف، اپنی ثقافت و روایات اور بیت المقدس سے بے پناہ عشق کا عکاس ہے۔ اس مختصر سفر نامے میں سر زمین فلسطین کے چپے چپے کا سفر قدم قدم گو میں نے خود کر لیا، تصاویر کتاب میں کم و بیش بائیس صفحات پر عکس بند کر کے ایک ایک منظر واضح کر دیا۔ لکھاری کا کمال ہوتا ہے کہ قاری کہیں بددل، اکتاہٹ یا غیر دلچسپی جیسی کیفیات کا سامنا نہ کرے، یقین کیجئے کل ہی مجھے مولانا سہیل باوا صاحب کی محبت بھری فلسطین ڈائری بذریعہ پارسل موصول ہوئی، رات گئے تک اس میں ڈوب رہا، آج دن بھر اس میں کھویا رہا، ایک لمحے کو بھی کتاب چھوڑنے کو دل نہ چاہا۔ وہ جنہیں عشق کے معانی نہیں معلوم وہ اسے ضرور پڑھیں، جنہیں ارض مقدس کی بنفس نفیس زیارت کی خواہش ہے وہ اس کا ورق ورق پڑھ ڈالیں۔

روحانیت کی ایسی کیفیت گھیر لیتی ہے کہ میں اوائل میں اسے بے وضو پڑھنا گناہ عظیم سمجھ رہا تھا، لہذا با وضو ہی فلسطین ڈائری کا مطالعہ کیا۔ اللہ تعالیٰ مولانا سہیل باوا صاحب کی اس مختصر مگر جامع (کہ محض

ایک سو چھیالیس صفحات میں چودہ صدیوں کے واقعات سمیٹ ڈالنا بڑا کمال ہے (کاوش کو قبول فرمائے۔  
اللہ ان کے لیے دنیا و آخرت کی ہر بھلائی لکھ دے۔ اور انہیں ایسی بے شمار عشق بھری تصانیف  
ہمارے دلوں میں حرارت بھرنے کے لیے لکھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

بیتنا

## فلسطین کی ڈائری

محمد اشتیاق زاہد، فاضل بنوری ٹاؤن، کراچی

فلسطین کی ڈائری بیت المقدس کا آنکھوں دیکھا حال ہے، جب سے مولانا سہیل باوا صاحب بیت المقدس کے سفر پر جانے لگے، اس وقت سے اس سفر نامہ کا انتظار تھا، آج الحمد للہ اس سفر نامے کا ایک خوبصورت نسخہ میرے ہاتھوں میں ہے، خوبصورت ٹائٹل، بہترین کاغذ اور خوبصورت لکھائی قاری کو مطالعہ کرنے پر مجبور کرتی ہے، باوا صاحب ہمارے بچپن کے دوست، ہم سبق اور ہم نشین ہیں، پہلے دن سے ختم نبوت کے کام سے وابستہ ہیں، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان رسالہ ہفت روزہ ختم نبوت کراچی سے آج بھی شائع ہوتا ہے، اس زمانے میں مولانا سہیل باوا صاحب کے والد مولانا عبدالرحمن باوا صاحب دامت برکاتہم العالیہ اس رسالہ کے مدیر مسئول رہے، اور اس رسالہ کا اجراء عبدالرحمن باوا صاحب کی محنت اور کوشش سے ہوا، اور الحمد للہ آج بھی دفتر ختم نبوت پرانی نمائش سے شائع ہو رہا ہے۔

یہ عبدالرحمن باوا صاحب کی کاوش اور خلاص ہے، جو آج بھی منکرین ختم نبوت کے تعاقب میں قلمی جہاد کر رہا ہے، چونکہ اعداد یہ اول سے لے کر دورہ حدیث تک رفاقت رہی، اس دوران ہمیشہ منکرین ختم نبوت کے خلاف مختلف لٹریچر اور رسائل کلینڈر مولانا سہیل باوا صاحب کے ذریعے طلباء کرام تک پہنچتے رہے، اس میں ہفت روزہ ختم نبوت ضرور شامل ہوتا، مولانا سہیل باوا صاحب یہ رسالہ اور مختلف لٹریچر اپنے ہم سبق طلبہ میں تقسیم کرتے تھے، اسی طرح منکرین ختم نبوت کے بارے میں اسٹیٹیکر ہمیں لا کر دیتے تھے۔

ہم گھر جاتے وقت بسوں میں خاموشی سے وہ اسٹیٹیکر چسپاں کرتے تھے، ہمیں ختم نبوت کی پہچان مولانا سہیل باوا صاحب نے ہی کروائی اور تاجدار ختم نبوت کے روضہ مبارکہ پر حلف بھی لیا کہ ہم نے تحریک ختم نبوت کا کام تادم کرتے رہنا ہے، الغرض مولانا باوا صاحب نے آنکھ ایسے گھرانے میں کھولی

جن کا نظریہ تحریک ختم نبوت تھا جن کا مشن منکرین ختم نبوت کا تعاقب تھا، اور آج بھی ختم نبوت اکیڈمی (لندن) کے نام سے یہ سفر جاری ہے، **فلله الحمد**.

مولانا سہیل باوا صاحب کی تعلیم و تربیت ختم نبوت کے سرخیل امام اہلسنت حضرت مفتی احمد الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں سے فاتح و مناظر منکرین ختم نبوت شہید اسلام حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دسترخوان پر ہوئی۔ مفتی عبدالسمیع شہید رحمۃ اللہ علیہ، اور مولانا حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ، جیسے اکابر علماء کی صحبت اور شاگردی کا ثمرہ ہے کہ دیا غیر میں حقانیت کی تبلیغ کر رہے ہیں، اور تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم کام سے منسلک ہیں، تو پھر میں کیوں نا کہوں یہ انہی صاحب نسبت بزرگوں کی برکات اور بنوری ٹاؤن (کراچی) میں گزرے ایام کی نسبت کا اثر ہے، اور ان توجہات کا نتیجہ ہے کہ آج مولانا سہیل باوا صاحب کو بیت المقدس کے مقدس مقامات تک رسائی حاصل ہوئی، نا صرف رسائی حاصل ہوئی بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کو ویڈیو لنک کے ذریعے جلیل القدر انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور کی زیارت کروائی گئی، مقام ابراہیم علیہ السلام، مقام موسیٰ علیہ السلام، دجال کے فتنہ سے آگاہی، مقام لد کی نشاندہی کروائی۔ اسی طرح قبلہ اول کے مسائل سے آگاہ کیا گیا، اور مقبوضہ فلسطین کے مسلمانوں کی آواز بن کر پوری دنیا کے مسلمانوں کو متوجہ کیا گیا، جو مسلمان زیارت کر سکتے ہوں ان کو زیارت کی دعوت دی، اور جس مقصد کو لے کر کراچی سے لندن تک کا سفر کیا، اس مقصد کو فلسطین میں بھی یاد رکھا۔

منکرین ختم نبوت کی کثیر تعداد مقبوضہ فلسطین میں موجود ہے، اور اپنی سازشوں کا بہت بڑا جال بچھایا ہوا ہے، ختم نبوت کے خلاف اپنی ریشہ دوانیوں کے ذریعے سادہ لوح مسلمانوں کو ورغلا رہے ہیں، اس حوالے سے بھی بڑی معلومات مولانا کے پاس ہیں، یہ وہی تربیت ہے، یہ انہی نگاہوں کی خوبصورت نظر ہے، جو آج ہمیں اس سفری ڈائری میں نظر آرہی ہے، ہم نے سوچا بھی نہ تھا ایک دن ہمارا دوست اتنا بڑا آدمی بن جائے گا، جس کا چرچہ پورے یورپ، برطانیہ، امریکہ، کینیڈا، اور فلسطین کی سرزمین پر بھی ہوگا، اور قادیانیت کو چاروں شانے چت کر جائے گا۔

واہ! واہ! واہ! تسی گریٹ ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کی علمی، عملی کاوش کو قبول فرمائے، اور اس کو ذخیرہ خیر و برکت بنائے، اور دن گنی رات چگنی ترقی عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

## سفر نامہ ارض بیت المقدس... تبصرہ

عارف رمضان، جنٹوئی، کراچی

تاریخ اور جغرافیہ ایسے موضوع ہیں جن پر جتنا مواد ملے اسے پڑھنے اور دیکھنے والا کبھی اکتاتا نہیں ہے۔ ان میں چونکہ محنت 100 فیصد کرنی پڑتی ہے، یہی وجہ ہے کہ لکھنے والے کم ہی ملتے ہیں اور جو لکھتے ہیں ان کو ایک مقام حاصل ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تاریخ اور جغرافیہ پر لکھنا ہر فرد کے بس کی بات نہیں ہے، لیکن اگر لگن، محنت اور دل میں تڑپ ہو تو کچھ بھی ممکن ہے۔ کئی قلم کاروں نے دنیا گھومی اور پھر اس دنیا کے کئی حصوں پر سفر نامے تحریر بھی کر ڈالے، مگر ان میں بھی ایسے منفرد سفر نامے کم ہی ملتے ہیں جن کو پڑھ کر قاری کا ایمان تازہ ہو اور دل بار بار پڑھنے کو کرے اور مطالعے کے بعد دل کو محسوس ہو کہ جو پہلے تھا، اب اس سے کہیں زیادہ معلومات کا خزانہ حاصل ہو چکا ہے۔

زیر نظر کتاب فلسطین کی ڈائری بھی ایک ایسا منفرد سفر نامہ ہے جس میں جغرافیہ کو تاریخ کی آمیزش سے انتہائی خوبصورتی کے ساتھ قرطاس پر بکھیرا گیا ہے۔ سفر نامہ مقامات کی سیر کرتے ہوئے اس کے پس منظر سے آگاہی کا خوبصورت امتزاج ہے۔ دورانِ مطالعہ جنم لینے والے سوالات کو ساتھ ساتھ جوابات کے ذریعے اپنی بات کی وضاحت بھی کرتا جاتا ہے۔

ختم نبوت اکیڈمی لندن کے زیر اہتمام شائع شدہ یہ سفر نامہ عالمی مبلغ ختم نبوت مولانا سہیل باوا کی ایک ایسی تصنیف ہے کہ جس کا پہلا مس قاری کو ایک ہی مجلس میں خود کو پڑھنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ فلسطین کی ڈائری کے مصنف مولانا سہیل باوا کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ مولانا سہیل باوا کراچی کی جامعہ بنوری ٹاؤن سے فراغت کے کچھ عرصے بعد مستقل لندن چلے گئے۔ تحفظ ختم نبوت کے حوالے سے برطانیہ کے عوام کی آگہی کے لیے انہوں نے خود کو وقف کر رکھا ہے۔

مولانا سہیل باوا کو اللہ جل شانہ نے بیک وقت بے شمار خوبیوں سے نوازا ہے، علم و عمل کے ساتھ تقریر و تحریر میں بھی مولانا اپنا مقام رکھتے ہیں۔ زیر نظر کتاب دراصل مولانا سہیل باوا کا سفر نامہ ارض بیت المقدس ہے، اسی مناسبت سے انہوں نے اس کتاب کا نام فلسطین کی ڈائری رکھا ہے۔ دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ انتہائی اعلیٰ اور معیاری کاغذ اور پرنٹنگ کے ساتھ ارض فلسطین کے تاریخی مقامات کی تصویری جھلکیاں پڑھنے والوں کو اپنے ساتھ سفر کا گمان کراتی اور متحرک نظر آتی ہیں۔ مولانا کا اسلوب بیان قاری کو جکڑ لیتا ہے۔

یہ کتاب تاریخی و تصویری روح پرور مناظر سے مزین ہے۔ تاریخ کے قاری کے لیے منفرد سفر نامہ ہے۔ کتاب میں سادہ زبان اور عوامی انداز سے کئی وہ جگہیں بھی شامل ہیں کہ جن سے قاری پہلے آگاہ تھا، نہ شاید پھر کبھی آگاہی حاصل کر پائے گا۔ اس سفر نامے کی اہمیت کو اس طرح سے بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ بقول راقم کتاب ”ان کے پاس موجود پاسپورٹ پر دنیا بھر کے اسفار ممکن تھے، سوائے اسرائیل کے۔“ اس بات سے بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جہاں جانا آسان نہ ہو وہاں کے احوال لکھنے والے بھی کم ہی ملیں گے اور جو ملیں گے انہیں آپ کمال سمجھ لیجیے۔

مولانا سہیل باوا کی یہ کتاب بھی انہیں گمنام اسفار میں سے ایک سفر نامہ ہے جو ہمیں ڈھونڈنے سے بھی شاید نہ ملیں۔ اس کے ساتھ ساتھ کچھ اسفار وہ ہوتے ہیں کہ جن کو کسی اور غرض سے کیا جاتا ہے، مگر پھر ان پر اپنے تجربات بھی رقم کر دیے جاتے ہیں، مگر مولانا سہیل باوا نے اسرائیل کا سفر صرف اس غرض سے کیا کہ وہ اس کو خود بھی مطالعہ کریں اور پھر اس مطالعے کو اپنے قارئین تک مکمل ایمانداری کے ساتھ پہنچائیں۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب کے ایک مقام پر مولانا سہیل باوا لکھتے ہیں: جب وہ یروشلم پہنچے تو تھکاوٹ بہت زیادہ تھی، مگر انہوں نے آرام کرنے کے بجائے اپنے قلم کو ترجیح دی اور جو حالات اور واقعات پیش آئے وہ لکھ ڈالے، تاکہ ان کے قارئین پڑھ سکیں۔

ان کی اس محنت کا اندازہ لگائیں کہ کوئی کس قدر لگن اور ایمانداری سے اپنے قاری کو ایک منفرد سفر نامہ اور تاریخ سے مزین کتاب دینے کے لیے بے چین و بے قرار تھا۔ یوں تو اس سفر نامے کے تمام

موضوعات اپنی جانب جاذبیت رکھتے ہیں اور پڑھنے پر مجبور کر دیتے ہیں، مگر کچھ ایسے موضوعات یعنی مقامات تھے جن کو پڑھ کر محسوس ہوا کہ ابھی تک ہم جاہل ہی رہے تھے۔ سنہرے گنبد کا حسین منظر، سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کی فتح اور اس فتح کے بعد ان کا حسن کردار، انبیاء اور اولیائے کرام سے متعلق تذکرے اور سرزمینِ فلسطین سے ان کی نسبت اور دجال سے جنگ کا خاتمہ ایسے عنوانات تھے کہ جن کو پڑھ کر روح تازہ ہو گئی اور راقم کے لیے دل سے دعائلی۔

کتاب کی خوبیوں کو بیان کرنا یا شمار کرنا تو ممکن نہیں لگتا، البتہ چند ایک کمزوریاں محسوس ہوئی ہیں جن کو بیان کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں۔ زیادہ نہیں مگر کہیں کہیں لفظی غلطیاں تھیں جو کہ عموماً ہر کتاب میں پائی جاتی ہیں۔ ایک جگہ تکنیکی غلطی دیکھی جہاں پر راقم کتاب نے چونکہ ڈائری لکھی تو اپنی ڈائری کے ہی الفاظ ادا کیے، جیسے وہ حال پر مشتمل تھے، جبکہ سفر نامے میں ماضی کی بات ہو رہی تھی۔ ممکن ہے راقم کی بے پناہ محبت اور جذباتی احساسات تھے، تاہم راقم کتاب نے کئی مقامات پر ایک ہی بات کو دو یا تین بار دہرایا۔ تکرار سے تحریر کا حسن ماند پڑنے کا خدشہ ہوتا ہے۔ خیر! یہ میری ذاتی رائے ہو سکتی ہے، ممکن ہے ایسا نہ ہو۔ ایک بات کی وضاحت کرنا چاہیے تھی، کیوں کہ قاری کو یہ کتاب پڑھ کر لگے گا جیسے اسرائیل اچھا ملک ہے، مگر اس بات کی وضاحت ہونا ضروری تھا کہ اسرائیل کی فلسطینیوں کے ساتھ سلوک کی داستانیں اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہیں۔ سفر نامے میں ہر طرح کی انفرادیت کو قائم رکھا گیا ہے۔ اگرچہ یہ کتاب اس قدر ضخیم نہیں ہے مگر جو کچھ ان صفحات پر درج ہے، وہ کسی ضخیم ترین کتاب سے کم نہیں۔ کتاب کا دیدہ زیب اور خوش رنگ سرورق قاری کو پہلی ہی نظر میں متوجہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ صفحات رنگین اور اعلیٰ معیار کے ہیں، جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوگا کہ اعلیٰ معیار کی پرنٹنگ کا مقصد قاری کو بھی بہترین اور خوبصورت کتاب دینا تھا، جسے پڑھنے میں نہ تو دقت ہو اور نہ ہی الجھن کا سامنا کرنا پڑے، بلکہ ہر صفحے کے لمس میں احساسِ مسرت عیاں ہو۔ ڈائری میں ہر موضوع کے الگ اور اچھوتے عنوان سمجھنے میں آسانی کے ساتھ ساتھ ذوق اور تشنگی مطالعے میں اضافے کا سبب ہیں۔

## ایک عظیم شاہکار

مفتی ثناء اللہ (مدیر اقر اُحد یقۃ الاطفال سیکنڈری اسکول)

میری زندگی کے بیتے شب و روز سب ہی خوب صورت تھے، مگر زمانہ طالب علمی کے ماہ و سال خوبصورت ترین تھے، کیونکہ ان ایام میں ہمیں ایسے مایہ ناز اساتذہ کرام کا شرف تلمذ حاصل رہا جنہیں ڈھونڈنے کے لیے زمانہ چراغ کیا سورج کی تابناک کرنیں بھی ساتھ رکھے تو یقیناً ایسے حضرات کی بوجھ سے سو گھنٹے کو نہ ملے کہ جن کی محبت اور شفقت نے ہماری جماعت کے ہر ساتھی کو گوہر نایاب بنا دیا۔

ہاں! کسے پتہ تھا کہ آج کا سہیل باوا کل کا عالمی مبلغ ختم نبوت کا تمنغہ سجائے اُفق پر اپنی جداگانہ صلاحیتوں کا لوہا منوائے گا۔ یقیناً اس کے پیچھے جہاں اساتذہ کرام کی دعائیں کار فرما ہیں، وہاں مولانا سہیل باوا صاحب سے میری رفاقت 1988ء سے تاحال ہے۔

زمانہ طالب علمی میں بنوری ٹاؤن میں بیتے ایام میں کبھی بھی مولانا کا کوئی مضمون زیر نظر نہیں رہا، تاہم چھوٹے چھوٹے تراشوں کی صورت میں مضمون بینی اور مضمون نویسی ان کا محبوب مشغلہ رہا۔ لیکن حال ہی میں مولانا سہیل باوا کی عظیم تصنیف فلسطین کی ڈائری جسے پوری دنیا میں پذیرائی ملی ہے، یقیناً یہ ایک عظیم شاہکار ہے۔

اس انوکھے عنوان پر اچھوتی تحریر بہت سے بے راہ روؤں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ جس عنوان پر بڑے بڑے حضرات کا قلم مہر بہ لب تھا، اس عنوان پر مولانا سہیل باوا نے اپنے سفر بیت المقدس کو تصویری الہم اور خوبصورت تحریر کو زیب قرطاس کر کے ایک قابل فخر کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ مولانا صاحب کی اس ارض مقدس کے لیے کی گئی کاوش ہم جیسے ساتھیوں کے لیے باعث افتخار ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا کی اس کاوش کو مزید کامیابیوں و کامرانیوں سے ہم کنار کرے۔ اللہ تعالیٰ ان کے جذبے کو شاد باد رکھے۔ اللہ کرے ان کی کاوش نئی نسل میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی عقابنی روح پیدا کرنے اور قبلہ اول کی آزادی میں معاون و مددگار ثابت ہو۔

## مقامات مقدسہ کا مشاہدہ

عبدالحسیب خان

3 جولائی کو جمعہ کی نماز کے بعد مولانا سہیل باوا کی کتاب ”فلسطین کی ڈائری“ بذریعہ پوسٹ ملی، لاک ڈاؤن کی وجہ سے لندن جا کر خود وصول نہ کر سکا، کیونکہ اس سفر میں خود مولانا کے ساتھ موجود تھا، مسجد اقصیٰ کو دیکھنے کی تو شدید خواہش ہمیشہ سے تھی، اس سفر نے مجھے ہزاروں سال پیچھے دھکیل دیا۔

قرآن و حدیث کے وہ صفحات سامنے تھے اور عجیب کیفیات تھیں جب حضرت مریم علیہا السلام کا وہ کمرہ دیکھا جس میں بے موسم کا پھل آپ نے نوش فرمایا اور وہ جگہ جہاں حضرت زکریا علیہ السلام نے بڑھاپے میں اولاد کی دعا کی، وہ بڑے بڑے پتھر جن کو جنات نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی سرپرستی میں مسجد اقصیٰ میں نصب کیا، موسیٰ علیہ السلام کی قبر مبارک، لوط علیہ السلام کا مقام جہاں عذاب الہی اُترا، دجال کے ظہور اور عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے تمام واقعات کو چشم تصور سے دیکھنے کی کوشش کی۔ غرض گھر واپس آنے کے بعد بھی کئی دن تک میں ان ماضی اور مستقبل میں ہونے والے واقعات سے باہر نہ آسکا اور آج جب یہ عمدہ اور نفیس کتاب ہاتھ آئی تو یوں محسوس ہوا جیسے میں ایک بار پھر انبیاء علیہم السلام کی سرزمین پر موجود ہوں۔ مولانا کو اس بہترین کتاب کی اشاعت پر بہت مبارک باد اور جو حضرات پابندیوں کی وجہ سے مسجد اقصیٰ کا سفر نہیں کر سکتے، انھیں ”فلسطین کی ڈائری“ ضرور مسجد اقصیٰ کا سفر کروا سکتی ہے۔

## خوب صورت تحفہ

حافظ غلام رحمانی، کراچی

مولانا سہیل باوا میرے مدرسہ کے بچپن کے دوست ہیں مولانا سہیل باوا کی مادر علمی جامع مسجد نیوٹاؤن سے محبت آج سے نہیں بچپن سے تھی۔ ہم قاری محفوظ الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھتے تھے جو جامع مسجد نیوٹاؤن کے قدیم استاذ تھے اور پہلی دفعہ مولانا سہیل باوا کے شوق پر جامع مسجد نیوٹاؤن آپ کے ساتھ جانا ہوا۔ مولانا سہیل باوا نے بچپن سے آج تک ہمیشہ مجھ جیسے عام آدمی سے طنز و مزاح کا بے تکلف رویہ رکھا جس سے ماضی کی یاد آتی ہے، میں سمجھتا ہوں یہ اُن کے خلوص اور نسبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر کرتا ہے۔

مولانا نے اپنا سفر نامہ فلسطین کی ڈائری لکھی جو میرے لیے خوب صورت تحفہ ثابت ہوا، یہ کتاب انتہائی دیدہ زیب ہے اور اہم زیارات کے فوٹو اور مولانا کا انداز بیان جو جذبات کے ساتھ چلتا ہے اور قاری کو انگلی پکڑ کر مقامات مقدسہ کی زیارت کراتا ہے۔ درحقیقت یہ کتاب آج اور مستقبل کے مورخ کے لیے جہاں اہم سنگ میل ثابت ہوگی، وہیں اس کتاب میں الحاد کے نظریے پر بھی کاری ضرب لگائی ہے جنہوں نے بیت المقدس کی اہمیت گھٹانے کے لیے معاشرہ میں پروپیگنڈہ شروع کیا کہ مکہ مدینہ مسلمانوں کا ہے اور بیت المقدس اسرائیل کا ہے۔ یقیناً اس کتاب سے پیدا ہونے والی محبت امت کا بیت المقدس سے رشتہ مضبوط کر کے الحادی نظریے پر کاری ضرب لگائے گی۔ اس کتاب سے بزرگوں کے فیض کی خوشبو آ رہی ہے، یقیناً یہ فیضانِ نظر بھی ہے اور مکتب کی کرامت بھی۔

## ”فلسطین کی ڈائری“ ایک تاریخی دستاویز ایک شاہکار

از قلم: مفتی یوسف اسعد، بانی العلم انٹرنیشنل اکیڈمی ممبئی و خطیب گریس اسکوائر مسجد ممبرا

لفظ فلسطین ذہن میں آتے ہی ذہن مسجد اقصیٰ اور اس کے مسحور کن اور دیدہ زیب مناظر میں کھو جاتا ہے، کبھی تو فلسطین کا نام سنتے یا بولتے ہی جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے کون سا فلسطین؟ وہی جسے ارض الانبیاء کہا جاتا ہے! وہی جہاں ہمارا قبلہ اول ہے! وہی جہاں مسجد اقصیٰ آباد ہے، وہی جسے صلاح الدین ایوبی نے آزاد کرایا تھا؟ وہی ارض مقدس جس سے سفر معراج ہوا؟ وہی فلسطین جس کا چہرہ اپنے آپ میں ایک تابندہ تاریخ ہے؟ جس کا ذرہ آج کئی سالوں سے ظلم، جبر و استبداد کے تلے دبتا چلا جا رہا ہے! وروہ مقدس خطہ اپنی آزادی کی صدائیں لگا کر امت کے جوانوں سے مدد کی گہار لگا رہا ہے۔ کیا ہم اور آپ فلسطین اور مقاماتِ فلسطین کو جانتے ہیں؟ آئیے ہم آج اپنے آپ سے چند سوالات پوچھیں! کیا ہم نے وہاں کے مناظر دیکھے ہیں؟ کیا کبھی اقصیٰ کا حال پوچھنے کی کوشش کی؟ کیا اقصیٰ کے آنسو پونچھنے کا جذبہ بیدار ہوا؟ کیا کبھی سفرِ فلسطین کا شوق بیدار ہوا؟ کیا قبہِ صخرہ دیکھا؟ ایسا مقام جہاں انبیاء کے مبارک قدم پڑے ہوں، جو انبیاء کی آماجگاہ ہو، جہاں انبیاء کے اجساد و اجسام اپنی برکتیں لٹا رہے ہوں، جس مقام کو ”الذبیحی بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا“ کے ذریعے تفضّل و تقدس بخشا جا رہا ہو، ہاں ہم میں سے اکثر کا جواب نفی میں ہوگا۔

آخر یہ بے حسی کیوں؟ آخر یہ بے اعتنائی کیوں؟ ہم نے ہر دور میں تاریخ رقم کی ہے، ہر دور کے مؤرخ کے قلم کی جاودانی ہم ہی سے وابستہ رہی ہے، پھر یہ فکری اور عملی انحطاط کیوں؟ کیا اب ہم اپنی تاریخ دہرا نہیں سکتے؟ اچھا مان لیا وہ ایمانی قوت نارہی، وہ ایمانِ بلالی نارہا، وہ زورِ حیدر نارہا، لیکن تاریخ پڑھنے سے کس نے روکا؟ لائحہ عمل اور منصوبہ بندی کے بیچ آڑ کون بنا؟ جی ہاں! یہ سب ممکن ہوا اپنی روشن

اور سنہری تاریخ سے ناواقفیت کی بنا پر۔ تاریخ سے رشتہ توڑنے والی قوم کو بھی کبھی عروج نصیب ہوا ہے؟ نہیں نہیں اور ہرگز نہیں، کبھی نہیں! یہ تو خواب اور فریب ہے! کہیں کسی منصوبے کے تحت ہمیں اپنی اسلامی تاریخ سے دور تو نہیں کیا گیا؟ کہیں ہماری روایات کو ماضی کے اندھیروں میں ڈالنے کی کوشش تو نہیں کی گئی؟ کہیں اسلاف کی میراث کو ہم سے لوٹا تو نہیں جا رہا؟ ہاں ایسا ہی ہوا، حیا سوز لٹریچر اور فحش ناولز نے ہمیں دور کر دیا، تاکہ نہ ہم پڑھیں، نہ سوچیں، نہ فکر کریں، نہ فلسطین کو دوبارہ کوئی صلاح الدین میسر آئے!

لیکن تاریخ تو زندگی ہے، تاریخ قوموں کی معمار ہے، تاریخ ہمارے اور اسلاف کے درمیان ایک مضبوط سنہری کڑی ہے، تاریخ تو حیاتِ انسانی کی بقا کی ضامن ہے، ہمیں اپنی تاریخ کو پڑھنا ہے، اس پر سوچنا ہے، اسلاف کا ورثہ ضائع نہیں ہونے دینا اور ساری دنیا کو بتانا ہے کہ ہم اپنے ورثے کی حفاظت کرنا بخوبی جانتے ہیں؟ میری اس تمہید سے آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے، میرا مقصد سرزمین انبیاء فلسطین اور وہاں کے مقدس مقامات سے اپنے آپ کو واقف کروانا ہے اور اس کی تاریخ پڑھنے کی دعوت دینا ہے، آپ نے اب تک فلسطین کے سلسلے میں بہت کچھ پڑھا ہوگا، لیکن دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے اور کسی دل درد مند اور پر عزم شخصیت کی تحریر پڑھنا جس سے عزم اور حوصلے جوان ہو جائیں اور ان حوصلوں کے سائے تلے نیک جذبات پروان چڑھیں، اس کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

ایک ایسا تحریر کردہ مسودہ جو تاریخی دستاویز بھی ہو اور جس کی دیدہ زیب پرشکوہ تصویروں کی مدد سے ہم وادی مقدس کی مست فضاؤں میں کھو جائیں گے، قاری یوں محسوس کرے گا گویا میں فلسطین کی وادیوں میں گھوم رہا ہوں اور میرے حوصلے پروان چڑھ رہے ہیں، آپ پڑھتے جائیں گے اور ختم نبوت کے اس سپہ سالار نو جوان میرے کرم فرما، مشفق و محسن مولانا سہیل باوا صاحب (لندن) کو اپنی دعاؤں سے نوازتے جائیں گے، یوں لگے گا مولانا آپ کو ایک ایک مقام پر کھڑے گا بیڈ کر رہے ہیں، اپنے اس عظیم شاہکار میں مولانا نے ہر مقام کا پرکشش نقشہ کھینچ دیا ہے۔

فلسطین جائیے اور یہ ڈائری ساتھ نا ہو تو اپنے سفر کو ادھورا ہی سمجھئے۔ کتنے ہی ایسے ہیں جو اس تاریخی فکری انقلابی کتاب کو پڑھنے کے بعد سے ہی فلسطین کے سفر کو تیار بیٹھے ہیں، یہی تو انقلاب ہے۔

حضرت مولانا سہیل باوا صاحب زید کرمہ جن کی ختم نبوت کی خدمات سے کون واقف نہیں؟! یہ تو ایک فکر انگیز مصنف بھی نکلے، کل ہی فون پر حضرت کی گفتگو سے بندے کو اس کتاب کے متعلق مستقل تفصیلی علم ہوا، تب ہی سے دل بے چین و بے تاب ہے کہ آخر کون اپنی ڈائری کسی کو پڑھنے کے لیے دیتا ہے، مگر مولانا موصوف نے اپنی علمی تاریخی فکری وسعت کو گویا اس ڈائری میں سمودیا ہے۔

مولانا موصوف تو کامیاب ٹھہرے کہ چند ماہ میں پہلا ایڈیشن شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ لے لیا گیا، مقبولیت کی ہی تو علامت ہے کہ کئی بڑوں نے اس کتاب پر تبصرے لکھے اور مولانا کو مزید ملکوں کے سفر ناموں کی تبویب پر ابھارا ہے، اب دوسرے ایڈیشن میں میری یہ تحریر آپ کے سامنے ہے، عنقریب پاکستان میں بھی آپ حضرات مولانا کے اس سفر نامے کی خوشبو سے حصہ پائیں گے، ان شاء اللہ۔

جب میں بھی واقف حال ہوا تو یوں خیال ہوا کہ کچھ اپنی جانب سے بھی لکھ کر حضرت کو مبارکباد دوں، تاکہ قارئین کو تاریخ کے اس ادنیٰ طالب علم کی طرف سے کچھ شوق پیدا ہو تو زہے نصیب۔ اور اب کیا لکھوں سچ تو یہ ہے کہ عطر اپنی خوشبو سے خود ہی ماحول معطر کر دیتا ہے۔ لیجیے، پڑھیے، اب آپ ہیں، مولانا ہیں اور ”فلسطین کی ڈائری“ ہے! دعا ہے کہ اللہ حضرت مولانا کی اس کوشش و کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے۔ ہمیں امید ہے ان شاء اللہ ہمارے ملک انڈیا میں بھی اس کتاب کی طباعت عنقریب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کے حضور بدست دعا ہیں کہ اللہ مولانا کی جملہ مساعی جلیلہ کو قبول فرمائے اور شادر رکھے،

آباد رکھے۔ (آمین)

## عظیم الشان کام

از فہیم الحسن تھانوی مقیم لاہور

چند دن قبل مجھے جناب مولانا سہیل باوا صاحب کا فون آیا، خیال تھا کہ میری عیادت کے لیے ہوگا، لیکن عیادت کے ساتھ مجھے یہ اطلاع بھی دی کہ آپ کے لیے ”فلسطین کی ڈائری“ لاہور پہنچا دی ہے، آپ وصول فرمائیں، اسی وقت کوشش کی، بہر حال اگلے دن شام کو میرے سامنے تھی۔ و فوراً جذبات کے ساتھ اس خیال سے کھولا کہ فی الوقت سرسری ورق گردانی کر کے بعد میں مطالعہ کروں گا، کیونکہ 14 دن قرنطینہ اور کرونا کے بخار سے بدن میں شدید درد اور کمزوری ہے۔ لیکن کیا کریں مولانا سہیل باوا صاحب کا کہ ہاتھ پکڑا اور ایسا لے کر چلے کہ صفحہ 52 تک ہوش ہی نہ آیا، کہاں میں اور کہاں بیت المقدس؟ بس یوں لگا کہ سب سامنے آگیا، اس قدر جامع اور حقیقت انگیز اور سب سے بڑھ کر مستند اور آنکھوں دیکھا حال۔ میرے پاس تو الفاظ نہیں اس کتاب کے الفاظ کی تعریف کے لیے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جناب مولانا سہیل باوا صاحب کو اور ان کے رفقاء سفر و معاونین کو جنہوں نے یہ عظیم الشان کام سرانجام دیا۔ یہ انعام ہے خداوند باری تعالیٰ کا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی بارگاہ میں قبولیت کا درجہ عطا فرمائے، آمین۔

میں اس کرم کے کہاں تھا قابل  
حضور کی بندہ پروری ہے

## انمول تحفہ

مولانا حماد بن اسحاق، مقیم ترکی، فاضل بنوری ٹاؤن کراچی

الحمد للہ بندہ نے آپ کی کتاب فلسطین کی ڈائری جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے، چند صفحات کا مطالعہ کیا، ماشاء اللہ معلومات کا خزانہ ہے، اور خصوصاً نوجوان نسل کے لیے انمول تحفہ ہے، بندہ کو چند دن پہلے ایک فلسطینی ساتھی شیخ حسام کے توسط سے ابو خالد فلسطینی سے جلیل القدر مشہور صحابی دحبیہ الکلبی رضی اللہ عنہ کی مرقد مبارک کی ویڈیو ملی جو کہ شمال فلسطین کے ناصرہ کے قریب علاقہ مرج ابن عامر، قریہ دحبیہ میں واقع ہے، اس ویڈیو کو میں نے مولانا سہیل باوا صاحب کو ارسال کیا ہے اور مولانا سے گزارش کی ہے کہ فلسطین جانا ہو تو اس مقام کی زیارت کے لیے ضرور تشریف لے جائیں، اور اس معلومات کو اپنی کتاب فلسطین کی ڈائری میں شامل فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو مولانا کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔

## کھوئے ہوئے ورثے سے آگاہی

از قلم: ڈاکٹر محمد عارف صدیقی (مصنف، تجزیہ کار، ٹریزر)

سرزمینِ فلسطین کی تمام مذاہب کے نزدیک کیا اہمیت ہے؟ اس مقدس سرزمین پر مسلمانوں کا حق کیوں اور کیسے ہے؟ مسجدِ اقصیٰ مسلمانوں کے لیے کیا مقام رکھتی ہے؟ اس کے چھن جانے کا مطلب کیا ہے؟ زمانہ آخر کی پیشین گوئیوں میں ارضِ شام و فلسطین کا ذکر کیوں ہے؟ فلسطین و شام کو سرزمینِ انبیاء کیوں کہا جاتا ہے؟ محترم قارئین! یہ اور ایسے ہی چند اور سوالات ہیں جن کے جوابات جاننا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہیں۔ مگر شاطر دشمن نے بازی یوں کھیلی کہ نوجوان مسلمان تو ایک طرف اکثر اکابرین بھی اپنی وراثت سے دستبردار ہو گئے۔ اور یہ دست برداری لا تعلقی کی اس سطح پر جا پہنچی کہ آج فلسطینی مسلمانوں کا خون سب سے ارزاں ٹھہرا۔

پوری امت مسلمہ ماسوائے ترکی اور چند ایک دیگر ممالک کے اس مسئلہ پر لب کشائی کی بھی جرات نہیں رکھتی۔ نوجوان نسل کا تو یہ عالم ہے کہ انہیں اس مسئلہ کی سنگینی کا احساس ہونا تو درکنار اس کے وجود تک کی خبر نہیں۔ آج مساجد و مدارس اس ذکر سے خالی نظر آتے ہیں کہ جن تین مساجد کی طرف سفر کرنے کا بھی ثواب ہے ان میں سے ایک مسجدِ اقصیٰ ہے۔ غرض یہ کہ بے حسی اور لا تعلقی کا ایسا المناک عالم اس سے قبل مسلمانوں پر نہیں آیا۔ ہمارے عہد کے مسلمان اپنی ہی تاریخ بھول گئے، انہیں یاد نہیں رہا کہ صلاح الدین ایوبی کی زندگی جس مقصد کے حصول کے گرد گھومتی رہی وہ بیت المقدس قبلہ اول کی آزادی تھا۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے دنیا پر اسی نے حکومت کی جس کے پاس بیت المقدس کا کنٹرول رہا۔ مگر اب ہم اس حقیقت کو فراموش کر چکے ہیں۔

ایسے میں حضرت مولانا سہیل باوا صاحب نے ”فلسطین کی ڈائری“ کے نام سے اپنا سفر نامہ

فلسطین مرتب کیا۔ یہ سفر نامہ عقیدت اور محبت میں ڈوب کر لکھا گیا ہے۔ اور اسے فلسطین کی ایک مستند تاریخ کے طور بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ اس سفر نامہ ”فلسطین کی ڈائری“ کی میرے نزدیک سب سے بڑی افادیت یہ ہوگی کہ یہ ہم مسلمانوں کو ان کے کھوئے ہوئے ورثے سے آگاہ کرے گی۔

کتاب کا انداز بیاں اتنا عمدہ اور دل کو چھو لینے والا ہے کہ قاری خود بخود اراضِ فلسطین، مسجد اقصیٰ اور دیگر مقامات مقدسہ کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ جہاں بیت المقدس کی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح کا پڑھ کر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی شانِ بے نیازی اور استغنا کا پتا چلتا ہے، وہیں سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں فتح کا پڑھ کر اس دور کے مسلمانوں کی دلیری، شجاعت، عسکری مہارت، استقامت اور قربانیوں کا علم ہوتا ہے۔ اور ان فتوحات کے بعد مفتوحین سے ان مسلم فاتحین کا سلوک اسلام کی اصل روح اور مسلمانوں کی عظمت کو اجاگر کرتا ہے۔

فاضل مصنف نے انتہائی خوبصورتی سے اوپر بیان کردہ احساسات قاری کے دل میں پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، اور اس کے ساتھ دجال کے ساتھ جنگ کا واقعاتی ذکر کر کے اس عہد کے مسلمانوں کو خبردار کیا ہے اور بالواسطہ طور پر اس آخری معرکہ کے لیے تیار رہنے کے لیے ذہنی طور پر آمادہ کیا ہے۔ مصنف نے اپنا فرض احسن طور پر پورا کیا ہے۔ اب یہ ہم پر ہے کہ ہم اس چنگاری کو سمجھنے نہ دیں اور قلب اور نظر کو پاکیزہ کر کے میدانِ عمل میں اترنے کی تیاری کریں۔

## مقدس اور پاکیزہ سرزمین کا عظیم سفر نامہ

ڈاکٹر مفتی عبدالماجد، اسٹنٹ پروفیسر شعبہ قرآن و سنہ کلیہ معارف اسلامیہ، وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی

فلسطین وہ مبارک خطہ سرزمین جو صدیوں سے ایک مقدس اور پاکیزہ اہمیت کا حامل رہا ہے، بے شمار انبیاء کا مسکن، قبلہ اول کا مقام، سفر معراج کی ابتداء، مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کے لیے یکساں قابل احترام۔ فلسطین کی سرزمین پر صہیونیوں کی ناجائز ریاست اسرائیل کے قیام کو اب 2020ء میں 72 سال مکمل ہو جائیں گے، ان ماہ و سال میں گزرنے والا ایک ایک دن فلسطین کی مظلوم ملت پر قیامت سے کم نہیں گزرا۔ صہیونیوں کی جانب سے فلسطین پر قبضہ کے ایام ہوں یا پھر قبضہ کے بعد کے دن، تاریخ کے اوراق ان مکروہ ظالموں کے ظلم سے بھرے پڑے ہیں۔

جہاں ایک طرف یہ ظالم ارض مقدس پر اپنے ناجائز قبضے کو مکمل کرنے کے لیے کسی بھی قسم کے ظلم اور تشدد سے گریز نہیں کرتے، وہیں مظلوم فلسطینی ملت کی شجاعت اور استقامت میں بھی آج تک کسی بھی قسم کی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔ امید کا دامن تھامے نوجوان، عورتیں، بچے اور بوڑھے جدوجہد آزادی کا علم بلند کیے غاصب صہیونیوں کے خلاف سر بکف اور سینہ سپر ہیں۔

قبلہ اول بیت المقدس پر اسرائیل کے ظالمانہ و غاصبانہ قبضہ کے بعد سے امت مسلمہ کی کئی پیاسی آنکھیں اس کے دیدار کو ترستی اور دل تڑپ کے رہ جاتے ہیں، مگر ان کے لیے ارض مقدس تک رسائی ناممکن ہے۔

مگر امت مسلمہ کے کچھ خوش قسمت فرزند ایسے بھی ہیں جنہیں کسی اور ملک کی شہریت کی بنیاد پر بیت المقدس جانے اور قبلہ اول کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

انہی میں سے ایک قسمت کے دھنی عالمی مبلغ ختم نبوت، ہر دل عزیز برادر عزیز مولانا سہیل باوا

صاحب بھی ہیں جنہوں نے اپنے اس مبارک تاریخی اور تصویری روح پرور منفرد سفر نامے کے شب و روز کو جاذب نظر، خوبصورت اور دیدہ زیب سرورق، عمدہ ڈیزائننگ کے ساتھ قیمتی صفحات پر منتقل کرنے کے بعد فلسطین کی ڈائری کے عنوان سے معنون کر کے ہدیہ قارئین کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

اس سفر نامے کا عنوان ہی اس میں موجود تحریروں اور تصویروں کا ترجمان اور عکاس ہے۔ گو کہ سفر کی روداد لکھنے کا سلسلہ خاصا قدیم ہے، لیکن یہ سفر نامہ اس اعتبار سے بالکل مختلف اور منفرد ہے کہ سفر نامہ نگار ہر منظر میں اتنا ڈوبا ہوا محسوس ہوتا ہے کہ تمام مشاہدات گویا اس کی ذات کا حصہ ہوں اور جو قبلہ اول کو دیکھ کر زبانِ حال سے یوں گویا ہے۔

تیرے وجود سے میری زبان کو گویائی  
تیرے ہی دم سے ہے آنکھوں میں میری بینائی  
جو تو نہیں تو میری شام کیا سویرا کیا  
تیری ہی ذات سے روشن جہانِ زیبائی

ہمیں تو نہیں معلوم کہ کب اور کیسے اس ارضِ مقدس کا دیدار نصیب ہو!! مگر معلومات سے بھرپور اس سفر نامے نے مجھے انگلی پکڑے دھیرے دھیرے تمام مقاماتِ مقدسہ کی اس طرح زیارت کروائی کہ گویا خود وہاں موجود اس مبارک سفر کا حصہ ہوں۔

کہنے کو تو یہ ایک سفر نامہ ہے، مگر یہ ایک قدیم داستان اور صدیوں کی تاریخ اپنے اندر سموئے قاری کو آہستہ آہستہ اپنے سحر میں جکڑ لیتا ہے۔ زندگی میں بعض کتابیں دل و دماغ کو متاثر کرتے ہوئے گہرے اور اُٹھ نغوش چھوڑ جاتی ہیں اور بار بار پڑھے جانے پر مجبور کرتی ہیں، ان میں سے ایک یہ سفر نامہ بھی ہے۔

میں صمیم قلب سے شکر گزار ہوں برادرِ سہیل باوا صاحب ختم نبوت اکیڈمی لندن کا جنہوں نے سمندر پار اتنی دوری کے باوجود اپنے دل سے اتنا قریب رکھتے ہوئے اس پیارے تحفے سے نوازا کہ اپنی محبت کا احساس دلایا اور دل کو شاد کر دیا۔

دل سے دعا ہے کہ رب کریم برادرِ عزیز کی ختمِ نبوت سمیت دیگر علمی، تبلیغی و تصنیفی کاوشوں کو شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے سرورِ کونین، شافعِ محشر، خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور اُخروی نجات کا ذریعہ بنائے، آمین یا رب العالمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم.

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
مَرْحُومًا مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ  
وَمَا كُنْتُ مِنَ الْغَائِبِينَ

## لوٹن سے لد (بہترین زیارت)

### مظفر اعجاز

ایک روز واٹس ایپ پر دیکھا، ایک صاحب مسجد اقصیٰ میں مختلف مقامات کی ویڈیو بنا رہے اور ان پر تبصرہ کر رہے ہیں۔ دنیا کی اس دوسری مسجد کے بارے میں جاننے کا اشتیاق ہوا، ساتھ ہی ان صاحب کا نام دیکھا، یہ عالمی مبلغ ختم نبوت سہیل باوا تھے۔ اب دو چیزوں کا اشتیاق تھا، یہ نام کچھ سنا ہوا تھا، ایک دن فون بھی کر لیا اور بات ہوئی تو پتا چلا کہ یہ تو عظیم شخصیت ختم نبوت کے سپاہی عبدالرحمن باوا کے فرزند ہیں اور پی ای سی ایچ ایس میں ہمارے پڑوسی تھے۔ ان کی ویڈیوز دیکھ کر ہم حسرت کرتے تھے اور ان کی خوش قسمتی پر ہم بھی خوش تھے کہ برطانیہ میں ہونے کا فائدہ کتنا ہے، جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں۔ گزشتہ برس کے آخر میں اور 2020ء کی ابتدا میں عالم اسلام کے مبلغین سے ملاقاتوں کا احوال بیان کیا۔ اس عالم میں ایک روز دل میں خیال آیا کہ سہیل باوا سے گزارش کی جائے کہ اپنی تمام ویڈیوز اور سفر ناموں کو تحریر میں لا کر کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے، تاکہ ہم ایک جگہ ساری چیزیں دیکھ لیں اور یقین جانیں! یہ کیا کرامت تھی، یقیناً ان صاحبان فیض کی کرامت ہوگی جو ساری عمر ختم نبوت کے تحفظ میں گزار دیتے ہیں۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، اسکرین پر سہیل باوا لکھا ہوا تھا اور انہوں نے یہ اطلاع دی کہ میں نے اپنے سفر ناموں پر مشتمل کتاب ترتیب دی ہے، آپ کو بھجوا رہا ہوں، خالد محمود صاحب کتابیں پہنچائیں گے اور اگلے دن کتب بھی آگئیں۔ کیا خوبصورت طباعت، بہترین کاغذ، عمدہ سرورق، اس نے مسحور کر دیا۔ ”فلسطین کی ڈائری“ نام بھی اچھوتا ہے، پھر یوں ہوا کہ وائرل بخار نے گھیر لیا، دس بارہ دن کا وقت لے گیا اور دفتر آتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ اس کتاب کو کھولا۔ حق انتساب کا خوبصورت پیرایہ اور انتساب، پھر امام عطاء اللہ خان کا مقدمہ، خالد محمود کی تمہید، ڈاکٹر محمد ہارون خان اور مفتی عبدالوہاب کی تقاریظ، اور مفتی محمد رضوان کی تحریر ”اقصیٰ کا مسافر“، نظروں سے گزری، پھر حرف آغاز اور ایسا لگا کہ اب

رکنا نہیں ہے۔ اندازِ تحریر بھی تقریر کی طرح کا ہے، جب سہیل باوا ویڈیو بنا کر کسی جگہ لے چلتے ہیں تو دیکھنے اور سننے والا خود کو اسی مقام پر محسوس کرنے لگتا ہے۔ اپنی کتاب کے ذریعے سہیل باوا نے مسجد اقصیٰ کی عظمت، اس پر یہودیوں کے مظالم، فلسطینیوں کے عزم و ہمت کے بارے میں جس خوبصورتی اور ترتیب سے معلومات تحریر کیں اس سے ایسا ہی لگا کہ اب وہ انگلی پکڑ کر ہمیں قبلہ اول لے کر چل رہے ہیں۔ سہیل باوا کو اس مسجد میں ایک دو نہیں، کئی نمازوں کا شرف حاصل ہوا ہوگا، ان پر رشک تو کیا جاسکتا ہے، جس مسجد کی شان ہمارے آقائے نبی آخر الزماں خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ نے یوں بیان کی ہو کہ ”میری مسجد میں پڑھی جانے والی نماز اس مسجد (مسجد اقصیٰ) کی چار نمازوں سے افضل ہے اور وہ نماز کی جگہ تو بہت ہی خوب ہے۔ عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگوں کو گھوڑے کی ایک لگام کے برابر بھی کوئی ایسی جگہ مل جائے کہ جس سے وہ مسجد اقصیٰ کی زیارت کر سکیں تو ان کے نزدیک یہ زیارت پوری دنیا سے بہتر ہوگی۔“

اب بتائیں کہ سہیل باوا پر کسے رشک نہیں آئے گا، لیکن ساتھ ہی دعا بھی نکلتی ہے کہ نہ صرف خوبصورت کتاب لکھی بلکہ بے بہا معلومات ایک جگہ جمع کر دیں: مسجد کی فضیلت، القدس کے فضائل۔ جب سہیل باوا نے لندن لوٹن سے لد فلسطین تک کا سفر شروع کیا تو ہم ان کے ساتھ ہی تھے (خیالی طور پر) لیکن پھر سہیل باوا جہاں جہاں گئے ہم نے خود کو وہاں پایا اور اب دل و دماغ پر یہ بات ثبت ہو گئی ہے کہ اب تو ہمیں بھی جانا ہے، کیسے؟..... یہ تو ہمیں نہیں معلوم، لیکن جیسے کتاب پہنچی، جیسے سہیل صاحب سے رابطہ ہوا، ویسے ہی کچھ نہ کچھ ہوگا..... (ان شاء اللہ)

سہیل باوا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے براق کے سفر کے مقام کا بھی ذکر کیا اور اس کی فضیلت بھی بیان کی، ساتھ ہی فن تعمیر کا بھی ذکر کیا۔ ہمیں تو ان کی بھیجی ہوئی ویڈیوز دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ جہاں وہ کھڑے ہیں، ہم بھی وہیں ہیں۔ سہیل باوا کی کاوشیں جاری ہیں، اللہ ان میں اضافہ کرے اور مقبول بنائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب سہیل باوا نے بیت المقدس کے بارے میں کوئی گوشہ خالی نہیں چھوڑا اور قاری کو بہت سی اہم معلومات فراہم کی ہیں کہ اس کے نام کیا کیا تھے؟ تعمیر میں کب کب اضافہ ہوا؟ اور موجودہ صورت کیا ہے؟ وہ قاری کو اپنے ساتھ ہر جگہ لے گئے ہیں۔ تاہم اس سفر نامے سے

یہ تاثر بھی ملتا ہے کہ فلسطینی مسلمانوں کو مسجد اقصیٰ میں جانے اور عبادت کرنے پر کوئی پابندی نہیں، شاید اس احتیاط کی وجہ یہ ہو کہ آئندہ بھی زیارت کا راستہ کھلا رہے۔ بہر حال یہ سفر نامہ منفرد ہے۔ بلاشبہ یہ قارئین کے لیے ایک قیمتی علمی ذخیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سہیل باوا کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔ کتاب ختم نبوت اکیڈمی لندن نے شائع کی ہے اور مکتبہ امداد العلوم ناظم آباد سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

مکتبہ امداد العلوم ناظم آباد سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

# سحرا نگیز اور پر لطف سفر نامہ

تحریر: بنت اقلیم قدوائی

”سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلٰی الْمَسْجِدِ  
الْاَقْصَا الَّذِیْ بُرُکْنَا حَوْلَہٗ لِئُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ هُوَ السَّیِّعُ الْبَصِیْرُ۔“

(سورہ بنی اسرائیل: 1)

زندگی کیا ہے اور یہ انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے؟ یہ وہی انسان سمجھ سکتا ہے جو زندگی کے اصل مقصد سے واقف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر اس کو یہ باور کروایا کہ وہ تمام مخلوقات میں سے افضل ترین مخلوق ہے اور اس افضلیت کے کچھ تقاضے ہیں جو اس نے اپنی آخری سانسوں کی گنتی پوری ہونے سے پہلے پہلے پورے کرنے ہیں۔ ہم میں سے اکثر لوگ زندگی کو صرف اور صرف اس لیے گزارتے ہیں کہ وہ زندگی گزارنے کے لیے ہی پیدا کیے گئے ہیں، مگر اس دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو نہ صرف زندگی کو خود جیتتے ہیں، بلکہ دوسرے انسانوں میں جینے کی اُمنگ بھی پیدا کرتے ہیں۔ الحمد للہ ایسے ہی کچھ لوگ میری زندگی میں بھی شامل ہو چکے ہیں، جنہوں نے میری زندگی کو ایک نیارنگ دیا۔

ایک ایسی روشنی ان قابل احترام ہستیوں کے وجود سے پھوٹی جنہوں نے مجھ جیسے پتھر کو غفلت کے اندھیروں سے نکال کر فکر کی دنیا کی سیر کروائی اور یہ سیر اتنی سحرا نگیز اور پر لطف ہوتی گئی جیسے جیسے اس سیر میں کچھ نئے دوست اور احباب شامل ہوتے گئے اور آج میرے گرد اہل علم و دانش کا ایسا حلقہ ہے کہ میں اپنی خوش قسمتی پر جتنا رشک کروں اتنا کم ہے۔

ایک مہربان دوست کی بدولت مجھے ایک ایسی شخصیت سے ملنے کا اتفاق ہوا جنہیں میں اگر فلسطین کا بیٹا کہوں تو غلط نہیں ہوگا۔ جی ہاں! فلسطین کے بیٹے سے میری مراد خادم ختم نبوت مولانا سہیل باوا

صاحب ہیں جو لندن میں رہائش پذیر ہیں اور الحمد للہ ختم نبوت لندن اکیڈمی کے روح رواں ہیں۔  
میرا قلم اور میری کم علمی مجھے ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دے رہی ہے کہ میں مولانا سہیل باوا  
صاحب کے منفرد سفر نامے، جو انہوں نے تاریخ کے اوراق کو کھول کر فلسطین کی گلیوں میں لکھا اور مسلمانان  
عالم کی پیاس بجھانے کے لیے انتہائی خوبصورت پیرائے میں قلم بند کیا ہے، پر کچھ لکھ سکوں، مگر اگر کچھ نہ لکھا  
تو یہ لکھاری اور فلسطین دونوں کے ساتھ ہی زیادتی ہوگی۔ اس لیے چند سطور پیش خدمت ہیں:

بشمول دیدہ زیب سرورق اور اندازِ بیاں اتنا مؤثر کہ ہر لفظ پر دلِ عیش عیش کر اٹھتا ہے۔  
قاری کو دورانِ مطالعہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ خود فلسطین کی گلیوں میں گھوم پھر رہا ہے اور دل میں ہر وہ  
مقام چھونے کی، انہیں آنکھوں کے رستے دل میں اتارنے کی اور ان معطر فضاؤں میں سانس لینے کی  
خواہش انگڑائی لیتی ہے جہاں جہاں سہیل باوا صاحب کے قدم رنجہ ہوئے۔ جیسے جیسے فلسطین کا سفر نامہ اپنے  
اختتام کی جانب بڑھتا گیا ویسے ویسے دکھ کی چادر میرے وجود کے گرد لپٹی چلی گئی۔

مسلمانوں کی عظیم الشان تاریخ سے ناواقفیت کا کرب، اہل فلسطین کی بے سروسامانی اور نہتے  
فلسطینیوں پر یہودیوں کے مظالم نے آنکھوں کو نم کر دیا۔ آج کے مسلمانوں کی نئی نسلیں اپنی تاریخ سے  
بالکل انجان ہیں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ، حضرت شداد  
بن اوس رضی اللہ عنہ، نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ، سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ جیسے تصوف و علم  
و ادب کے خزانوں اور بہادری اور شجاعت کی لازوال داستانوں کی مسلمان نسل کہاں سوجھ بوجھ رکھتی ہے!  
بیت المقدس، مسجد اقصیٰ، مسجد قبلی، گنبد صخرا، دیوارِ گریہ، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا تاریخی عہد  
نامہ، مقامِ لد اور عثمانی دور کی لازوال تاریخ، اب ایک بھولی بسری یاد بن چکی ہے۔ سہیل باوا صاحب کے  
سفر نامہ نے ان مٹے مٹے نقوش کو ایک بار پھر سے زندہ کر دیا ہے۔ حضرت ابراہیم، سیدنا سارہ، حضرت  
سلیمان، حضرت یونس، حضرت داؤد، حضرت اسحاق اور ان کی زوجہ محترمہ، حضرت موسیٰ، حضرت لوط اور  
دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور کی زیارت نے دل کو عقیدت اور جذبات سے بھر دیا ہے۔

سفر نامے کے دوران لی گئیں خوبصورت تصاویر سے ان مقدس مقامات کو دیکھنے کا موقع ملا اور

دل میں شدید خواہش جاگی ہے کہ اگر زندگی نے کبھی موقع دیا تو ان مقدس مقامات کو دیکھنے کے لیے فلسطین کا سفر ضرور کیا جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آخر میں مولانا سہیل باوا صاحب سے التماس ہے کہ اپنے اس تاریخی سفر نامے کو عوام الناس کے لیے انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع کروائیں، تاکہ امت مسلمہ کی نسلوں کو فلسطین کی تاریخی اہمیت سے آگاہی ہو سکے، کیونکہ لمحہ بہ لمحہ بدلتے ہوئے موجودہ حالات کو سمجھنے کے لیے گزری ہوئی تاریخ کا علم ہونا ہر مسلمان کے لیے از حد ضروری ہے۔

دلی دعا ہے اللہ تعالیٰ مولانا سہیل باوا صاحب کی انتھک کوششوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور ان کا پیغام دنیا کے کونے کونے تک پہنچے، آمین یا رب العالمین! جزاء اللہ خیر!

## نعمت غیر مترقبہ

از بنت ابراہیم (المعروف بہ حیاتی کلہا اللہ، کراچی)

میرے کرم فرما حضرت مولانا سہیل باوا صاحب کی جانب سے ناچیز بندی کو ایک پر خلوص ہدیہ ’فلسطین کی ڈائری‘ موصول ہوا، الحمد للہ۔ حضرت کا اصرار تھا کہ مذکورہ کتاب پر میں کچھ تبصرہ کروں، لیکن ’من آنم کہ من دانم‘ کی کیفیت سے واقف سے کوئی علمی و ادبی گزارش کرنا ان کی اس علمی کاوش کے ساتھ ایک مذاق والی بات تھی۔

لیکن ’الأمرفوق الأدب‘ کو مد نظر رکھتے ہوئے کچھ ٹوٹے پھوٹے الفاظ اور کچھ بے ترتیب سے جملے لکھنے کی کوشش کی ہے۔ شاید ہی کوئی شخص ہو جس کو مسجد اقصیٰ دیکھنے کی چاہت اور طلب نہ ہوگی اور چاہت اور طلب آخر ہو بھی کیوں نا کہ اس مسجد کی جانب کوچ کرنے اور رخت سفر باندھنے کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی موجود ہے، اس قدیم شہر فلسطین اور عظیم مسجد سے اسلامی تاریخ کی بڑی گہری وابستگی ہے، اور اس مقدس اور متبرک سرزمین سے بہت سارے عظیم واقعات اور حادثات کا براہ راست تعلق ہونے کی بنا پر اس مسجد اور اس علاقہ کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے، بہت ہی کم لوگ ہوتے ہیں جو ایسی سعادت پاتے ہیں کہ بذات خود مسجد اقصیٰ کے لیے رخت سفر باندھیں اور وہاں جا کر ان تمام تاریخی واقعات کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ ’شہیدہ کے بودماند دیدہ‘، لیکن ہر شخص کے پاس اتنے وسائل اور اسباب نہیں ہوتے کہ وہ مسجد اقصیٰ کی زیارت کرے اور اپنے سر کی آنکھوں سے ان نقوش اور آثار کو دل کی گہرائیوں تک پہنچائے، لہذا ایسے افراد کے لیے زیر نظر سفر نامہ ’فلسطین کی ڈائری‘۔ جو کہ حضرت مولانا سہیل باوا صاحب کا سفر نامہ ہے۔ کسی نعمت غیر مترقبہ سے ہرگز کم نہیں، کیوں کہ صاحب کتاب نے مقامات کے مختصر تعارف اور طول و عرض کے بیان کے ساتھ ساتھ صحیح تاریخی پس منظر بھی عمدہ طریقہ سے ذکر کیا ہے، سب سے اہم اور قابل ذکر خوبی اس سفر نامہ کی یہ ہے کہ قاری یہ احساس

کیے بغیر نہیں رہتا کہ وہ خود ان تاریخی مقامات کو دیکھ رہا ہے، نیز شہر فلسطین کے گلی کوچوں میں گھوم پھر رہا ہے، گویا کہ سفر نامہ پڑھنے والا چشم تصور سے خود کو ارض فلسطین پر پاتا ہے، لہذا ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اس شہر کی حقیقی تاریخ اور اسلام سے اس شہر کی وابستگی کو جاننے اور سمجھنے کے لیے اس سفر نامہ کا ضرور مطالعہ کرے، کیوں کہ ہمارے لیے بحیثیت مسلمان اپنی تاریخ کو جاننا بھی کسی واجب سے کم نہیں۔

نیز موجودہ حالات میں تو اس بات کی اہمیت اور ضرورت مزید بڑھ جاتی ہے، جیسا کہ آج کل مسجد اقصیٰ کو صہیونی اپنے قبضے میں کرنے کی کوشش میں ہیں، اس کے اصل باشندگان کو جلا وطنی یا محسوری و مجبوری کی زندگی بسر کرنے کی ناپاک کوششیں کی جا رہی ہیں۔ باشندگان فلسطین کی اراضی کو غصب کر کے ان کو تمام تر انسانی حقوق سے محروم کر کے ہر طرح کی سہولت سے دور کیا جا رہا ہے۔

ضروری ہے کہ ہر مسلمان فلسطین اور فلسطین سے متعلق تمام حقائق کو جانے، لہذا اس مقصد کے لیے ’فلسطین کی ڈائری‘ نامی سفر نامہ انتہائی مفید ثابت ہوگا، کیوں کہ مذکورہ سفر نامہ تمام ضروری پہلوؤں کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے موضوع پر جامع بھی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ جناب مولانا سہیل باوا صاحب کا یہ سفر نامہ ایک مستند اور ناقابل انکار حقائق پر مشتمل ایسی تاریخی دستاویز ہے جس کو کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو اس عظیم کام پر جزائے خیر عطا فرمائے اور مسجد اقصیٰ اور ارض فلسطین کو دشمنوں سے محفوظ فرمائے، آمین، آمین، آمین یا رب کریم

## آوازِ دل

تحریر: مشتاق قریشی، کالم نگار اخبار جنگ، کراچی

ایک بہت حسین خوبصورت تحفہ جناب سہیل باوا کا سفر نامہ ”فلسطین کی ڈائری“ ملا، کیا خوب صورت اور خوب سیرت کتاب ہے، کتاب کو دیکھ کر ہی دل باغ باغ ہو گیا، کتاب کیا ہے ایک چلتی پھرتی تاریخ ہے، ایسی کتاب کم ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔ سہیل باوا ایک عالم دین ہیں، اگر یوں کہوں وہ ایک دینی سیاح ہیں تو غلط نہیں ہوگا۔ ”فلسطین کی ڈائری“ نہ صرف فلسطین بیت القدس کی تاریخ ہے، بلکہ یروشلم کی ایک ایسی تاریخ جس میں ایک ایک گوشے پر سیر حاصل معلومات مہیا کر دی گئی ہیں۔ اسلوب بہت رواں اور آسان ہے، کتاب کی اور خوبیاں اپنی جگہ، ایک خوبی منفرد ہے، کتاب اپنے پڑھنے والے کو انگلی پکڑ کر اپنے ساتھ لیے چلتی ہے۔ اس کتاب کو پڑھتے ہوئے میں نے خود فلسطین یروشلم بیت القدس کا چپہ چپہ سفر کر لیا، اس طرح میری گھر بیٹھے دیرینہ خواہش پوری ہو گئی۔ میں اگر بیت القدس کی سیر کرنے جاتا تو یقیناً اتنی عمدگی سے کبھی بھی نہ دیکھ پاتا جتنی عمدگی سے جناب سہیل باوا نے اپنے قلم کے زور پر سیر کروادی ہے۔

اس سے پہلے اُن کی ایک چلتی پھرتی ویڈیو نے بھی مدد کی، سہیل باوا ایک مجھے ہوئے عالم، ایک جہاں دیدہ مسافر اور قلم کے جادوگر بھی ہیں، انہیں لفظوں سے کھیلنا خوب آتا ہے، فلسطین کی ڈائری اُن کے قلم کا عمدہ نمونہ ہے۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

آمین

# سفرِ ختمِ نبوت کی خوبصورت جھلکیاں

سائرہ فاروق، خادمہ ختمِ نبوت

قارئین! کیوں نہ میں آپ کو تھوڑی سی جھلکیاں اس تحفظِ ختمِ نبوت ﷺ کے سفر کی دکھاؤں جو میں نے مولانا صاحب کے ساتھ شروع کیا اور دعا ہے کہ تادمِ آخر یہ ساتھ اسی طرح رہے، اور اللہ ہماری سعیِ پیہم کو قبول فرمائے، آمین ثم آمین۔

## مولانا سہیل باوا سے پہلی ملاقات

میں آج آپ کو مولانا صاحب سے اپنی پہلی ملاقات کی بے حد دلچسپ روداد سناتی ہوں۔ ہوا کچھ یوں کہ میرے واٹس ایپ پر مجھے یو کے کے نمبر سے کال آئی، اُس وقت میں اپنے بھائی کے ساتھ بات کر رہی تھی، اس لیے وہ ریسیونہ کر سکی، بھائی سے بات کرنے کے بعد میں نے اس نمبر پر ہوا ریو کا میسج کیا تو جواب آیا: سہیل باوا۔ حیرانی کے عالم میں میسج دیکھا تو ایک اور میسج آیا، کال فرمائیں، سمجھ تو کچھ نہیں آیا کہ کیا کروں۔ کال ملائی، سلام کے بعد میں نے جی! کہا تو مجھ سے سوال کیا گیا کہ بہن آپ مجھے کیسے جانتی ہیں؟ اور آپ نے میرے نام پر سعودی عرب کا ویزہ کیسے نکلوا یا؟ یہ سوال میرے سر میں گولی کی طرح لگا، لیکن باوجود شدید غصہ کے میں نے پہلے نہایت تمیز سے انہیں اصل بات سے آگاہ کیا، جس کو انہوں نے بہت آرام سے سنا اور پھر میں نے گولہ باری شروع کر دی کہ آپ نے کسی کے کہنے پر مجھ پر الزام کیسے لگایا؟

بہت متانت سے مجھ سے معذرت کی گئی کہ بہن غلطی ہو گئی تھی، معذرت چاہتا ہوں، لیکن!! ان کی معذرت میرے غصہ کو ہوادے رہی تھی اور میرا غصہ کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا (شاید وہ غصہ خیر والا تھا) خیر میری طرف سے گولہ باری اور مولانا صاحب کی طرف سے مسلسل معذرت اس سٹیج پر لے آئی کہ مولانا نے

پوچھا کہ آپ کے بھائی کو مدینہ کب جانا ہے؟ میں اُس کو اپنے ختم نبوت کے وفد کے ساتھ رکھوں گا۔ یہ سُن کر میرا غصہ کم ہوا۔

مولانا صاحب نے میرے بھائی کو نہایت شفقت کے ساتھ اپنے وفد میں شامل فرمایا۔ جب میرے بھائی نے ہمیں وہ ویڈیو بھیجی جس میں مولانا صاحب نے مدینہ کے ایک بزرگ شیخ سے میرے بھائی کے صبر کے لیے دعا اور والدہ (جن کے انتقال کو 27 دن ہوئے تھے) کے ایصالِ ثواب کے لیے درخواست کی تو میں بتا نہیں سکتی کہ میری کیا حالت تھی!! اور یوں ہم سب بہن بھائی مولانا کے اسیر ہو گئے۔ مولانا سے براہِ راست رابطہ میرا اور بھائی کا تھا اور ہم دونوں کو مولانا نے کچھ گروپس میں شرکت کی دعوت دی، جن میں ختم نبوت سے متعلق مواد بھی شیئر ہوتا تھا۔ لیکن کبھی بھی مولانا صاحب نے مجھے اس کام کے لیے براہِ راست کچھ نہ کہا۔

مستورات گروپ میں آنے کے کچھ عرصہ بعد مولانا صاحب نے مجھ سے پہلی دفعہ ہوئی جنگ کا ذکر کیا کہ: آپ پہلی دفعہ والی جنگ بھول تو نہیں گئیں؟ تب میں نے کہا: نہیں بھولی اور اب ہنسی آتی ہے خفّت کے ساتھ۔ اس دن مجھے شدت سے احساس ہوا کہ مولانا صاحب نے مجھے کبھی شرمندہ نہیں کیا اور یہ ہی بات میرے اس گروپ میں آنے اور کام کرنے کا سبب بنی، یعنی مولانا صاحب کا مشفقانہ رویہ۔

میں خادمہ ختم نبوت کیسے بنی؟ ہوا کچھ یوں کہ میری نظر سے سرچ دی ٹرٹھ کا اشتہار گزرا، جس میں ختم نبوت مستورات میں کام کے لیے بہت اچھے مواقع تھے۔ اس کے لیے جب میں نے مولانا سہیل باوا صاحب سے رابطہ کیا، تو مولانا نے فرمایا: آپ کو ایک نمبر بھیج رہا ہوں، ان سے رابطہ فرمائیں۔ میں نے اس نمبر کو سیو کرنا چاہا تو اوپر یہ نام جگمگا رہا تھا۔ ”ام ہادی خادمہ ختم نبوت“ میں نے وہ نمبر اسی نام سے سیو کر لیا۔ لیکن!! یہ نام میرے ذہن سے چپک گیا۔

خادمہ ختم نبوت کتنی عظیم خادمہ اور دل میں خواہش اہل رہی تھی کہ کاش! میرا نام بھی خادمہ ختم نبوت ہو جائے۔ دل ہی دل میں یہ سب چل رہا تھا۔ پھر خیال آیا کہ پہلے مجھے یہ خدمت سرانجام دینی ہوگی تب ہی میرا نام بھی خادمہ ختم نبوت ہوگا دنیا میں۔ اور میں امید کرتی ہوں کہ قیامت کے دن بھی خادمہ ختم نبوت کی نسبت سے ہی پکارا جائے گا۔ ان شاء اللہ!

میری اس خواہش کا اثر مجھے بہت جلد نظر آ گیا، وہ اس طرح کہ میں نے سب سے پہلے اپنا وٹس ایپ نام ”خادمہ دعوت و تبلیغ و ختم نبوت“ رکھا اور پھر تمام بہنوں کے نام کے ساتھ بھی ختم نبوت لگایا۔ پھر ایک سفر کے بعد کچھ ساتھیوں نے مجھ سے رابطہ کرنا چاہا تو 45 لوگوں کے گروپ میں انہوں نے مجھے خادمہ کے نام سے پہچان کے رابطہ کیا۔ اللہ پاک مجھے آخری سانس تک اس نسبت کے ساتھ زندہ رکھے اور بروز قیامت اسی نام سے پکارا جائے، آمین۔

مولانا صاحب نے بہت محنت اور لگن سے ہم مستورات کے لیے مطالعہ قادیانیت کی کلاس کی ترتیب بنائی، جس میں میں نے بھی حصہ لیا۔ آخری کلاس کی روداد پیش خدمت ہے۔

**استاذ محترم مولانا سہیل باوا صاحب کی مطالعہ قادیانیت کی کلاس سے ہونے والے**

**فائدے کی روداد**

3 مارچ 2021 کو جب میں اپنے شوہر نامدار کے ساتھ مری پہنچی، تو مجھے سب سے بڑی فکر اس دن ہونے والی کلاس کی تھی، جو ہمارے مطالعہ قادیانیت کے سلسلے کی آخری اور دُعا نیہ کلاس تھی۔ خیر جب ہماری گاڑی مری پہنچی تو اس وقت شام کے سات بج رہے تھے، جو کہ ہماری کلاس کا ٹائم تھا۔ میں نے پہلے سے ہینڈز فری کا انتظام کیا ہوا تھا۔ جب کلاس شروع ہوئی تو ہم ہوٹل کی طرف جا رہے تھے۔

کلاس کے آغاز میں نجمہ بہن کی ختم نبوت اور اس کلاس کی اہمیت پر بیان اور نور الحرم کا ختم نبوت کا ترانہ۔ اللہ اللہ کیا سماں تھا!! جس نے ایک جوش کی کیفیت طاری کر دی۔ یہاں میں اپنے جذبات کو الفاظ دوں تو: مری کے اونچے نیچے راستوں میں ہر اٹھتا قدم ختم نبوت کا قدم لگ رہا تھا اور یہ سب مولانا صاحب کی مطالعہ قادیانیت کی کلاس کی لگن کی برکت تھی۔ صرف یہی نہیں، میرا دل چاہ رہا تھا کہ مری کے لوگوں کو احساس دلاؤں کہ قادیانی تفریحی مقامات پر آنے والوں کو سفر میں مدد کے بہانے قادیانی بنانے کی محنت میں لگے ہوئے ہیں۔ ہوٹل پہنچنے تک کلاس کی دعا کا اختتام ہوا۔ کلاس کا اختتام لیکن کام کا آغاز، جی ہاں! اب مجھے یہ سوچنا تھا کہ میں وہاں کے لوگوں کو کس طرح اس فتنے کا احساس دلاؤں۔

مختلف مقامی لوگوں نے میرے اس سوال پر کہ یہاں قادیانی ہیں یا نہیں؟ کا جواب یہ تھا کہ الحمد للہ ادھر قادیانی نہیں ہیں۔ اس کے جواب نے مجھ میں تجسس پیدا کیا کہ اس بات کی مضبوطی میں کیا عنصر پوشیدہ ہے؟ اس کا جواب بھی مجھے مل گیا۔

مری کے لوگوں میں ایمان کی مضبوطی جو ہم نے محسوس کی تھی وہ دعوت و تبلیغ اور مدارس کی محنت کی وجہ سے تھی، تو جہاں ایمان کی محنت ہوگی وہاں یہ فتنہ پنپ نہیں سکے گا، جیسا کہ مولانا صاحب نے آخری کلاس میں سمجھا یا تھا کہ ہمیں اپنے ایمان کو اتنا مضبوط کرنا ہے کہ کوئی ہم سے ہمارا سب کچھ چھین بھی لے، لیکن ہم سے ایمان کی دولت نہ چھین سکے۔ اللہ پاک ہمیں صحیح عقیدے اور ایمان والی زندگی نصیب فرمائے۔ مطالعہ قادیانیت کی کلاس کی قدر نصیب فرمائے اور مولانا صاحب کا سایہ ہم پر قائم رکھے، آمین!

اگر اپنے سفر ختم نبوت کو دیکھوں کہ اس عرصہ میں، میں نے مطالعہ قادیانیت کی کلاس سے کیا سیکھا؟ تو سب سے اہم چیز جس کو سکھانے میں مولانا محنت کر رہے ہیں، وہ ہے عقیدہ کہ ہمیں نہ صرف اپنے عقیدے پر محنت کرنی ہے، بلکہ اپنے گھر والوں، عزیز واقارب اور اپنی آنے والی نسلوں کے عقیدے کی حفاظت کی محنت بھی کرنی ہے، کیوں کہ مولانا صاحب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ آج کے دور میں اپنے اور دوسروں کے عقیدہ کی چنگلی اتنا آسان کام نہیں، اس کے لیے باقاعدہ سیکھنے سکھانے کا عمل جاری رہنا چاہیے۔ اور یہ سب مولانا ہمیں ایک بہترین انداز تدریس سے کلاس میں سکھاتے ہیں، اور موجودہ زمانہ کی ضروریات اور معاشرتی، نفسیاتی، اخلاقی اقدار کو انٹرنیشنل لیول کے مطابق میڈیا وار کے نت نئے طریقوں سے آگاہ کرتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ کسی بھی طرح کی کتابوں سے حوالہ جات نکالنے کی عملی مشق بھی سہل انداز سے کرواتے ہیں۔ اور اس سب کے ساتھ ساتھ دعا اور حوصلہ افزائی سے ہمت بھی بڑھاتے ہیں۔

قارئین! یہ تھی ہمارے خادمہ ختم نبوت بننے کی مکمل روداد، بتانے کا مقصد اپنی یا مولانا صاحب کی بڑائی نہیں، بلکہ ختم نبوت کے کام کے لیے ذوق و شوق پیدا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس نیک مقصد کے لیے چن لیں، آمین ثم آمین۔ آئیے! اب نظر ڈالتے ہیں اس تبصرے پر جو میں نے مولانا صاحب کی

فلسطین کی ڈائری پر لکھا۔ مولانا سہیل باوا صاحب کے حسین اور علمی سفر نامہ پر تبصرہ باوجود اپنی علمی قابلیت کی کمی کے میں اپنے جذبات کو الفاظ دینے کی کوشش کر رہی ہوں۔

مولانا صاحب کا یہ سفر نامہ ہمارے لیے ایک حسین تحفہ ہے۔ مولانا کے الفاظ کا چناؤ اور دین سے لگن نے مولانا کے سفر نامے کو ایسا بنا دیا کہ میں نے بہت بار اس کو پڑھتے ہوئے خود کو اس سفر کا حصہ سمجھا، مولانا کے ان جملوں ”یہ انبیاء کی بستی ہے، اس کے چپے چپے میں تاریخ سانس لیتی ہے، یہاں کا ایک ایک ذرہ خوشبو میں لپٹا سا ہے۔“ یہ وہی لکھ سکتا ہے جو محسوس کر سکتا ہے، جادوئی تاثیر نے وہی محسوس کروایا، جو انہوں نے لکھا۔ اس سفر نامے سے بہت سی معلومات حاصل ہوئیں۔ خاص کر یروشلم کی تاریخ سے آگاہی ہوئی۔ قبلہ اول کے چھن جانے کا احساس اس سفر نامے سے بہت بڑھ گیا، لیکن پھر جب یہ پڑھا کہ سچی توبہ، غیروں کی نقالی اور ان پر اعتماد کے گناہ سے اگر باز آجائیں تو دنیاوی و اُخروی نصرت کے ساتھ بیت المقدس و فلسطین بھی ہمارے قبضے میں آجائے گا۔ تو دل سے دعا نکلی کہ اللہ پاک ہمیں یہ سب نصیب فرمائے۔

اللہ پاک مولانا صاحب کی کوششوں کو قبول فرمائے اور ان کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور ان کے اعمال میں برکت عطا فرمائے۔ آخر میں میرا درود دل سے لکھا شعر:

تھی اغیار کی سازشوں سے بھی میں آشنا  
 اور ایمان کا دیا بھی تھا دل میں جگمگایا  
 حب محمد ﷺ بھی تھا رگ رگ میں سمایا  
 انکی سنت کو بھی ہمیشہ سینے سے لگایا  
 ایمان ایسا تھا اللہ کے فضل سے پایا  
 اللہ سے ہونے کا یقین ہمیشہ اپنا بنایا  
 نہ تھی گناہوں سے دل کو کوئی رغبت  
 اور ٹی وی (ٹی بی) سے بھی تھا ہمیشہ خود کو بچایا

بس نا آشنا تھی قادریانی دجل و فریب سے  
یہ مسئلہ جو کسی نے نہ تھا سمجھایا  
ایک حادثہ نے مولانا سہیل سے ملوایا  
جنھوں نے مجھے خادمہ ختم نبوت بنایا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
مَرْحُومَاتِ اَبْنِ کَرِیْمِ  
مَرْحُومَاتِ اَبْنِ کَرِیْمِ

## قبلہ اول کا حسین تذکرہ

تبصرہ از عدیمہ گل

سب سے پہلے تو میں مولانا سہیل باوا صاحب کا تہہ دل سے شکر یہ ادا کرنا چاہوں گی جنہوں نے مجھ ناچیز کو اس قدر عظیم اور گراں قدر تحفہ بخشا۔ اپنی ناقص علمی کے باوجود میں اس کتاب کے لیے اپنے کچھ جذبات الفاظ کی صورت پڑھنے والوں کی نذر کرنا چاہوں گی۔ جوں ہی مجھے یہ کتاب موصول ہوئی خوشی سے بہتے آنسوؤں کے ساتھ میں نے ادب کے ساتھ اس کو کھولا، سب سے پہلے ”حق انتساب“ کی پہلی لائن (دنیا کی وراثت نسب سے ملتی ہے اور دین کی وراثت نسبت سے ملتی ہے) نے اس کتاب، اس کتاب کے مصنف اور اس کتاب کے موضوع کے قیمتی ہونے کا ثبوت دیا۔ قبلہ اول (مسجد اقصیٰ) اور فلسطین سے محبت تو بچپن سے تھی، مگر اس سلسلے میں اس قدر تفصیلی کتاب پہلی بار پڑھنے کو ملی۔ پڑھتے ہوئے محسوس ہوا گویا ہم الفاظ کے ساتھ خود بھی فلسطین کی طرف محسوس ہوں۔

”القدس سے تصوراتی پکار“ القدس سے تصوراتی پکار اس عنوان میں مولانا صاحب نے یروشلم کے ساتھ جس طرح لگاؤ بیان کیا، ان الفاظ نے یروشلم سے بے پناہ محبت دل میں پیدا کر دی۔ اور حرف آغاز میں مولانا صاحب نے مسجد اقصیٰ کو مخاطب کر کے حقائق پر مبنی جو چند دلخراش جملے تحریر کیے ان کو پڑھ کر دل تڑپ اٹھا اور بے اختیار دل نے یہ صدا لگائی کاش! ہمیں بھی مسجد اقصیٰ میں ایک سجدہ نصیب ہو جائے۔

واقعہ معراج کی خوبصورت تفصیل، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پہ زندہ اٹھائے جانے کا تفصیلی ذکر، دیوار گریہ کے متعلق آگاہی، غرض یہ کہ بہت سی ایسی چیزیں جن کا ہمیں علم نہیں تھا، فلسطین کی ڈائری نے وہ سب کچھ بیان کر دیا۔ بہت سارے انبیاء علیہم السلام کی وہاں پیدائش اور وفات کا حوالہ

مقام کی نشان دہی کے ساتھ، بحریت کی تفصیل، اگر تحریر کے طویل ہونے کا احساس نہ ہوتا تو مسجد اقصیٰ کے متعلق اس کتاب میں لکھے گئے خوبصورت جملے ضرور تحریر کرتی۔

اس طرح کے حالات بالخصوص وہاں جانے پہ پابندی کے باوجود مولانا صاحب کا وہاں جانا یقیناً رب تعالیٰ کی طرف سے خصوصی انعام ہے اور پھر ہمارے لیے مولانا صاحب کا ”فلسطین کی ڈائری“ کی صورت میں حسین سفر نامہ تخلیق کرنا ان کی ایک عظیم کاوش ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا گو ہوں کہ اللہ پاک مولانا سہیل باوا صاحب کی اس کاوش کو قبولیت کا شرف عطا فرمائیں اور انہیں راحت والی طویل عمر عطا فرمائیں۔ آمین۔

## یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے

### از بنت عمر

ردّ قادیانیت پر گزشتہ ایک صدی میں ہزار ہا کتابیں شائع ہوئی ہیں، جسے ختم نبوت اور ناموس رسالت کے متوالوں نے قلمی جہاد سے پورے عالم میں دجل و فریب اور الزام و اتہام کے اس جھوٹے مذہب کو جسے عرف عام میں ہم قادیانی مذہب کے نام سے جانتے ہیں، ان کے ناقابل معافی جرائم، ظلم و استبداد اور نام نہاد عقائد کو بے نقاب کر کے ان کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ انہی ختم نبوت کے شیدائیوں اور ناموس رسالت کے پروانوں میں میرے بہت ہی محترم اور شفیق استاذ مولانا سہیل باوادامت برکاتہم مرکز ختم نبوت اکیڈمی (لندن) کے منظم اعلیٰ اور مولانا عبدالرحمن باوادامت برکاتہم جو کہ ختم نبوت کے حوالے سے کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں اور ختم نبوت اکیڈمی (لندن) کے سرپرست اعلیٰ ہیں ان کے نور چشم ہیں، ختم نبوت کے لیے ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ الحمد للہ انہوں نے اپنی زندگی ناموس رسالت کی چوکیداری کے لیے وقف کی ہوئی ہے۔ اور مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ وہ ایک مرد مومن، خادم ختم نبوت ہیں۔ ان کی زندگی کا مقصد یہی ہے کہ مسلمانوں کو عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت اور ناموس رسالت کی حفاظت کے بارے میں شعوری طور پر بیدار کر کے ان کی زندگیوں کو ایک صحیح مقصد کی طرف گامزن کیا جائے۔ اسی مقصد کو اوج کمال تک پہنچانے کے لیے باوا صاحب نے اپنی علمی استعداد اور فہم فراست کو بروئے کار لاتے ہوئے صفحہ قرطاس پر وہ تصانیف رقم کی ہیں جس نے قادیانی گورکھ دھندے کو معاشرے میں اس طرح طشت از بام کیا ہے کہ ارباب ذوق ان کتابوں اور رسائل سے مستفید ہو کر قادیانیوں کو نہایت خوش اسلوبی سے شکست دے سکتے ہیں۔ ان کی مشہور زمانہ تصنیف فلسطین کی ڈائری ان کی لکھی ہوئی وہ کتاب ہے جو بلاشبہ داد و تحسین کے قابل ہے اور اس کی مثال واقعتاً دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ قاری اس کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ ارض مقدس فلسطین کی سیر بھی کرتا جاتا ہے۔

نہایت دلنشین اور خوبصورت پیرائے میں سرزمین انبیاء کی معلومات دی ہیں کہ پڑھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور یقیناً یہ مولانا دامت برکاتہم جناب سہیل باوا کے قلم کا کمال ہے کہ قاری اس کتاب کی ایک ہی نشست میں تکمیل چاہتا ہے۔ طباعت اور سرورق کے حساب سے بھی یہ ایک بہترین کتاب ہے۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا صاحب کی دیگر تصانیف میں دھوکے کا لائنس، قادیانی غلبہ 2023ء، مقالات حیات مسیح علیہ السلام، رسالہ دیوبند کا ایک مرد قلندر اور علامہ اقبال، گڈ اور بیڈ کا پروپیگنڈا، عبدالماجد دریا آبادی صاحب پر تکفیر کے معاملے پر جرح، رسالہ ادارہ جنگ فورم پر آنے سے انکار کیوں؟ قادیانی جماعت (لندن) کے نام کھلا خط شامل ہیں۔ انھوں نے اپنی تصانیف میں ایک اچھوتا، مدلل اور اثر انگیز طریقہ اختیار کیا ہے، جسے پڑھ کر قاری پر قادیانی مذہب کی حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ ختم نبوت کے اس عظیم الشان اور لازوال مقصد پر اپنا تن من دھن قربان کرنے والے ایسے مجاہدوں کے لیے ہی شاید علامہ اقبال نے کہا ہے کہ:

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے  
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی  
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا  
سمٹ کر پہاڑ اُن کی ہیبت سے رائی

## مسجدِ اقصیٰ کی فریاد

از فریساہ بنت محمود

اب پوچھ ہی بیٹھے ہو تو بتا ہی دوں گی  
ضد کیوں کرتے ہو سنا ہی دوں گی  
جو بات تم کبھی سمجھ نہ سکے  
وہ آج کہہ کر تمہیں رُلا ہی دوں گی  
سنو اب آنسوؤں کو اپنے بہنے سے روکو ذرا  
قصہِ مظلومیت سنو تو ذرا  
غیرتِ مسلمان ہے تجھ میں اگر ذرا  
باپ کا بازو کٹا ماں کا گلا ہے کٹا  
دور نہیں وہیں قریب ہی شہید بیٹا بھی ہے پڑا  
دیکھ لو مجھ پر وقت کڑا ہے آن پڑا  
داستانِ غم سن چکے ہو تو حوصلہ رکھنا  
میرے درد کو درد اپنا سمجھو گے تو ہی آزاد ہوں گی

# ایک دلآویز داستان

تبصرہ از: ارم ابرار

یہ مضمون جو میں نے لکھا ہے استاد محترم حضرت مولانا سہیل باوا صاحب کی کتاب ”فلسطین کی ڈائری“ سے پڑھا ہے۔ اس کتاب میں نہایت مفید اور جامع معلومات پڑھنے کا اتفاق ہوا، جو شاید آج سے پہلے نہ میں نے کبھی سنی اور نہ کبھی دیکھی۔ استاد محترم حضرت مولانا سہیل باوا صاحب نے بیت المقدس مسجد اقصیٰ کے بارے میں جو معلومات دیں وہ پڑھ کر بندی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ مسجد اقصیٰ کے احاطہ، رقبہ، مینار کی تعمیر، ان میناروں کے نام، اس کے برآمدے، مسجد اقصیٰ کے صحن میں کنوؤں کی تعداد، وہاں موجود انبیاء کرام علیہم السلام کی قبروں کی تعداد اور سب سے اہم بات قادیانیوں کی بنائی گئی جھوٹی کہانی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے بارے میں مرزا قادیانی نے گھڑی ہے۔ اس کتاب کی تحریر پڑھ کر مکمل معلومات ملیں، جتنے خوبصورت الفاظ میں بیت المقدس کے بارے میں لکھا ہے وہ واقعی قابل تعریف ہے کہ اس کتاب کو پڑھنے سے ہم جیسے لوگوں کو بیت المقدس کی تاریخ کے بارے میں کافی زیادہ معلومات ملی ہیں۔ اور پھر اس تاریخی معلومات کا ذکر دوست احباب میں کیا تو لوگ متاثر ہوئے بنا نہ رہتے اور پوچھتے کہ آپ کو اس قدر تفصیلی و تاریخی معلومات کیسے ملیں تو میں انھیں بتاتی کہ ختم نبوت کورس کے میرے استاذ محترم حضرت مولانا سہیل باوا صاحب کی تحریر کردہ بہترین اور عمدہ کتاب ”فلسطین کی ڈائری“ سے حاصل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے قیمتی علماء کی حفاظت فرمائے اور ہمیں ان کے علم سے فیض یاب ہونے اور نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

اس کہانی میں لکھے گئے جذبات بالکل سچ پر مبنی ہیں، سنہ 2008ء میں یا شاید 2009ء میں فلسطین میں 300 سے زائد معصوم بچوں کو بے دردی سے نشانہ بنا کر بمباری کر کے شہید کیا گیا تھا۔ فیس بک پر جب وہ وڈیو دیکھی تو دل تڑپ اٹھا، ان معصوم بچوں کی لاشوں پر ماں باپ کو روتے بلکتے دیکھا تو یہ دل پھٹنے لگا،

ایسا لگا ان کا نہیں میرا پنا بچہ شہید ہو گیا ہو، وہ اتنے ظالم ہیں کہ کچھ ماہ کے اور کچھ سال کے بچوں کو شہید کر دیا، شہید ہونے والے بچوں میں کوئی بھی بچہ پانچ سال سے زیادہ عمر کا نہیں تھا۔ الفاظ میں شاید وہ درد بیان نہ ہو سکے جو آج تک محسوس ہوتا ہے۔

اس خبر کو کچھ دنوں بعد ہر سوشل میڈیا سے ڈیلیٹ کر دیا گیا تھا، مگر جنھوں نے دیکھا ان کے دل و دماغ سے کیسے مٹ سکتی ہے۔

## داستان ظلم عظیم فلسطین

ارے رابعہ! تمہارے یہاں بیٹا پیدا ہوا، ماشاء اللہ بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اولاد جیسی نعمت سے نوازا۔ اللہ اس کے نصیب اچھے کرے، لمبی زندگی عطا کرے اور ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین و سکون بنائے، آمین اور کل تو تم بہت خوش تھیں۔ آج میں دیکھ رہی ہوں تم صبح سے عجیب اداس سی اور غمزہ ہو۔ رابعہ کی بہن فاریہ نے کہا۔ نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے، میں بہت خوش ہوں اور اللہ رب العزت کی بہت شکر گزار ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے اتنی انمول نعمت سے نوازا اور اپنے رب کا جتنا شکر کروں ادا کروں کم ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے میرے بیٹے کو میرے پاس باحفاظت اور زندہ رکھا ہوا ہے۔ رابعہ نے آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے اپنے بیٹے کو دیکھا اور اس کے ماتھے کو بڑی محبت سے چوم لیا۔ یہ تم کس قسم کی باتیں کر رہی ہو؟ باحفاظت اور زندہ؟ کیا ہوا؟ کیا مطلب ہے ان سب باتوں کا، فاریہ نے گھبرا کر پوچھا۔ رابعہ نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا: فاریہ سوچو! اگر اس وقت میں فلسطین میں ہوتی اور میں نے اپنے بیٹے کو سرزمین فلسطین ابولہو، فلسطین انبیاء کی سرزمین، قبلہ اول کی سرزمین، بیت المقدس مسجد اقصیٰ کی سرزمین، مقدس فلسطین میں پیدا کیا ہوتا تو شاید اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی مجھے شہید کر دیا جاتا۔ وہ یہودی ظالم غاصب اتنے سالوں سے فلسطین کے مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں، ہزاروں نہیں لاکھوں مسلمان شہید ہو چکے ہیں، انہوں نے ایک ساتھ تین سو معصوم ننھے منے بچوں کو بے دردی سے مار ڈالا، انھیں سفاکی سے شہید کر دیا، جبکہ وہ تو معصوم سے پھول سے بچے تھے۔ سوچو ان ماؤں پر کیا گزری ہوگی۔ جب نو مہینے سے اس کے پیٹ میں بچہ پل رہا ہو اور وہ اس بچے کی پیدائش کا انتظار کر

رہی ہو، دن رات تکلیفیں اور اذیتیں سہہ رہی ہو، تاکہ وہ اسے دنیا میں لا کر اپنی گود بھر سکے، اپنی ممتا کی تسکین کر سکے، اپنے بچے کو پیار کر سکے، اس کو چوم سکے، مسلمانوں کی نسل میں اور اپنے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء کی امت میں اضافہ کر سکے، لیکن پیدائش سے کچھ دن پہلے اسرائیل کے یہودی فوجی اس ماں کے پیٹ پر لاتیں مار مار کر بچے کو اسی کے پیٹ میں ماردیں، وہ جسمانی تکلیف کے ساتھ ساتھ کس اذیت سے گزرتی ہوگی، اس کا دل پھٹنے کو ہوگا کہ جس بچے کی پیدائش کا اس نے اتنا انتظار کیا، اسے دنیا میں آنے سے پہلے ہی ماردیا گیا۔ اور اس باپ پر بھی کیا گزرتی ہوگی جس کا خون جس کی اولاد دنیا میں آنے سے پہلے ہی تشدد کا نشانہ بنا کر ماردی جائے۔ اور اسی کی نظروں کے سامنے اس کی بیوی بھی تڑپ تڑپ کر دل میں اپنی اولاد کو دیکھنے کی حسرت لیے مرجائے تو اس کا دل و دماغ یہی کہہ رہا ہوگا کہ وہ کتنا مجبور لاپچار اور بے بس ہے، اپنی بیوی اور بچے کی حفاظت نہ کر سکا۔ کتنا بے بس ہوگا وہ باپ اور وہ شوہر، کیا حالت ہوگی اس کی اور اگر کسی طرح بچ بچا کر بچہ پیدا ہو بھی گیا، اور دونوں ماں باپ نے اپنی اولاد کو ابھی پہلی بار گود میں شاید اٹھایا ہی ہو۔ اور اچانک ان کے گھر کا دروازہ توڑ کر اسرائیلی ظالم یہودی فوجی اندر گھس آئیں اور ان کی گود سے بچے کو چھین کر باپ کو مار کر زمین پر گرا کر اس کے سر پر اپنا جوتا رکھ کر ماں اور بچے کو بری طرح زد و کوب کر کے ان کی آنکھوں کے سامنے ان کی اولاد، ان کی ننھی سی جان کا خون بہادیں، وہ اولاد جو شاید کتنی دعاؤں کے بعد انہیں نصیب ہوئی ہوگی، وہ اولاد جس کی پرورش کے لیے انہوں نے کتنے خواب دیکھے ہوں گے۔ اس معصوم اولاد کو ان کے سامنے بے دردی سے ماردیا جائے جس نے ابھی تک پوری طرح آنکھیں بھی نہ کھولی ہوں اور اسے جب اذیت دے کر مارا جا رہا ہو وہ اپنے ماں باپ کے سامنے تڑپ تڑپ کے مر رہا ہو، اس کے خون کے چھینٹے ماں کی گود پر پڑتے ہوں گے تو اس ماں پر کیا گزرتی ہوگی۔

وہ باپ جسے بچے گرا کر قابو کیا ہوا ہو، اس کے چہرے پر جب اپنے ہی معصوم اور بے تصور بچے کا لہو گرا ہوگا تو وہ اس اذیت کو کیسے برداشت کرتا ہوگا۔ اور اسی طرح وہ ماں باپ جن کے پہلے ہی تین تین چار چار ننھے بچے اسی طرح ماردیئے گئے ہوں اور پانچویں کو بھی بے دردی سے ماردیا جائے، اس کا بے

جاں وجود سامنے پڑا ہو، وہ اسے دفنانے کی ہمت کیسے کرتے ہوں گے؟ کیسے وہ اس تکلیف کو برداشت کرتے ہوں گے؟ میں چاہتی ہوں کہ بس میں کسی طرح وہاں جاؤں اور ان ظالم فوجی یہودیوں کا پتھر جیسا دل جس میں رحم نام کی کوئی چیز نہیں وہ ان کے جسموں سے نکال کر پھینک دوں۔ اور مجھے یہ نہیں سمجھ آتا کہ ہم صرف یہ ہی کیوں کہتے ہیں کہ ہم صرف دعا ہی کر سکتے ہیں اور کر بھی کیا کر سکتے ہیں۔ فلسطین کے مسلمانوں کے لیے اور کچھ کرنا تو ہمارے بس میں ہے ہی نہیں۔ ٹھیک ہے ہم سچے دل سے فلسطین کے لیے دعا کرتے ہیں اور کرنی بھی چاہیے، یہ بہت اچھی بات ہے، اللہ پاک ہماری دعائیں قبول فرمائے، لیکن ہم ہاں کیوں مان جاتے ہیں کہ ہمارے بس میں کچھ نہیں، ہم اگر کوشش کریں اور کچھ نہ کچھ کر دکھانے کی ہمت کریں ہم مظلوم فلسطینی مسلمانوں کی کسی نہ کسی طرح مدد کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ آخر کیوں؟ رابعہ نے آنسوؤں سے تر چہرہ اور سرخ آنکھوں سے فاریہ کو دیکھ کر سوال کیا جو خود بھی ہچکیوں سے رو رہی تھی، لیکن اس کے پاس رابعہ کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ شاید ہم اپنے فلسطینی مسلمان بھائیوں بہنوں سے اتنی محبت ہی نہیں کرتے کہ ہم ان کے لیے کچھ کر سکیں، کیونکہ جن سے سچی محبت ہوتی ہے، ان کے لیے تو انسان کچھ بھی کر جاتا ہے، لیکن بہت سے ایسے مسلمان بھی ہیں جو سرزمین فلسطین سے وہاں کے مسلمانوں سے بہت سچی محبت کرتے ہیں اور فلسطین کے لیے بہت کچھ کر چکے ہیں اور کر بھی رہے ہیں، اور ان شاء اللہ کرتے رہیں گے۔ ہمیں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ ان لوگوں میں شامل فرمائے جو اپنے فلسطینی مسلمان بہن بھائیوں کے لیے کچھ کر گزریں، ان کے اس مشکل وقت میں ان کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوں۔ ظالم کافروں کے خلاف ان کے شر اور ظلم کے خلاف مظلوم کی مدد کریں، آمین یا رب العالمین۔

## ابن القدس

### بقلم: فری شاہ بنت محمود

وہ دوڑتا ہوا گھر کی طرف پلٹ رہا تھا..... ’اے قدس! میں تیرا بیٹا ہوں، میں تیری حفاظت کروں گا، اگرچہ ابھی ہوں بچہ..... پر تیرے لیے میں روز و شب لڑوں گا..... میں فاتح بنوں گا، میں بابا کے ہی نقش قدم پر چل کے جام شہادت نوش کروں گا..... میں اس سرزمین پر جاں نثار کروں گا، اللہ! تیری بارگاہ میں اپنا خلوص پیش کروں گا۔‘ عبداللہ اپنے رخساروں پر بہنے والے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے گھر کو جا رہا تھا، جو قیامت صغریٰ اس پر گزری، اس کے رونما ہونے کے بعد اس نے یہ کلمات دہراتے ہوئے خود سے یہ عہد کیا تھا..... دس سالہ عبداللہ جسے ابھی یہ نہیں پتا تھا کہ آج صبح اس کے ہیرا اس کے بابا سے اس کی آخری ملاقات ہے..... کہنے لگا: ’بابا!! آپ کہاں جا رہے ہیں ہیں؟‘ بابا مسکراتے ہوئے پلٹے: ’میرے بیٹے! میرے لخت جگر! میں بس نماز پڑھ کر ابھی آتا ہوں، اللہ جبار ہا ہوں، چلو گے؟‘ عبداللہ نے ایک خوف سے بابا کو دیکھا: ’بابا! وہاں بہت خطرہ ہے۔‘ اس کے بابا اکثر گھر سے غائب رہتے تھے، نجانے وہ کس چیز کے لیے گھر چھوڑ دیتے تھے، کافی عرصے بعد بابا نظر آئے تو اسے لگا بابا کو ظالم انواع سے کوئی نقصان نا پہنچے، کیونکہ وہ جانتا تھا کچھ برے لوگ فلسطینیوں کو مسجد قدس میں برداشت نہیں کرتے، ماردیتے ہیں، اتنا تو وہ بھی جان چکا تھا ان کا ملک، ان کا گھر، سب کچھ شیطان قسم کے لوگوں کے شکنجے میں تھا اور ظالم یہی چاہتے تھے کہ سب اپنے گھر بار چھوڑ کر یہاں سے چلے جائیں۔ ماں نے اسے بتایا تھا، بابا ان ہی برے لوگوں سے ہماری حفاظت کرنے کے لیے ہفتوں گھر سے غائب رہتے تھے۔ پر یہ برے لوگ تو ہر وقت یہیں نظر آتے تھے، لیکن بابا نہیں دکھتے تھے، اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ بابا کو کوئی بھی نقصان پہنچے، اس لیے وہ انہیں روکنا چاہتا تھا: ’بابا! میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔‘ یہ کہہ کر اس نے بابا کا بازو تھام لیا، دونوں باپ بیٹے قدس کی جانب چلنے لگے: بابا جب نماز کی ادائیگی کے بعد دعا میں مشغول

تھے، تو اسی دوران اسے کچھ بچے دکھائی دیئے، اس میں کچھ اس کے ننھے دوست بھی تھے تو وہ بابا کے پاس سے اٹھ کر دوستوں کے ساتھ کھیلنے لگا۔ کچھ سیکنڈ بعد اچانک اس کی نظر سامنے سے چلاتے ہوئے بابا پر پڑی، وہ سب کو گھر کی طرف جانے کے لیے کہہ رہے تھے، مگر یہ کیا؟ بابا کے ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا۔ بابا جو ادا نکل اور احمد انکل کو آواز دے رہے تھے۔ ”جو اد بھائی! احمد! بچوں کو گھر لے جاؤ، شیطان فوجی پھر آگئے ہیں۔ عبداللہ! بیٹے! تم بھی جاؤ، جاؤ.... بیٹے! گھر کو دوڑو....“ عبداللہ کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے، بابا کا بہتا خون اسے ساکت کر گیا، اس نے بہت سارے لوگوں کو اس بہتے خون کے بعد زمین پر گرتے دیکھا تھا، اس کے بعد پھر وہ لوگ پتا نہیں کہاں چلے جاتے تھے، مگر اس کے بعد اپنے گھر والوں سے پھر نہیں مل پاتے تھے۔ عبداللہ سوچ رہا تھا، کیا اس کے بابا بھی اب اسے چھوڑ جائیں گے؟ جیسا سامنے سے فوجی نے بابا کے سینے پر گولی داغ دی۔ بابا چیخے..... پیہ پیہٹے! گھ..... ہ..... رر..... جا.....

ا..... وو..... وو“ اور اُکھرتی سانسوں کے دوران کلمہ پڑھتے ہوئے ایک دم خاموش ہو گئے اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ عبداللہ وہیں اپنی جگہ پر ساکت و جامد کھڑا تھا، بابا کے زمین پر گرنے کے بعد وہ ہوش میں آیا۔ پھر بابا کی طرف دوڑتے ہوئے آیا ”بابا..... ااا..... میرے.....

بابا.....“ روتے ہوئے بابا کے سینے سے لگ گیا..... سامنے کچھ شیطان صفت حیوان باپ بیٹے کے اس دردناک منظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے قہقہے لگا رہے تھے اور اپنے ٹینکوں کو موڑ رہے تھے، شاید انہوں نے اپنی سفاکیت آج ہی دکھانی تھی، محمد عمر کو ختم کرنا تھا۔ عبداللہ کے بابا کی تلاش میں شاید وہ لوگ کب سے تھے اور آج محمد عمر کی موجودگی کی اطلاع پر پہنچ کر انہیں شہید کر دیا، کیونکہ محمد عمر نے بھی ان کے لاتعداد فوجی مارے تھے اور کتنے ہی ٹینکوں کو تباہ کیا تھا..... آنسوؤں سے تر آنکھیں..... بابا کے پر نور چہرے کو دیکھ رہی تھیں..... ”بابا! میں نے آپ سے کہا تھا نا، باہر بہت خطرہ ہے..... بابا جا ااا!.....

میں بھی آپ کی طرح بنوں گا..... القدس کا بیٹا ہوں، جاں نثار کروں گا۔ پھر عبداللہ بابا کے سینے سے لپٹ گیا..... ”عبداللہ تم مجاہد ہو، میرے بہادر بیٹے! تم اس مقدس سرزمین کی حفاظت کے لیے جہاد کرو گے نا ااا.....“ اسے لگا بابا کے دل سے آواز آرہی ہے اور وہ ان کی یہ خواہش سن رہا ہے، اس نے بابا کی

پیشانی کو چوما اور ان شاء اللہ کہا، اب عبد اللہ بابا کی یہ خواہش پوری کرنا چاہتا تھا، اگرچہ وہ بہت دکھی تھا، مگر ایک سکون بھی اس کے قلب و جاں میں شامل ہو گیا تھا، ایک عزم سے وہ گھر کی طرف دوڑنے لگا۔ یہ ایک واقعہ نہیں اس جیسی بہت سی دردناک کہانیاں انبیاء کی سرزمین پر رقم ہو رہی ہیں، مگر افسوس امت مسلمہ خاموش تماشائی بنی نجانے کس بات کی منتظر ہے، کتنی عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو رہے ہیں، سینکڑوں بیٹے روزانہ شہید ہو رہے ہیں۔ مسجد اقصیٰ کے سائے تلے اتنا ظلم یہودی ڈھا رہے ہیں کہ انسانیت کو بھی شرم آئے۔ سب پھنسے لوگ منتظر ہیں اب کسی مسیحا صلاح الدین کے کہ وہ آئے اور ان دردندوں سے بچائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ  
 بَدَا لَنَا هٰذَا  
 وَمَا كُنَّا لِنَدْرُکَ  
 لَهُ الْاَمْرَ اِنْ  
 لَمْ یَسِّرْ لَنَا  
 الْاَمْرَ وَوَدَّ  
 لَنَا الْاَمْرَ  
 اِنْ لَمْ یَسِّرْ  
 لَنَا الْاَمْرَ  
 وَوَدَّ لَنَا  
 الْاَمْرَ اِنْ لَمْ  
 یَسِّرْ لَنَا  
 الْاَمْرَ

## ایک آرہی ہے مظلوم کی آہ فلسطین کی پکار

از قلم: ابیہ صدیقی

ایک آرہی ہے مظلوم کی آہ فلسطین کی پکار  
نہیں ہے کیا کوئی اس کا دینے والا جواب  
ہو گئے ہیں سرد ہمارے دل کیوں  
نہیں سن رہے ہم فلسطین کی درد میں ڈوبی آہ و پکار  
کفار نے کر دیا ہے ہمیں اپنے بنائے گئے مکر و فریب کے جال میں مشغول  
دیکھ و سن کر بھی نہیں سن رہے سر زمین فلسطین کی آہ و پکار  
سن لو اے غافل لوگو! یہ فلسطین کی آہ و پکار  
کچھ کرنے کا جذبہ کر لو اپنے اندر بیدار  
اگر ابھی بھی نہیں سنی یہ آہ و پکار  
تو کھودو گے سر زمین فلسطین سے مسلمانوں کی نسل اور اسلام کی تلوار

## باعثِ فخر

از: نصرت فدا، خادمہ ختم نبوت سکاٹ لینڈ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

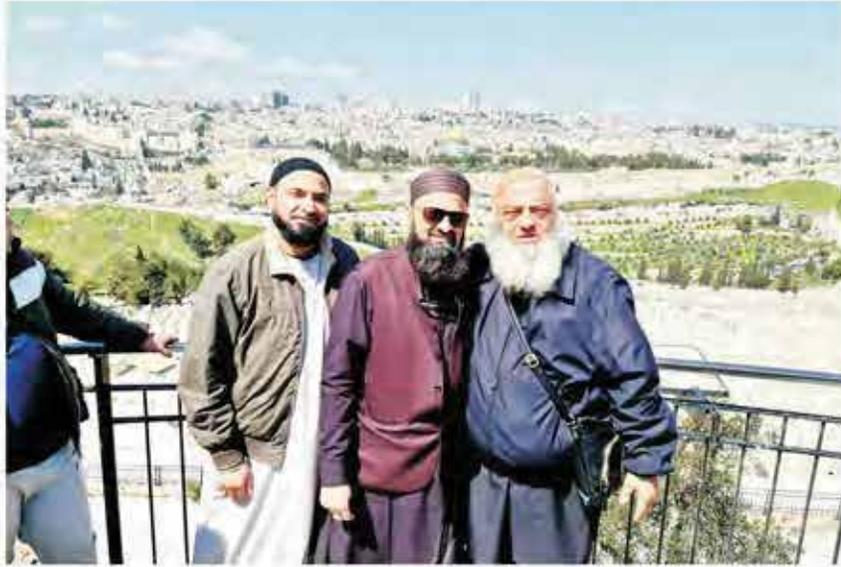
میرے لئے بہت بڑا اعزاز اور خوش نصیبی ہے کہ استاد محترم مولانا سہیل باوادمہم نے مجھے اس قابل سمجھا کہ اتنی اہم کتاب پہ تبصرہ لکھوں۔ میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتی لیکن استاد محترم کے حکم پہ چند سطور لکھنے کی جسارت کر رہی ہوں اگرچہ ان سطور کی حیثیت کتاب کے مقابلے میں ایسے ہی ہے جیسے قطرے کی حیثیت سمندر کے مقابلے میں۔ اللہ پاک ہم سب کو اور ہمارے تمام اہل خانہ کو اپنی پسند والا بنا لے اور ہماری اور ہمارے نسلوں کے ایمان کی تاقیامت حفاظت فرما کر ہم سب کو شافع محشر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنت الفردوس جانے کا حقدار بنادیں آمین ثم آمین۔ اپنی آغوش میں پالے ہیں پیغمبر اس نے باعثِ فخر ہے اقصی سے محبت کرنا مسجد اقصی ارض مقدسہ اور شرک سے پاک جگہ ہے۔ جو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام کی برکات اور انوارات کو خود میں سموئے ہوئے ہے۔ اللہ پاک ہمیں بھی ان انبیاء کے فیوض اور برکات سے مالا مال کر دے اور اپنی تجلیات کا وافر حصہ عطا فرمادے۔ آمین ثم آمین۔ بچپن سے جوانی کی دہلیز پہ قدم رکھتے ہی ضرب مومن میں اقصی کے آنسو نامی کالم پڑھتے پڑھتے نجانے کب اقصی کی گلی کو چوں سے محبت اور عشق ہوا اور ایسا ہوا کہ بارہا دل مچلتا تھا لیکن حاضری کی کوئی صورت نظر نا آتی تھی۔ دیگر پاکستانی بہن بھائیوں کی طرح القدس کی آزادی کی دعا پہ ہی اکتفاء کرتی رہی۔ 2020ء میں اللہ پاک نے استاد محترم مولانا سہیل باوادمہم سے ختم نبوت کے اسباق پڑھنے کی سعادت نصیب فرمائی تو استاد محترم کی طرف سے کئی نایاب اور اہم کتب کا ہدیہ موصول ہوا ان کتب میں ایک اہم اور قیمتی کتاب فلسطین کی ڈائری بھی تھی۔ لیکن میری غفلت اور سستی کہہ لیں یا وقت کی قلت کہ میں بس سرسری نظر میں چند جگہ سے دیکھ کر اس کتاب کو لاپہریری میں سجا کر بھول گئی۔ وقتاً فوقتاً مسجد اقصی پہ بچوں کو اسباق پڑھاتے ہوئے بس شروع کے چند صفحات اور تصاویر کو دیکھ لیتی تھی لیکن ہر بار

فرصت میں تفصیلی پڑھنے کا سوچ کر کتاب واپس رکھ دیتی تھی۔ پھر اللہ کی شان کہ استاد محترم کے ساتھ عمرے کے سفر میں جانے کی سعادت ملی اور اس سفر کے دوران اور واپسی کے بعد بھی استاد محترم مولانا سہیل باوا مدظلہم نے بچوں کے ابو جان کو ترغیب دی کہ اقصیٰ کا بھی سفر کرنا چاہیے۔ اللہ پاک نے اسباب بنائے اور زوج محترم نے تیاری کا عندیہ دے دیا۔ انکے بڑے بھائی اور انکے دوست بھی تیار ہو گئے۔ یوں استاد محترم کی ترغیب پہ ہم 5 افراد پہ مشتمل قافلہ سکاٹ لینڈ سے لندن اقصیٰ کے قافلے میں شامل ہونے کے لئے تیار ہوا۔ پہلے تو یقین نہ آیا کہ مجھے ارض مقدسہ میں حاضری کی سعادت ملنے والی ہے۔ جب ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں تو فلسطین کی ڈائری کو پڑھنا شروع کیا۔ لیکن ظاہر ہے روزمرہ کے معمولات میں مکمل پڑھنا مشکل ہو رہا تھا۔ بالآخر سفر میں اس قیمتی کتاب کو ساتھ رکھا اور سکاٹ لینڈ سے لندن اور پھر لندن سے تل ابیب پہنچنے تک یہ کتاب ہی میری رفیق سفر رہی۔ لندن سے تل ابیب تک 5 گھنٹے کی فلائٹ میں الحمد للہ اس کتاب کو مکمل کر لیا۔ کتاب پڑھتے پڑھتے ایسا لگ رہا تھا کہ میں پہلے ہی وہاں پہنچ چکی ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب ہم ارض مقدسہ پہنچتے تب کتاب کا اصل چہرہ سامنے آیا۔ عموماً لوگوں کے ساتھ ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ جو لوگ وہاں نہیں جاسکتے تو انکو کتاب پڑھ کر فلسطین کی حقیقت سمجھ آتی ہے لیکن میرے ساتھ اسکے برعکس معاملہ ہوا مجھے وہاں جا کر کتاب کی اہمیت سمجھ آئی۔ حقیقتاً اگر میں نے یہ کتاب نہ پڑھی ہوتی تو وہاں کے پر نور اور مقدس ماحول سے کما حقہ استفادہ ممکن نہ ہوتا۔ استاد محترم کی ڈائری سے ہی اللہ پاک نے وہاں کے لمحات کو قیمتی بنانے کی توفیق دی اور اللہ پاک نے ساتھ ساتھ ایک مختصر سفر نامہ بھی لکھوادیا اور اس تحریر کا محرک بھی اللہ پاک کی توفیق کے بعد استاد محترم کی ترغیب اور حوصلہ افزائی تھی۔ فلسطین کی ڈائری کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اسمیں صرف معلومات نہیں بلکہ قاری کی تربیت اور اصلاح کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے مثلاً صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال، انکے حالات و واقعات پڑھ کر حقیقتاً اپنی اصلاح اور محاسبہ کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ دراصل یہ کتاب ایک سفر نامہ نہیں بلکہ وہ درد دل اور فکر ہے جو استاد محترم کو ہمہ وقت دامن گیر رہتی ہے کہ مسلمان جو محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ، خاتم الانبیاء ﷺ کی امت ہیں کما حقہ انکی تعلیمات پہ عمل پیرا ہو کر اس دین محمدی ﷺ کی حفاظت کا کام کر سکیں۔ اسی لئے استاد محترم عقائد کی درستگی پہ بہت محنت کرتے ہیں۔ چنانچہ ردّ قادیانیت اور تمام غلط عقائد کا

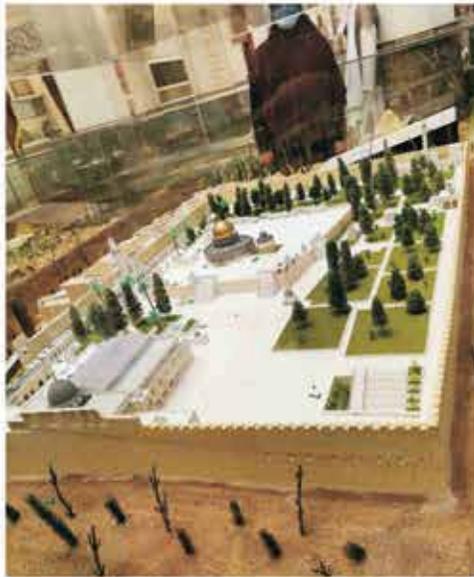
رداستاد محترم کی زندگی کا مقصد ہے جسکے لئے انہوں نے خود کو وقف کیا ہوا ہے۔ مرزا قادیانی کے دعوائے مسیحیت کا رد اس کتاب میں بھی آپ کو نظر آئے گا۔ اور ایک سوال جو اکثر قارئین کی طرف سے کیا جاتا ہے کہ قبلہ اول کیسے آزاد ہوگا؟ اس کا جواب بھی آپ کو اس کتاب میں جامع انداز میں ملے گا۔ لیکن شرط ہے اسے توجہ اور استحضار سے پڑھنا۔ حقیقت یہ ہے کہ قیامت، دجال، عیسیٰ علیہ السلام اور انبیاء علیہم السلام سے متعلق اکثر آیات و احادیث مبارکہ کی اصل تشریح ہمیں فلسطین میں جا کر سمجھ آتی ہے۔ اور چونکہ اس کتاب کے مصنف، ہمارے استاد محترم کو اللہ رب العزت نے اب تک اس مبارک سرزمین کے 10 سے زیادہ اسفار نصیب فرما دیے ہیں اس لئے استاد محترم کی اس کتاب میں آپ کو ان آیات مبارکہ اور احادیث مبارکہ کی وہ عینی تفسیر بھی کئی مقامات پر نظر آئے گی۔ اب مزید آپ کے اور کتاب کے درمیان حائل نہیں ہونا چاہتی اللہ پاک استاد محترم کی اس کاوش کو اعلیٰ درجے کی قبولیت عطا فرما کر اپنی شان کے مطابق اجر عظیم عطا فرمائیں۔ اور ہم سب کو اہل علم کا قدردان بنادیں۔ آمین۔ والسلام مع الاکرام



مسجد اقصیٰ کے بالکل قریب تاریخی مسجد عمر ابن الخطابؓ کا داخلی دروازہ

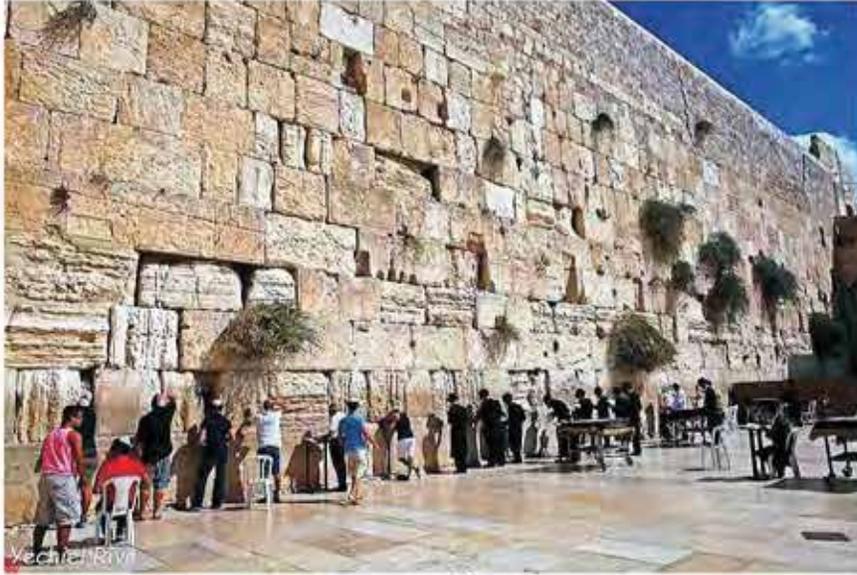


القدس شہر کا خوبصورت منظر  
یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ جبل زیتون کی پہاڑی پر تشریف لائیں گے





مسجد اقصیٰ کے قریب قبرستان کے ساتھ ”باب الرحمہ اور باب التوبہ“  
یہ وہ دروازے ہیں جہاں سے حضرت عیسیٰ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوں گے



دیوار گریہ کا منظر



قبة الصخرہ کے دلکش مناظر





مولانا سہیل باوا صاحب رفقائے ختم نبوت کے ساتھ مسجد اقصیٰ کے صحن میں موجود ہیں





صلاح الدین ایوبیؒ کی تاریخی رہائش گاہ پر مولانا سہیل باوا صاحب اور  
مفتی عبدالوہاب موجود ہیں



مولانا سہیل باوا صاحب اور مفتی عبدالوہاب مسجد اقصیٰ کے صحن میں موجود ہیں  
عقب میں قبة الصخرہ ہے



مولانا سہیل باوا صاحب مسجد اقصیٰ مسجد قبلی میں رفقائے ختم نبوت سے بعد نماز فجر خطاب کر رہے ہیں







حضرت شدا بن اوس رضي الله عنه کی قبر مبارک



سيدة ساره رضي الله عنها کا مقام



سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا مقام



مسجد اقصیٰ کے احاطے میں باب الرحمہ قبرستان میں موجود حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی قبر